اللہ جل جلالہ



خطبات فقیر

جلد دوم

- اسلام میرا پسندیدہ دین کیوں؟
- اسلام اور سائنس
- ہمارا پروردگار
- عشق رسول ﷺ
- سوز عشق اور کیف علم
- مثبت سوچ اور منفی سوچ
- صوفیائے کرام اور جہاد
- سلف صالحین کے سبق آموز واقعات
- اسلام میں عورت کا مقام

پیر طریقت، رہبر شریعت، مفکر اسلام

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

مکتبۃ الفقیر

223 سنت پورہ، فیصل آباد

+92-041-2618003

خطباتِ فقیر

از افادات

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

مرتب:

محمد حنیف نقشبندی مجددی

مکتبۃ الفقیر
223 سنت پورہ فیصل آباد
+92-041-618003

نام کتاب	خطبات فقیر جلد دوم
از افادات	حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ
مرتب	محمد حنیف نقشبندی مجددی
ناشر	مکتبۃ الفقیر 223 سنت پورہ فیصل آباد
اشاعت اول	جنوری 1996ء
اشاعت دوم	نومبر 1998ء
اشاعت سوم	جولائی 2000ء
اشاعت چہارم	مئی 2001ء
اشاعت پنجم	ستمبر 2002ء
اشاعت ششم	جنوری 2004ء
اشاعت ہفتم	جنوری 2005ء
اشاعت ہشتم	ستمبر 2005ء
اشاعت نہم	ستمبر 2006ء
اشاعت دہم	اپریل 2007ء
اشاعت گیارہ	اپریل 2008ء
اشاعت بارہ	مئی 2009ء
اشاعت چودہ	جون 2010ء
کمپیوٹر کمپوزنگ	فقیر شاہد محمود نقشبندی
تعداد	1100

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست

فہرست مضامین

فہرست

فہرست

☆☆☆☆☆

پیش لفظ

الحمد للہ الذی نور قلوب العارفین بنور الایمان

وشرح صدور الصادقین بالتوحید والایقان وصلی اللہ تعالی علی

خیر خلقہ سیدنا محمد وعلی الہ واصحابہ اجمعین - اما بعد!

اسلام نے امت مسلمہ کو ایسے مشاہیر سے نوازا ہے جن کی مثال دیگر مذاہب میں ملنا مشکل ہے۔ اس اعتبار سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صف اول کے سپاہی ہیں۔ جن میں سے ہر ہر صحابی الصحابی کالنجوم کے مصداق چمکتے ہوئے ستارے کے مانند ہے جس کی روشنی میں چلنے والے اہتدیتم کی بشارت عظمی سے ہمکنار ہوتے ہیں اور رشد وہدایت ان کے قدم چومتی ہے۔ بعد ازاں ایسی ایسی روحانی شخصیات صفحہ ہستی پر رونق افروز ہوئیں کہ وقت کی ریت پر اپنے قدموں کے نشانات چھوڑ گئیں۔ سائنس کے میدان میں بھی ایسی باکمال ہستیاں پیدا ہوئیں کہ جن کے نظریات اور تجربات کو بنیاد بنا کر آج کا انسان چاند پر قدم رکھ چکا ہے۔

عہد حاضر کی ایک نابغۂ عصر شخصیت شہسوار میدان طریقت، غواص دریائے حقیقت، منبع اسرار، مرقع انوار، زاہد زمانہ، عابد یگانہ، خاصۂ خاصان نقشبند، سرمایۂ خاندان نقشبند حضرت اقدس مولانا پیر حافظ ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی دامت برکاتہم العالی مادامت النہار واللیالی ہیں۔ آپ منشور (Prism) کی طرح ایک ایسی پہلو دار شخصیت کے حامل ہیں کہ جس پہلو سے بھی دیکھا جائے اس میں قوس قزح کی مانند رنگ سمٹے ہوئے نظر

آتے ہیں۔ آپ کے بیانات میں ایسی تاثیر ہوتی ہے کہ حاضرین کے دل موم ہو جاتے ہیں۔ عاجز کے دل میں یہ جذبہ پیدا ہوا کہ ان خطبات کو تحریری شکل میں یکجا کر دیا جائے تو عوام الناس کے لیئے فائدہ کا باعث ہوں گے چنانچہ عاجز نے تمام خطبات شریف صفحۂ قرطاس پر رقم کر کے حضرت اقدس دامت برکاتہم کی خدمت عالیہ میں تصحیح کیلئے پیش کئے۔ الحمدللہ کہ حضرت اقدس دامت برکاتہم نے اپنی گوناں گوں بین لاقوامی مصروفیات کے باوجود ذرہ نوازی فرماتے ہوئے نہ صرف ان کی تصحیح فرمائی بلکہ ان کی ترتیب و تزئین کو پسند بھی فرمایا۔ یہ انہی کی دعائیں اور توجہات ہیں کہ اس عاجز کے ہاتھوں یہ کتاب مرتب ہو سکی۔

ممنون ہوں میں آپ کی نظر انتخاب کا

عاجز حضرت مولانا مفتی احمد علی نقشبندی مجددی مدظلہ العالی کا بہت ممنون ہے کہ انہوں نے اس ناچیز پر خصوصی شفقت فرمائی اور اس گرانقدر کتاب کو مرتب کرنے میں رہنمائی فرمائی۔ الحمدللہ کہ یہ کتاب اب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ رب العزت سب معاونین کو اجر جزیل عطا فرمائے۔

آخر میں اللہ رب العزت کے حضور دعا ہے کہ وہ اس ادنی سی کوشش کو شرف قبولیت عطا فرما کر بندہ کو بھی اپنے چاہنے والوں میں شمار فرمالیں۔ آمین ثم آمین

ڈاکٹر شاہد محمود نقشبندی

خادم مکتبۃ الفقیر فیصل آباد

عرض ناشر

الحمد لولیہ والصلوۃ والسلام علی نبیہ وعلی آلہ وصحبہ
واتباعہ اجمعین الی یوم الدین۔ اما بعد!

نبی اکرم ﷺ نے خطبۂ حجۃ الوداع کے موقع پر اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو فرمایا کہ بَلِّغُوْ عَنِّی وَلَوْ آیَۃ (کہ تم مجھ سے جو کچھ سنو دوسروں تک پہنچا دو)۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ سے لے کر عہد حاضر تک علماء و صلحاء اپنی بساط بھر یہ فریضہ سرانجام دیتے چلے آئے ہیں۔ سیدنا و مرشدنا حضرت اقدس مولانا ذوالفقار احمد نقشبندی دامت برکاتہم نے اپنے مشائخ سے علم و حکمت اور معرفت کے جو موتی اکٹھے کئے اور ہم تک پہنچائے، ہم نے بھی اپنا فرض جانا کہ ان موتیوں کی مالا بنا کر عوام الناس تک پہنچائیں تاکہ حضور اکرم ﷺ کے فرمان مبارک پر کسی نہ کسی درجے میں عمل کرنے کی سعادت ہمیں بھی حاصل ہو جائے اور حضرت کی ذات بابرکات کا فیضان ہر خاص و عام تک پہنچے۔ یہ ہمارے ادارے کا ایک مشن ہے جو انشاء اللہ سلسلہ وار جاری رہے گا۔

حضرت اقدس دامت برکاتہم کے بیانات کا پہلا مجموعہ "اصلاحی بیانات" کے عنوان سے 1996ء میں شائع کرنے کی سعادت حاصل ہوئی تھی جسے محترم پروفیسر محمد اسلم صاحب نقشبندی نے اپنی شبانہ روز کاوشوں سے مرتب کیا تھا۔ تاہم ساتھیوں کے مشورے پر مجموعہ بیانات کے اس سلسلے کا نام اب خطبات فقیر رکھ دیا گیا ہے اور اس کی دوسری جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ عزیزم محمد حنیف صاحب نقشبندی کے ادبی ذوق وشوق کو دیکھتے ہوئے یہ

ذمہ داری ان کو سونپی گئی۔ انہوں نے بھی اس صدقہ جاریہ کے حصول کیلئے اپنی دوسری مصروفیات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اس کام کو اولیت دی۔ اللہ تعالیٰ ان کے علم کے پودے پر عمل کے پھل لگا کر ان میں اخلاص کی مٹھاس بھر دیں۔ عزیزم ڈاکٹر شاہد محمود صاحب نے اس کتاب کی کمپوزنگ بڑے جذبے سے کی ہے اور اس کی تزئین سے ہمارا دل خوش کر دیا ہے۔ اللہ ان سے خوش ہو اور انہیں اپنا شوق و جذبہ نصیب فرمائے۔

قارئین کرام کی خدمت میں ایک ضروری گزارش ہے کہ اس کتاب کو ایک عام کتاب سمجھ کر نہ پڑھا جائے کیونکہ یہ بحر معرفت کے ایسے موتیوں کی مالا ہے جن کی قدر و قیمت اہل دل ہی جانتے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ یہ صاحب خطبات کی بے مثال فصاحت و بلاغت' ذہانت و فطانت اور حلاوت و ذکاوت کا فقید المثال اظہار ہے جس سے اہل ذوق حضرات کو بھی محظوظ ہونے کا بہترین موقع ملا ہے۔ مزید برآں اگر اس کتاب میں کہیں بھی کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہو یا اس میں مزید بہتری کی کوئی تجویز ہو تو مطلع فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔ تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تصحیح کی جاسکے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں تازیست اپنی رضا کیلئے یہ خدمت سرانجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

مفتی احمد علی نقشبندی
مدیر شعبہ نشر و اشاعت
جامعۃ الحبیب فیصل آباد

اسلام میرا پسندیدہ دین کیوں؟

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْد!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ مَقَامٍ آخَرَ۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ○ سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ○

دین انسانی ضرورت ہے: دین روح انسانی کیلئے ایسا ہے جیسے ہوا جسم انسانی کیلئے۔ انسان پیدا ہی مذہب کی فضا میں ہوتا ہے فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا۔ تاریخ عالم اس بات پر شاہد ہے کہ زمانہ جاہلیت میں عرب سب خرابیوں میں گرو گھنٹال تھے۔ اسلام اسطرح آیا جس طرح سخت گرمی کے بعد باران رحمت یا اندھیری رات کے بعد آفتاب عالم تاب۔ آج سائنسی ترقی نے مشرق اور مغرب کے فاصلوں کو اس طرح سمیٹ دیا ہے کہ پوری دنیا ایک عالمی گاؤں (Global Village) بن گئی ہے۔ ذرائع ابلاغ نے ایک دوسرے کا مافی الضمیر سننے اور جاننے میں آسانیاں پیدا کر دی ہیں۔ نوجوان نسل انٹرنٹ (Internet) وغیرہ کے ذریعے حقائق تک پہنچنے کیلئے کوشاں ہے۔ ہر مذہب کا یہ دعوی ہے کہ ان کے دامن میں صداقتوں کا خزانہ موجود ہے۔ آج کے بیان میں مختلف ادیان کا تقابلی مطالعہ پیش کر کے یہ ثابت کیا جائے گا کہ اسلام میرا پسندیدہ دین کیوں ہے؟

"اسلام" ہی پسندیدہ دین ہے: ارشاد باری تعالیٰ ہے اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَاللّٰہِ الْاِسْلَامُ (اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے)۔ دوسری جگہ فرمایا: وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْہُ (اور جو چاہے

گا اسلام کے علاوہ کوئی اور دین تو اسے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا)۔ پھر ایک جگہ پر فرمایا:
اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (آج کے دن میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا)
وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ (اور میں نے تمہارے اوپر اپنی نعمت کو مکمل کر دیا)
وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (اور میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا)۔

دلیل نمبر1

ادیان عالم پر "اسلام" کی فضیلت:

دنیا کے مختلف آسمانی ادیان اپنے اپنے وقت میں رب العالمین کی طرف سے بھیجے گئے۔

دین اسلام سب سے آخر میں آیا لہٰذا سب سے زیادہ کامل اور مکمل ہے۔ پہلے ادیان کے نام عموماً کسی شخصیت کے نام پر رکھے گئے یا کسی قبیلے کے نام پر۔ مثلاً یہود ایک قبیلہ تھا جس کی وجہ سے یہودی مشہور ہو گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو Jesus Christ کہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے کرسچین مشہور ہوئے۔ زرتشت کا مذہب اپنے بانی کے نام پر مشہور ہوا۔ بدھ مت کا مذہب بدھا کے نام پر مشہور ہوا۔ جبکہ دین اسلام کا معاملہ جداگانہ ہے۔ اسلام نہ کسی آدمی کا نام تھا نہ کسی قبیلے کا اور نہ کسی جگہ کا نام تھا۔ اسلام کا لفظی مطلب ہے فرمانبرداری۔ انگلش میں کہتے ہیں To surrender یعنی کسی کے سامنے اپنے ہتھیار ڈال دینا۔ گویا جو شخص کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا ہے۔ پس دین اسلام اپنے نام کی نسبت اور معانی کے اعتبار سے دوسرے ادیان پر فضیلت رکھتا ہے۔

دلیل نمبر2

آسمانی کتب کا تاریخی جائزہ:

بنی اسرائیل میں ہزاروں انبیاء علیہم السلام گزرے۔ بعض پر الہامی کتب بھی نازل ہوئیں۔

آئیے اس بات کا جائزہ لیں کہ ان انبیاء علیہم السلام کے حالات اور ان کی کتابیں مناسب وقت پر محفوظ ہو گئی تھیں یا نہیں۔

زبور میں تحریف: حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور نازل ہوئی مگر ان کی وفات سے پانچ سو سال بعد لکھی گئی۔ اس میں سو شاعروں کا کلام بھی داخل کر دیا گیا۔ جیسے مثنوی مولانا روم، گلستان اور بوستان وغیرہ کے بعض اشعار بڑے اچھے ہیں تاہم ان کو قرآن میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن انہوں نے اپنے وقت کے سو شاعروں کا منتخب کیا ہوا کلام زبور میں شامل کر دیا۔

تورات میں ردوبدل: حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل ہوئی۔ اہل بابل نے چھٹی صدی قبل مسیح میں بیت المقدس کو تباہ کیا تو تورات کی تختیاں ضائع ہو گئیں۔ پھر پانچویں صدی (ق م) میں جب بنی اسرائیل رہا ہوئے تو انہوں نے نئی تورات لکھی۔ تاریخ آج تک اس بات کو ثابت نہیں کر سکی کہ نئی تورات پرانی تورات کے بالکل عین مطابق ہے۔

- حضرت یونس 800 سال (ق م) نبی ہوئے۔ مگر 300 سال (ق م) ایک شخص نے ان کے حالات زندگی لکھے۔
- حضرت سلیمان کی وفات 933 سال (ق م) ہوئی مگر امثال سلیمان (Proverb) 250 سال (ق م) لکھی گئی۔
- یہ سب کتب 70ء میں بیت المقدس کی دوسری تباہی کے وقت ضائع ہو گئیں۔ صرف یونانی ترجمہ رہ گیا۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ ترجمہ اصل کتاب تو نہیں ہو سکتا۔
- یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ آج بھی یہودیوں کے پاس قدیم ترین عبرانی نسخہ 914ء کا لکھا ہوا ہے۔
- بحیرہ مردار (Black Sea) کے قریب غار قمران میں سے جو عبرانی خریطے (تختیاں) ملے ہیں وہ بھی پہلی اور دوسری صدی قبل مسیح کے ہیں۔
- سامریوں کے ہاں تورات کا قدیم ترین نسخہ گیارہویں صدی عیسوی میں لکھا گیا۔

اورل لاء (Oral Law) کی حقیقت: یہودیوں کے کچھ قوانین ہیں جن کو وہ سینہ بہ سینہ آگے چلاتے ہیں۔ جیسے

ہمارے ہاں ضرب الامثال ہوتی ہیں جو پچھلے لوگوں نے بنائیں ان کو بعد میں آنے والے استعمال کرتے ہیں۔ ان ضرب الامثال کو "Oral Laws" کہا جاتا ہے۔ یہودیوں کے اورل لا تیرہ سو سال تک غیر مکتوب رہے۔ صرف سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے رہے۔ اب بتائیں کہ جو باتیں تیرہ سو سال تک سینہ بہ سینہ منتقل ہوتی رہیں وہ تو رائی کا پہاڑ بن جاتی ہیں۔ یہی حال Oral Laws کے ساتھ ہوا۔ دوسری صدی عیسوی میں ایک شخص ابی یہودہ بن شمعون نے ان کو مشنا (Mishnah) کے نام سے تحریری شکل دی۔ فلسطینی یہودیوں نے ترجمہ کیا تو اس کا نام Halakah رکھا۔ بابلی یہودیوں نے جب ترجمہ کیا تو انہوں نے اس کا نام Haggadah رکھا۔ ان تینوں تحریف شدہ کتب کا مجموعہ قلمود کہلاتا ہے۔ اور یہی یہودیوں کا سرمایہ ہے۔

انجیل میں تحریف: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سریانی تھی۔ انجیل (بائبل) پہلی مرتبہ حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد لکھی گئی۔ اس میں اختلاف ہے کہ یونانی زبان میں لکھی گئی یا آرامی زبان میں۔ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات ہوئی تو ان کے بعد "امثال سلیمان" نامی ایک کتاب جمع کی گئی اور اس کو سلیمانؑ کے نام سے منسوب کر دیا گیا۔ پھر ان سب کتابوں کو بیت المقدس میں محفوظ کیا گیا۔ مگر 70ء میں جب بیت المقدس کو دوبارہ تباہ کیا گیا تو یہ ساری کتب ضائع ہو گئیں۔ صرف بائبل کا یونانی ترجمہ باقی رہا۔

عیسائیوں کو لاجواب کر دینے والے سوالات: اگر عیسائیوں سے پوچھا جائے کہ New Testament کا ترجمہ لاطینی زبان میں کس نے کیا؟ کب کیا؟ کیوں کیا؟ تو اس کی تاریخ (History) ان کے پاس موجود نہیں۔ چوتھی صدی عیسوی میں عیسائی پادری نے سوچا کہ یہ تو اچھی بات نہیں ہے کہ ہمارے ہزاروں نسخے ہوں اور ہماری کتابیں آپس میں نہ ملتی ہوں. لہٰذا ہمیں اس کا کچھ کرنا چاہیے۔ چنانچہ پوپ کے حکم پر نظر ثانی کی گئی اور ستر انجیلوں کو اکٹھا کیا گیا۔ مگر پیشوایان دین نصاریٰ نے ان میں سے چار کو منتخب کر لیا۔ کیوں ایسا کیا؟ عیسائی پوپ قیامت

تک اس کا جواب نہیں دے سکتے۔

ان چار میں سے ایک کا نام Sir King James Version ہے۔ وہ آج کل عیسائیوں کے ہاں بہت مقبول ہے۔ پتہ ہے "Version" (ورشن) کسے کہتے ہیں؟ اگر کسی کتاب میں ترمیم کر دی جائے، کمی بیشی کی جائے تو اس کے دوسرے ایڈیشن کو ورشن Version کہتے ہیں۔ بہرحال ورشن کا لفظ بتاتا ہے کہ اس کتاب میں کمی بیشی ہو چکی ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ پہلی کتاب اور نئی کتاب میں پانچ ابواب (Chapters) کا فرق ہے۔ پہلے پانچ ابواب زیادہ تھے بعد میں کم کر دیئے۔ وہ پانچ ابواب کیوں نکال دیئے؟ اس کا جواب آج تک عیسائی دنیا کے پاس کوئی نہیں ہے۔

سویڈن میں ایک عیسائی لڑکی سے مکالمہ:

فقیر نے ایک مرتبہ سویڈن کے ایک کالج میں اسلام کے عنوان پر لیکچر دیتے ہوئے کہا کہ قرآن دنیا کی واحد کتاب ہے جو آج تک اصلی حالت میں موجود ہے۔ ایک عیسائی لڑکی نے سوال کیا کہ کیا ہمارے پاس اصلی کتاب نہیں ہے؟ فقیر نے پوچھا کہ یہ بتائیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل کس زبان میں نازل ہوئی؟ کہنے لگی، سریانی زبان میں۔ میں نے پوچھا کہ آج کس زبان میں ہے؟ کہنے لگی، انگریزی زبان میں۔ فقیر نے کہا، معلوم ہوا کہ جس زبان میں نازل ہوئی تھی آج اس زبان میں انجیل آپ کے پاس موجود نہیں ہے۔ وہ لڑکی کہنے لگی، ہاں میں تسلیم کرتی ہوں کہ ہمارے پاس اس کا انگریزی ترجمہ (Translation) ہے۔ فقیر نے کہا کہ اس کو آپ خدا کا کلام (Words of God) نہیں کہہ سکتے۔ اس نے ساری کلاس کے سامنے تسلیم کیا کہ واقعی اصل انجیل اس وقت موجود نہیں ہے۔

انجیل کا ترجمہ کیسے کیا گیا؟:

انجیل کا ترجمہ کرتے ہوئے عیسائیوں نے ایک انوکھا کام یہ کیا کہ لوگوں کے ناموں کا بھی ترجمہ کر دیا۔ حالانکہ کسی زبان میں بھی ترجمہ کیا جائے تو انسانی ناموں کا ترجمہ نہیں کرتے مثلاً ایک آدمی کا نام ہے مسٹر بلیک (Mr.Black) تو اردو میں ترجمہ کرتے ہوئے اسے مسٹر کالا نہیں کہہ سکتے

مسٹر براؤن (Mr.Brown) کو مسٹر بھورا نہیں کہہ سکتے۔ بہر حال یہ متفقہ اصول ہے کہ کسی کتاب کا ترجمہ کرتے ہوئے انسانی ناموں کا ترجمہ نہیں کیا جاتا۔

نبی اکرم ﷺ کا نام نامی اسم گرامی انجیل میں موجود تھا احمد ﷺ کے نام سے۔ احمد کا لفظی ترجمہ ہے "سب سے زیادہ تعریف کرنے والا"۔ چنانچہ عیسائیوں نے اس کا ترجمہ کر دیا، دی پریزڈ ون (The Praised One)۔ اب اگر کوئی Praised One کا لفظ کہے تو سننے والا آدمی ہرگز ہرگز نہیں سمجھ سکتا کہ ہم کس کی بات کر رہے ہیں۔ اگر احمد ﷺ کے لفظ سے بات کریں تو ہر بندہ سمجھے گا کہ احمد ﷺ سے مراد اللہ کے پیغمبر کا نام ہے۔ عیسائیوں نے کتاب کا ترجمہ کرتے ہوئے نہ صرف ناموں کا ترجمہ کر دیا بلکہ ناموں کو بھی بدل کر رکھ دیا۔ مثلاً ان کے پیغمبر کا نام تھا عیسیٰ ۔ اس کو انہوں نے ایسز (Esis) بنایا۔ پھر حسب عادت شروع میں جے (J) کا حرف شامل کر دیا اور جیسز (Jesis) بنا دیا۔ آج کی عیسائی دنیا حضرت عیسیٰ کو جیسز کہتی ہے۔ اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کا نام یوسف تھا۔ عیسائیوں نے شروع میں جے (J) لگا کر اسے جوزف (Joseph) بنا دیا۔ یوحنا ایک لفظ تھا اس کے شروع میں جے (J) لگا کر اسے جوہن (John) بنا دیا۔ ایک پیغمبر کا نام تھا یعقوب علیہ السلام، اس کو انہوں نے جیکب (Jacob) بنا دیا۔ بہر حال عیسائیوں نے بعض ناموں کا ترجمہ کر دیا اور بعض ناموں میں حروف شامل کر کے ان کو اصلی صورت سے پھیر دیا۔ سوچنے کی بات ہے کہ جب ناموں کے ساتھ یہ سلوک کیا تو پھر بقیہ کتاب کا کیا حشر کیا ہوگا؟

زرتشت مذہب کی کتب کا جائزہ:

زرتشت مذہب کے بانی کا صحیح زمانہ پیدائش ہی معلوم نہیں ہے۔ اندازاً سکندر کی فتح ایران سے 250 سال پہلے تھا۔ اس کی کتاب "اوستا" اب ناپید ہے۔ جس زبان میں تھی وہ زبان بھی ناپید۔ سیرت کے متعلق صرف اتنا معلوم ہے کہ 40 سال کی عمر میں تبلیغ کی۔ وقت کا بادشاہ گستاسپ مرید ہوا جس کی وجہ سے زرتشت سرکاری مذہب بن کر دنیا کے بعض حصوں میں پھیلا۔

بدھ مت کی کتب کا حال: بدھ مت کے پیشوا نے سرے سے کوئی کتاب ہی نہیں لکھی اور نہ ہی لکھوائی۔ اس کی وفات کے سو سال بعد ایک شخص نے اس کے اقوال اور حالات زندگی کو جمع کیا۔

اسلام میں حفاظت قرآن: اب آیئے قرآن پاک کی تدوین اور اس کے جمع ہونے کا جائزہ لیا جائے۔ قرآن پاک نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں چار طرح سے محفوظ کیا گیا۔

- ایک صورت تو یہ تھی کہ نبی اکرم ﷺ پر جب وحی آتی تو اس وقت آپ ﷺ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بلاتے اور خود ان کو لکھوا دیا کرتے تھے۔ ان صحابہؓ کو کاتبین وحی کہتے ہیں۔ ان کے نام آج تک کتابوں میں باقاعدہ محفوظ ہیں۔
- دوسری صورت یہ تھی کہ نبی اکرم ﷺ خود حافظ قرآن تھے جب رمضان المبارک آتا تو آپ ﷺ جبرئیلؑ کے ساتھ بیٹھ کر دور کیا کرتے تھے۔
- تیسری صورت یہ تھی کہ کئی ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے بھی تھے جنہیں شروع سے آخر تک قرآن پاک یاد ہو گیا تھا۔
- نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں قرآن پاک کو اس طرح محفوظ کیا گیا کہ کسی نے چمڑے پر لکھا، کسی نے پتھر پر لکھا اور کسی نے پتوں پر لکھا۔

پتوں پر لکھا ہوا قرآن مجید: فقیر کو سمرقند جانے کا موقع نصیب ہوا تو وہاں کی لائبریری میں لوہے کی تختیوں پر لکھا ہوا قرآن پاک دیکھا۔ لائبریری کی انچارج عورت نے ایک دوسرا نسخہ دکھایا۔ کہنے لگی، یہ ایک نادر چیز ہے۔ جب فقیر نے دیکھا تو آپ یقین کیجئے کہ اس کے پتوں کی رگیں ابھی تک اس طرح صاف نظر آتی تھیں جیسے شیشم کے درخت کا پتہ سامنے رکھ لیں تو اس کے اندر رگیں چلتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ فقیر نے ان کو ہاتھ لگا کر دیکھا، وہ درخت کے پتے تھے مگر انہیں کتابی شکل میں بند کیا گیا تھا۔ یہ معلوم نہیں کہ کب لکھا گیا تھا تاہم یہ یقینی طور پر کاغذ کی ایجاد سے پہلے کی بات ہو گی۔ سبحان اللہ! آج تک پتوں پر لکھا ہوا قرآن پاک محفوظ ہے۔

صدیق اکبرؓ کے دور میں قرآن مجید کی حفاظت:

جنگ یمامہ میں جب بہت سے حفاظ شہید ہوئے تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مشورے سے قرآن پاک کے مکتوبہ اجزاء کو یکجا کروایا۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی سربراہی میں حفاظ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت بنادی اور فرمایا کہ سارے قرآن کو ایک جگہ پر اس طرح اکٹھا کریں کہ ایک حرف میں بھی تبدیلی نہ ہو۔ لہٰذا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جامع قرآن بننے کا شرف نصیب ہوا۔

حضرت عثمان غنیؓ کے نسخہ جات:

سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں قرآن مجید کے چار نسخے ایک جیسے لکھوائے۔ اور دنیا کے مختلف ممالک میں بھیجے۔ ان چار میں سے دو نسخے اس وقت بھی محفوظ ہیں۔ ایک تاشقند میں ہے اور دوسرا استنبول میں۔ اس عاجز نے تاشقند والا نسخہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ میں نے تاریخ کی کتابوں میں پڑھا تھا کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے صحیفے پر ان کی شہادت کے وقت خون مبارک گرا تھا۔ جب میں فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ والی آیت پر پہنچا تو ٹھیک اس جگہ ایک دھبہ سا نظر آیا۔ گمان کیا جاتا ہے کہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کا دھبہ تھا۔ الحمد للہ کہ عہد صحابہ رضی اللہ عنہم کے لکھے ہوئے قرآن پاک آج تک امت مسلمہ کے پاس محفوظ ہیں۔

قرآن مجید کے بارے میں دشمنوں کی گواہی:

جرمنی میں میونخ یونیورسٹی کا ایک مذہبی شعبہ "ڈیپارٹمنٹ آف تھیالوجی" کے نام سے مشہور ہے۔ وہاں کے پروفیسروں نے بہت ساری رقم مختص کروائی تاکہ وہ دنیا کے مختلف حصوں سے مسلمانوں کی کتاب (قرآن مجید) کو اکٹھا کر کے دیکھیں کہ ان میں کوئی فرق تو نہیں۔ چنانچہ پوری دنیا کے مختلف علاقوں سے قرآن پاک کے چالیس ہزار نسخے اکٹھے کیے گئے اور ان سب نسخوں کے ایک ایک حرف اور ایک ایک نقطے کو جب آپس میں ملایا گیا تو کہیں بھی فرق نہ نکلا۔ اللہ رب العزت کا فرمان ہے کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ ○ (اس نصیحت نامے کو ہم نے نازل کیا اور اس کی

حفاظت بھی ہمارے ذمہ ہے)۔ بہر حال قرآن پاک کے جمع ہونے میں کوئی آدمی شک نہیں کر سکتا۔ پس یہ خدا کا کلام (Words of God) ہے۔

قرآن مجید کی زبان بھی محفوظ ہے: جس طرح خدا کا کلام محفوظ ہے اسی طرح جس زبان میں یہ اترا وہ زبان بھی آج تک محفوظ ہے۔ جب قرآن اترا تھا اس وقت صرف ایک ملک کی زبان عربی تھی اور آج 21 ممالک کی زبان عربی ہے۔ وہ زبان بھی زندہ' وہ کتاب بھی زندہ اور اس پر عمل کرنے والی قوم بھی زندہ۔ پس ثابت ہوا کہ اسلام کے دامن میں محفوظ آسمانی کتاب آج بھی موجود ہے۔ جبکہ عیسائیوں اور یہودیوں کے پاس آسمانی کتابیں موجود نہیں فقط ان کتابوں کے تحریف شدہ انگریزی ترجمے موجود ہیں۔

دلیل نمبر 3

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت محفوظ ہے: ایک اہم اصول یہ بھی ہے کہ اللہ کے جس نبی نے ہم تک دین اسلام پہنچایا ہے اس کی سیرت بھی تو محفوظ ہونی چاہیئے۔ اس کے بغیر ان کی اتباع نہیں کی جا سکتی۔ یہودی الٹے لٹک جائیں تو بھی ہمیں حضرت موسیٰ کی سیرت نہیں دکھا سکتے۔ مگر "دین اسلام" وہ مذہب ہے کہ جس کے پیروکار (مسلمان) اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتار کے بارے میں' کردار کے بارے میں' معاملات کے بارے میں' معاشرت کے بارے میں' معیشت کے بارے میں' ان کے نبوت کے زمانے سے لے کر ان کے دنیا سے رخصت ہونے تک کے شب و روز کی ایک ایک چیز کا ثبوت پیش کر سکتے ہیں۔

دلیل نمبر 4

اسلام دین فطرت ہے: حدیث پاک میں ہے۔ کُلُّ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ عَلٰی فِطْرَۃِ الْاِسْلَامِ (ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے) گویا احکام اسلام کا علمی ذوق ہر سلیم الفطرت شخص میں موجود ہوتا ہے۔ ایک عام سادہ آدمی کسی مسئلہ

میں اسلامی شریعت کا حکم جاننا چاہے تو اس کے اپنے سینے میں مفتی موجود ہوتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ وَلَوْ اَفْتَاكَ الْمُفْتِيُوْنَ (جب تجھے مفتی فتویٰ دیں تو اپنے دل سے بھی فتویٰ پوچھ لے) یہ نعمت یہودیوں' عیسائیوں اور ہندوؤں وغیرہ کو نصیب نہیں ہے۔ عیسائیوں میں ازدواجی زندگی کو معرفت الٰہی کے حصول میں رکاوٹ سمجھنا اور عورت کو ننز (Nuns) یعنی ساری زندگی کنواری رہنے کی ترغیب دینا خلاف فطرت ہے۔ ہندوؤں میں خاوند کے مرجانے کی صورت میں بیوی کا جیتے جاگتے آگ کی چتا میں جل کر ستی ہوجانا فطرت انسانی کے منہ پر طمانچہ ہے۔ یہودیوں کا یہ دعویٰ کرنا کہ نبوت صرف بنی اسرائیل کی میراث ہے اور بقیہ انسانیت ان کے در کی گدا ہے خلاف عقل و دانش ہے۔ بدھ مت میں انسانی معاشرے سے فرار اختیار کر کے جنگلوں میں اکیلے رہنا اور کھانے پینے اوڑھنے کی ضروریات سے پرہیز کرنا فطرت انسانی کے خلاف ہے۔

دلیل نمبر 5

اسلامی عبادات سادہ اور قابل عمل ہیں: اسلامی عبادات میں حیران کن حد تک سادگی ہے۔ نماز پڑھنے کیلئے وضو کرتے ہیں گویا ان اعضاء کو دھوتے اور پاک صاف کرتے ہیں جو عموماً کام کاج میں ننگے کئے جاسکتے ہیں۔ مثلاً بازو کہنیوں تک' پورا چہرہ' سر کے بال اور پاؤں ٹخنوں تک۔ یہی وضو کے فرائض ٹھہرے۔ باقی وضو کے اعمال سنت ہیں۔ کریں تو یقینی فائدہ ہے عذر کی وجہ سے نہ کرسکیں تو رخصت ہے۔ اگر کہیں پانی بھی میسر نہ آسکے تو تیمم کر کے نماز پڑھ لی جائے۔ نماز کے اوقات کا انحصار طلوع فجر اور غروب شمس کے ساتھ کر دیا گیا۔ یہ ایک ایسا آسان کام ہے دنیا کا ہر امیر' غریب' صحتمند' بیمار' عالم اور جاہل اس کو سمجھ سکتا ہے۔ ہر مرد' عورت' بچہ' سمجھدار اور بوڑھا باسانی نماز کے اوقات کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ فجر طلوع شمس سے پہلے' ظہر سورج کے زوال کے بعد' عصر غروب شمس سے پہلے' مغرب سورج غروب ہوتے ہی اور عشاء جب سورج غروب ہوئے اتنا وقت گزر جائے کہ آسمان پر ستارے چمک

جائیں۔ ان اوقات کو معلوم کرنے کیلئے کسی آلے کی ضرورت نہیں ہے۔ آدمی شہر میں ہو، ویرانے میں، جنگل میں، پہاڑ کی چوٹیوں پر یا سمندر کے متلاطم حصوں میں ہو، ہر حال میں آسمان کی طرف نظر اٹھاتے ہی نماز کے اوقات کا پتہ چلا سکتا ہے۔ نماز پڑھنے کیلئے پوری زمین جس پر ظاہری ناپاکی کے نشان نہ ہوں کو مصلے کا درجہ دے دیا گیا ہے۔ قبلہ کا رخ معلوم کرنے کیلئے اپنا اندازہ (تحری) لگائے پھر جس طرف گمان غالب ہو اس طرف منہ کر کے نماز پڑھ لے۔ بالفرض چار رکعت کی نیت باندھی اور پہلی رکعت مشرق کی سمت پڑھی مگر دوسری میں خیال غالب ہوا کہ نہیں قبلہ تو مغرب کی طرف ہے تو چاہئے کہ ادھر رخ کر لے اگر تیسری رکعت میں شمال کی طرف گمان غالب ہوا تو ادھر رخ کر لے۔ اگر چوتھی میں جنوب کی طرف سمت قبلہ ہونے کا گمان غالب ہوا تو ادھر رخ کر لے۔ ہر رکعت اگر مختلف سمت میں بھی پڑھی ہو گی تو نماز قبول کر لی جائیگی فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ (تم جدھر رخ کرو ادھر ہی اللہ ہو گا)۔

نماز کیلئے ستر عورت کو ڈھانپنا ضروری قرار دیا گیا کہ اتنا لباس تو غریب سے غریب ترین انسان کے پاس بھی ہوتا ہے۔ اگر بالفرض ایسی جگہ ہو جہاں انسان مادر زاد ننگا اور برہنہ ہے اور قریب نہ درخت ہیں نہ ہی گھاس وغیرہ ہے جس سے اپنا ستر چھپا سکے تو ایسی صورت میں بھی بیٹھ کر نماز پڑھ لے تو نماز ہو جائے گی۔ اگر صحت خراب ہے کہ کھڑا ہو کر نماز ادا نہیں کر سکتا تو بیٹھ کر پڑھ لے۔ اگر بیٹھ کر بھی نہیں پڑھ سکتا تو لیٹ کر پڑھ لے۔ اگر نماز میں غلطی ہو جائے تو سجدہ سہو کی سہولت موجود ہے۔ اگر بالفرض سویا رہا آنکھ نہ کھلی یا ایسا عذر لاحق ہوا جو اختیار سے باہر ہے تو نماز کو قضا پڑھ لینے کی سہولت موجود ہے۔ گویا عبادت میں اتنی آسانی اور سادگی ہے کہ دنیا کا کوئی بھی انسان اسے ناقابل عمل قرار نہیں دے سکتا۔

اب ذرا یہودیت کی عبادات کا جائزہ لیں۔ دین یہود میں ہفتے کے دن آگ جلانا جائز نہیں۔ اب جن لوگوں کے ذریعہ معاش میں آگ کا استعمال ہے وہ کیا کریں؟ بیمار آدمی اگر اپنے لئے کھانا پکوانا چاہے تو کیا کرے؟ جہاں بجلی نہیں ہے اور چراغ جلایا جاتا ہے اگر

بجھ جائے تو کیا بنے گا؟ ہفتے کے دن نہ کارخانے چل سکتے ہیں نہ ہی ہر وہ کام کر سکتے ہیں جس میں آگ کا استعمال ہوتا ہے۔ یہ عبادت انسان کیلئے کس قدر مشکلات پیدا کر سکتی ہے۔ مزید برآں یہودیوں کے نزدیک ہفتہ کے دن سواری پر سوار نہیں ہو سکتے۔ اگر کوئی ضروری کام کیلئے دور جانا چاہے یا معذور ہو، کمزور ہو کہ پیدل نہ چل سکتا ہو تو وہ کیا کرے؟ عقل کہے گی کہ اس عبادت نے تو ہمارا جینا حرام کر دیا۔ بخشو بی بلی چوہا لنڈورا ہی بھلا۔

دین عیسائیت میں عبادت فقط چرچ میں ہو سکتی ہے۔ اگر کوئی آدمی آبادی سے ذرا دور ہو تو وہ سنڈے پریئر (Sunday Prayer) سے محروم ہو گیا۔ مزید برآں اگر ہفتے کے دوسرے دنوں میں جی چاہے کہ عبادت کریں تو اتوار کے دن کا انتظار کرنا ضروری ہے۔ اگر کوئی آدمی کاروباری مجبوری کی وجہ سے چرچ نہیں جا سکتا تو وہ اپنے گھر میں عبادت نہیں کر سکتا۔ سمندروں میں سفر کرنے والے ملاح اور ماہی گیر پوچھیں گے کہ ہمارا کیا قصور کہ ہم عبادت سے محروم۔ پہاڑوں میں زندگی بسر کرنے والے کیسے عبادت کر سکیں گے۔ چلیں ایک دوسرے نکتے پر غور کریں کہ اگر کوئی عیسائی اپنے گناہوں سے توبہ کرنا چاہے تو اسے پادری کے سامنے جا کر اپنے گناہوں کا اعتراف کرنا پڑے گا ورنہ توبہ قبول نہیں ہو گی۔ اگر کوئی یہودی گناہوں سے توبہ کرنا چاہے تو اسے دیوار گریہ کے پاس جا کر رونا پڑے گا جبکہ کوئی مسلمان گناہوں سے توبہ کرنا چاہے تو نہ کہیں جانے کی ضرورت، نہ ہی کوئی مال پیسہ خرچ کرنے کی ضرورت، فقط اپنے دل میں ندامت محسوس کر کے آئندہ گناہ نہ کرنے کا اقرار کر لے توبہ قبول ہو جائے گی۔ حدیث پاک میں ہے اَلدِّیْنُ یُسْرٌ (دین میں آسانی ہے)۔ قرآن مجید میں ہے یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ (اللہ تعالی تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ کرتا ہے تنگی کا نہیں)۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا (آسانیاں پیدا کرو مشکلات پیدا نہ کرو)۔

پس ثابت ہوا کہ یہودیت اور عیسائیت میں عبادات کا تصور اتنا آسان نہیں جتنا کہ اسلام میں ہے۔

دلیل نمبر6

اسلام عالمی دین ہے: اسلام ساری دنیا کیلئے محبت و سلامتی کا پیغام لایا ہے۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا یَآاَیُّھَاالنَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (اے انسانو! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں)۔ دوسری جگہ فرمایا گیا کَآفَّةً لِلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا (تمام انسانوں کیلئے بشیر و نذیر بن کر آئے)۔ رحمت للعالمین ﷺ کی رحمت سب انسانوں کیلئے ہے زمین کے بسنے والے ہوں یا چاند پر یا مریخ پر جا کر آباد ہونے والے ہوں۔ اسی لئے فرمایا گیا اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً (تم سب کے سب سلامتی میں داخل ہو جاؤ)۔ دوسری جگہ فرمایا گیا وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا (تم سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لو)۔ وحدت قومیت کا نظریہ انوکھا ہے۔ اختلاف زبان اور تبائن الوان کی حدود ٹوٹ گئیں۔ یہ اجتماعیت اور سلامتی کا نظریہ اسلام ہی کا پیش کردہ ہے۔ اہل فارس کا دعویٰ ہے کہ نبوت کا شرف صرف ایزج ہی کی اولاد کو ملا ہے۔ بنی اسرائیل کا دعویٰ ہے کہ نبوت ان کی میراث ہے۔ ہندوالوں کا دعویٰ ہے کہ آکاش وانی کا درشن صرف گنگا جمنا کا اشنان کرنے والوں کیلئے ہے۔ اہل چین کا دعویٰ ہے کہ فرزند آسمانی صرف وہی ہیں۔ مگر اسلام نے "کافه" اور "جمیعا" کا لفظ استعمال کیا ہے۔

دلیل نمبر7

اسلام کامل دین ہے: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا کہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (آج کے دن میں نے تمہارے دین کو مکمل کر دیا)۔

پس دین اسلام زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی عطا کرتا ہے۔ انفرادی زندگی، اجتماعی زندگی، ازدواجی زندگی، سیاسی مسائل، معاشی مسائل، معاشرتی مسائل، عبادات و اخلاقیات، امن و سلامتی کے احکام، بیع و شراء کی تفصیلات، غرض بچے کے پیدا ہونے سے لے کر مرنے تک، پھر مرنے سے لے کر روز محشر کھڑا ہونے تک اور حساب و کتاب سے لے کر جنت و جہنم میں داخلے تک کی تمام تفصیلات بتادی گئی ہیں۔ یہودیت اور عیسائیت کو فقط عبادات و

اخلاقیات تک محدود کر دیا گیا۔ زندگی کے دوسرے شعبوں میں انسان حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا گیا۔ اسی لئے مغرب نے سیاست کو دین سے الگ کر کے ہوا و ہوس کے تقاضے پورے کرنے کیلئے راہیں پیدا کرلیں۔ بقول شخصے

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

دلیل نمبر8

اسلام علم و برہان کا حامی ہے: اسلام نے تحصیل علم کو مقصد عظیم بنا کر انسانیت کے سامنے پیش کیا۔ قرآن کا آغاز علم کے بیان سے ہوا فرمایا اِقْرَاْ (پڑھیے)۔ نبی رحمت ﷺ کو یُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ (کتاب کی تعلیم دینے والے) کا لقب عطا کیا گیا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "اُطْلُبُوا الْعِلْمَ مِنَ الْمَهْدِ اِلَى اللَّحْدِ "(علم حاصل کرو پنگھوڑے سے لے کر قبر میں جانے تک)۔ گویا انسانی زندگی میں کوئی ایسا وقت نہیں آنا چاہیئے جب وہ اپنے آپ کو علم سے فارغ سمجھے۔

- نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا "علماء کے قلم کی سیاہی شہیدوں کے خون سے زیادہ قیمتی ہے۔
- نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا "علم کا طلب کرنا ہر مسلمان (مرد اور عورت) پر فرض ہے"۔
- قرآن مجید میں محبوب خدا ﷺ کی دعا کے متعلق ارشاد فرمایا" قُلْ رَّبِّ زِدْنِی عِلْمًا "اے پروردگار! میرے علم کو بڑھا۔
- قرآن مجید میں علماء کی عظمت و فضیلت ان الفاظ میں بیان کی گئی یَرْفَعُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ (اللہ تم میں سے ان لوگوں کے رتبے بلند کرتا ہے جو ایمان لائے اور جو علم دیئے گئے)
- اسلام نے ہر مسلمان کو شہد کی مکھی بن کر علم حاصل کرنے کی تلقین کی هَلْ عِندَکُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا (کیا تمہارے پاس علم ہے جسے نکالو تم ہمارے لئے!)۔

✹ -اسلام نے جھگڑے کے وقت بھی علمی دلائل طلب کیے۔ فرمایا ھَاتُوا بُرْھَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ (اپنا برہان پیش کرو اگر تم سچے ہو)۔

✹ -اسلام نے جاہلیت کے دور میں اقوام عالم کو علم سکھایا۔ سیبویہ 'بو علی' زجاج آئمہ لغت و نحو تھے مگر عربی النسل نہیں۔ امام اللغت اسمٰعیل بن محمد جوہری' استاد مجدالدین ابو طاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی بھی عربی النسل نہیں تھے۔ ابوالفرج (مسیحی) کی تصانیف عربی میں بکثرت ہیں جبکہ وہ مالٹا کا باشندہ ہے۔ مورخ الشہیر برہان الدین موصل میں پیدا ہوئے۔ علامہ ابن خلدون تیونس میں پیدا ہوئے اور فلسفہ تاریخ کے موجد بنے۔ مقریزی کے وجود پر بعلبك کو فخر ہے۔ امام اعظم" اہل فارس سے' امام بخاری" ' امام مسلم" ' امام ترمذی" وغیرھم وسط ایشیا سے تھے۔ سائنسی علوم میں رئیس الاطباء بو علی سینا نے "القانون فی الطب" لکھی جو آج بھی مستند ہے۔ الجبرا کا مخرج عربی کا لفظ "الجبرا" ہے۔ ریاضی کا جدید تصور "الگوارزم" محمد بن موسی کے "الخوارزم" سے مشتق ہے۔ اس کی کتاب "کتاب المختصر فی حساب الجبر والمقابلہ" کے لاطینی ترجمے کے ذریعے الجبرا یورپ میں متعارف ہوا۔ بصریات کی سائنس کی ابتدا ابوالہیثم نے "کتاب المناظر" تصنیف کر کے رکھی۔ علی بن عیسی نے "تذکرۃ الکحالین" لکھی اور جراحی میں مخدرات کے استعمال کی تجویز پیش کرنے والا پہلا شخص بنا۔

تورات اور انجیل میں علم حاصل کرنے کی اہمیت پر اسقدر روشنی نہیں ڈالی گئی جسقدر اسلام نے علم کے حصول کی ترغیب دی۔ یہ اسلام کا امتیاز ہے۔

دلیل نمبر9

اسلام اخوت کاملہ کا دین ہے: ارشاد باری تعالی ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (بے شک مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں)۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "کُوْنُوْ عِبَادَاللّٰہِ اِخْوَانًا" اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔ اسلام نے حمیت الجاھلیت دلوں میں رکھنے والے لوگوں کو اخلاقیات کا ایسا درس دیا کہ

* -اسلام نے جھگڑے کے وقت بھی علمی دلائل طلب کیے۔ فرمایا ھَاتُوا بُرْھَانَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ (اپنا برہان پیش کرو اگر تم سچے ہو)۔
* -اسلام نے جاہلیت کے دور میں اقوام عالم کو علم سکھایا۔ سیبویہ' بو علی' زجاج آئمہ لغت و نحو تھے مگر عربی النسل نہیں۔امام اللغت اسمٰعیل بن محمد جوہری' استاد مجدالدین ابو طاہر محمد بن یعقوب فیروز آبادی بھی عربی النسل نہیں تھے۔ ابوالفرج (مسیحی) کی تصانیف عربی میں بکثرت ہیں جبکہ وہ مالٹا کا باشندہ ہے۔ مورخ الشہیر برہان الدین موصل میں پیدا ہوئے۔ علامہ ابن خلدون تیونس میں پیدا ہوئے اور فلسفہ تاریخ کے موجد بنے۔ مقریزی کے وجود پر بعلبک کو فخر ہے۔ امام اعظم" اہل فارس سے' امام بخاری" ' امام مسلم" ' امام ترمذی" وغیرھم وسط ایشیا سے تھے۔ سائنسی علوم میں رئیس الاطباء بو علی سینا نے "القانون فی الطب" لکھی جو آج بھی مستند ہے۔ الجبرا کا مخرج عربی کا لفظ "الجبرا" ہے۔ ریاضی کا جدید تصور "الگوارزم" محمد بن موسی کے "الخوارزم" سے مشتق ہے۔ اس کی کتاب "کتاب المختصر فی حساب الجبر و المقابلہ" کے لاطینی ترجمے کے ذریعے الجبرا یورپ میں متعارف ہوا۔ بصریات کی سائنس کی ابتدا ابوالہیثم نے "کتاب المناظر" تصنیف کر کے رکھی۔ علی بن عیسی نے "تذکرۃ الکحالین" لکھی اور جراحی میں مخدرات کے استعمال کی تجویز پیش کرنے والا پہلا شخص بنا۔

تورات اور انجیل میں علم حاصل کرنے کی اہمیت پر اسقدر روشنی نہیں ڈالی گئی جسقدر اسلام نے علم کے حصول کی ترغیب دی۔ یہ اسلام کا امتیاز ہے۔

دلیل نمبر 9

اسلام اخوت کاملہ کا دین ہے: ارشاد باری تعالی ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (بے شک مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں)۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "کُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰہِ اِخْوَانًا" اللہ کے بندو! آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔ اسلام نے حمیت الجاہلیت دلوں میں رکھنے والے لوگوں کو اخلاقیات کا ایسا درس دیا کہ

دشمن دوست بن گئے' رقیب رفیق بن گئے اور عدو حبیب بن گئے۔ قرآن نے یوں منظر کشی کی "وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا" (تم یاد کرو اللہ کی نعمت کو کہ جب تم دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم بھائی بھائی بن گئے)۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں مواخات کے ایسے واقعات پیش آئے کہ تاریخ انسانی اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ آئے تو انہوں نے مسکرا کر کہا کہ "سیدنا بلال" آگئے۔ دوسرے موقع پر کہا "سیدنا ابوبکر اعتق سیدنا بلالؓ"

دلیل نمبر 10

اسلام مساوات عامہ کا حامی و داعی ہے:

انسان ہونے کے ناطے ہم سب آدمؑ کی اولاد ہیں۔ لہٰذا کسی گورے کو کالے پر اور کسی عجمی کو عربی پر فضیلت حاصل نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ" (بے شک تم میں سے اللہ کے نزدیک وہ مکرم ہے جو زیادہ متقی ہے)۔ پس تکریم و تفضیل کی بنیاد نیکوکاری اور پرہیزگاری ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا "يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ ذَهَبَ عَنْكُمْ نَخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعْظِيْمَهَا بِالْآبَاءِ۔ اَلنَّاسُ مِنْ آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ" (اے قریش! بے شک اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور آباء و اجداد پر ناز کرنا منع کر دیا۔ انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدمؑ مٹی سے بنائے گئے)۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تخت کی بجائے سفید زمین پر نشست اس لئے اختیار کی کہ سب خاک نشین ہم فرش ہو جائیں۔ اس کا بہترین نمونہ نماز کی صف ہے کہ جہاں امیر' غریب' چھوٹا' بڑا سب ایک ہو جاتے ہیں۔

آگیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز قبلہ رو ہو کر زمیں بوس ہوئی قوم حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

دلیل نمبر 11

اسلامی شریعت کو انسانی قوانین پر برتری حاصل ہے: عقل انسانی اپنے تجربات و مشاہدات کی بنیاد پر جو قوانین مرتب کرتی ہے وہ ناپائیدار ہوتے ہیں۔ حالات کی ذرا سی تبدیلی کئی ایسے معاملات سے پردہ اٹھاتی ہے کہ قوانین میں تبدیلی کرنی پڑ جاتی ہے۔ اس لئے انسانی قوانین میں وقتاً فوقتاً ترمیم و تنسیخ ضروری ہو جاتی ہے۔ اسلامی شریعت کے قوانین کو انسانی قوانین پر برتری تین وجوہات سے حاصل ہے۔

1) - اسلامی شریعت کو انسانی قوانین پر حال و مستقبل کے لحاظ سے برتری حاصل ہے۔

اسلامی معاشرے کے جو بنیادی اصول چودہ سو سال پہلے بتائے گئے اگر وہ حق و انصاف کی آنکھ سے دیکھے جائیں تو سورج کی طرح چمکتے دکھائی دیتے ہیں۔ یورپ نے آج سائنسی دور میں بھی انسانی حقوق، امن و سلامتی، عدالت و انصاف کے اسلامی قوانین کو اپنانے ہی میں عافیت سمجھی ہے۔ امریکہ نے واشنگٹن میں سپریم کورٹ کی مرکزی عمارت بنائی تو اس کے لاؤنج میں نبی اکرم ﷺ کے بعض فرامین کو آرٹس (کیلیگرافی) کے انداز میں لکھوایا جس کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کے پیغمبر ﷺ نے انصاف کا اسقدر بول بالا کیا کہ آج کا انسان ان کو خراج عقیدت پیش کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

2) - اسلامی شریعت کو انسانی قوانین پر مکان (مشرق و مغرب) کے لحاظ سے برتری حاصل ہے۔ اسلامی قوانین دنیا کے ہر ملک کیلئے قابل عمل ہیں۔ زمین کے فاصلے ان پر اثر انداز نہیں ہو سکتے۔

3) - اسلامی شریعت کو انسانی قوانین پر معیار زندگی (امیر و غریب) کے لحاظ سے برتری حاصل ہے۔

دلیل نمبر12

بنیادی حقوق میں اسلامی شریعت کا امتیاز: اسلامی شریعت کو بنیادی حقوق کے میدان میں بھی امتیاز نصیب ہے۔

① **آزادیء مذہب:** اسلام نے عقیدے کے معاملے میں انسان پر جبر و اکراہ کی بجائے آزادی و اختیار کی راہیں کھولیں۔ ارشاد باری تعالی ہے۔ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ (دین میں کوئی جبر و اکراہ نہیں)۔

② **آزادیء فکر:** اسلامی شریعت نے کائنات کے متعلق انسانی سوچ کو فکر و عمل کی آزادی بخشی ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابْ (بے شک آسمان اور زمین کی پیدائش میں اور دن اور رات کے اختلاف میں عقلمندوں کیلئے بڑی نشانیاں ہیں)۔

③ **آزادی رائے:** اسلامی معاشرے کے ہر فرد کو آزادی رائے عطا کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے وَشَاوِرْھُمْ فِی الْاَمْرِ (اور آپ اپنے امور میں ان سے مشورہ کیا کیجئے)

دلیل نمبر13

ازدواجی زندگی کے اصول و ضوابط: اسلام نے زندگی کے ہر میدان میں انسان کو رہنمائی عطا کی ہے۔ بالخصوص ازدواجی زندگی کے کامیاب ہونے کیلئے سنہری اصول و ضوابط بتائے گئے ہیں۔ نکاح و طلاق کے مسائل' حقوق زوجین' والدین کے حقوق اولاد کی تعلیم و تربیت اور وراثت وغیرہ کے ایسے شاندار ضابطے متعین کئے ہیں کہ دنیا کا کوئی مذہب بھی اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتا۔ کتنی عجیب بات ہے کہ مادی ترقی اور وسائل کی فراوانی کے باوجود یورپ میں طلاق کی شرح 60 فیصد سے زائد ہے جبکہ اسلامی ممالک میں 6 فیصد بھی نہیں ہے۔ اس کے باوجود اسلامی ممالک کو تھرڈ ورلڈ (Third World) کہا جاتا ہے۔

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

دلیل نمبر 14

اسلام اور مسئلہ غلامی: جنگی قیدیوں کے متعلق ترقی یافتہ قوموں کا رویہ بھی بڑا سخت رہا ہے۔ اکثر ممالک میں جنگی قیدیوں کو قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے کے علاوہ طرح طرح کی ذہنی اذیتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بعض اوقات تو کھانے میں دوائیں ملا کر ان کو ذہنی طور پر مفلوج کر دیا جاتا ہے۔ جنگی قیدیوں کو کسی طرح کی رعایت دینا گوارا نہیں کیا جاتا۔ جنگ عظیم اول اور دوم میں یورپ نے جنگی قیدیوں کا جو عبرتناک حشر کیا اس کی داستانیں سن کر کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ پوری دنیا میں اسلام ہی وہ مذہب ہے جو جنگی قیدیوں کا بہترین حل پیش کرتا ہے۔ اکثر لوگ مسئلے کی تفصیلات کا علم نہ ہونے کی وجہ سے یوں سمجھتے ہیں کہ اسلام انسانوں کی خرید و فروخت کی اجازت دیتا ہے جو کہ بنیادی حقوق کے خلاف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر کوئی فوج مسلمانوں پر حملہ کرے اور مسلمان فتح یاب ہوں تو وہ جنگی قیدیوں کا کیا حل کریں؟ اس کی چند صورتیں ہیں۔

① قیدیوں کو آزاد کر دیا جائے۔ یہ عقل و دانش کے خلاف اور دشمن کو دوبارہ حملہ کرنے کا موقع دینے کے مترادف ہے۔ یہ تو برے کو برائی کا موقع دینا ہوا للذا یہ مسئلے کا حل نہیں ہے۔

② قیدیوں کو قتل کر دیا جائے۔ یہ کبھی کبھی عبرت سکھانے کیلئے تو ٹھیک ہے تاہم مسئلے کا مستقل حل نہیں ہے۔ اس سے اسلام کو تو کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوتا فقط دشمن کا نقصان ہوتا ہے۔ للذا یہ بھی حل نہ ہوا۔

③ تیسری صورت یہ ہے کہ قیدیوں کو فوجیوں میں تقسیم کر دیا جائے تاکہ یہ لوگ اسلامی زندگی کو قریب سے دیکھیں اور ممکن ہے کہ اسلام قبول کر لیں۔

یہ جنگی قیدی اگر مرد ہے تو غلام کہلائے گا اور اگر عورت ہے تو باندی کہلائے گی۔ ان کا درجہ آزاد مسلمانوں کے برابر ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا۔ تاہم اسلام نے ان کے کھانے پینے اور لباس وغیرہ کے متعلق تعلیم دی ہے کہ جو خود کھاؤ وہی اپنے غلام کو کھلاؤ، جو خود پہنو

وہی ان کو پہناؤ اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا معاملہ کرو۔ اگر انہیں آزاد کرو گے تو یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے اجر و ثواب کا باعث ہے۔ غلام چونکہ اپنے مالک کی ملکیت میں ہوتا ہے لہٰذا اس سے کام کاج کروانے کی اجازت ہوتی ہے۔ اگر کوئی مالک محسوس کرے کہ اسے غلام کی ضرورت نہیں تو وہ کسی دوسرے مسلمان سے رقم یا کوئی چیز لے کر غلام اس کی ملکیت میں دے سکتا ہے۔ اسلامی شریعت کا اصل ہدف یہ رہا ہے کہ یہ دشمن جنگی قیدی جب مسلمانوں کے اخلاق کو دیکھیں گے تو مسلمان ہو جائیں گے اور تاریخ گواہ ہے کہ اسلامی دنیا میں غلاموں نے بڑے بڑے علمی اور عملی کارنامے سرانجام دیئے۔ مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔

سالم رضی اللہ عنہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے غلام ہیں مگر راہ ہجرت میں مسلمان مہاجرین کے امام بنے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ غلام ہیں مگر سریہ موتہ میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی کے امیر بنے۔ صہیب رومی رضی اللہ عنہ تھے غلام مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی مرض الموت میں انہیں اسوقت تک مسجد نبوی کا امام بنایا جب تک خلیفہ کا انتخاب نہ ہو گیا۔ عکرمہ رضی اللہ عنہ اور قتادہ رضی اللہ عنہ غلام تھے مگر کتب تفسیر میں سید المفسرین کہلائے۔ حسن بصری رحمہ اللہ کنیز زادے تھے مگر صوفیاء کے امام بنے۔ نافع رضی اللہ عنہ غلام تھے مگر عن مالک عن نافع بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ میں سلسلہ الذہب کہلائے۔ بقول امام بخاری" یہ روایت کا سلسلہ آسمان کے نیچے روایت کا اصح ترین سلسلہ ہے۔

محمود سبکتگین غلام ابن غلام تھا مگر بادشاہ بنا اور سومنات کا فاتح کہلایا۔ الیمین غلام تھا مگر مامون الرشید کا جرنیل بنا۔ قاہرہ یونیورسٹی کا بانی جوہرہ غلام تھا۔ طارق بن زیاد فاتح جبرالٹر غلام تھا۔ ہندوستان کا پہلا مسلمان بادشاہ ایبک غیاث الدین غوری کا غلام تھا۔

اس کی بنیادی وجہ اسلامی تعلیمات کا حسن و کمال ہے کہ مسلمانوں کو غلاموں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا۔ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں آپ کے نواسے حضرت غلام زادے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " اے پروردگار! ... تا ہوں جو کوئی ان سے محبت کرے تو بھی ان سے محبت فرما"۔

سبحان اللہ۔ اپنے نواسے اور غلام زادے کے ساتھ مساوات اور محبت کا یہ سلوک دیکھ کر دنیا انگشت بدنداں نہ ہو تو کیا کرے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حقیقی پھوپھی زاد بہن سے اسکا نکاح کیا۔

اسلامی شریعت کی ان تعلیمات کا یہ اثر ہوا کہ اکثر و بیشتر جنگی قیدی اسلام قبول کر لیتے اور بعض اوقات بڑے بڑے علمی کمالات کے حامل بنتے۔ خلیفہ ہشام بن عبد المالک نے حضرت عطاءؒ سے پوچھا کہ اسلامی شہروں کے فقیہ جو غلام ہیں ان کے متعلق بتائیں۔ انہوں نے فرمایا کہ مدینے میں نافعؒ۔ مکہ میں عطاء ابن ابی رباحؒ۔ یمن میں طاؤسؒ بن کیسان۔ یمامہ میں یحیؒ بن کثیر۔ شام میں مکحولؒ۔ موصل (الجزیرہ) میں میمون بن مہرانؒ۔ خراسان میں ضحاک بن مزاحمؒ اور بصرہ میں عطاء الحسن بصریؒ و ابن سیرینؒ سب غلام ہیں۔ جبکہ صرف کوفہ میں ابراہیم النخعیؒ عربی النسل تھے۔

دلیل نمبر 15

کیا اسلام تلوار کے زور سے پھیلا؟:

اسلامی تعلیمات میں ایسا حسن و جمال ہے کہ ہر دید و دانش رکھنے والا انسان بے اختیار اس کی طرف کھنچا چلا آتا ہے۔ اس کے سایہ رحمت میں اسے امن و آشتی کا سانس نصیب ہوتا ہے۔ یہود و نصاریٰ نے الزام تراشی کی انتہا کرتے ہوئے کہا کہ دین اسلام تو تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ یعنی چند جنگجو انسانوں کا گروہ مسلمانوں کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل گیا تھا۔ انہوں نے قوت بازو سے عرب و عجم میں اسلام کو پھیلا دیا۔ جب پوچھا گیا کہ ان انسانوں کو کس تلوار نے مسلمانوں کے پیغمبر کے گرد جمع کر دیا تھا تو بغلیں جھانکنے لگے۔ یہ کہے بغیر نہیں رہا جاتا کہ وہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اخلاق سے متاثر ہو کر مسلمان ہوئے تھے۔ آیئے چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں۔

* -یہود میں سے عبداللہ رضی اللہ عنہ بن سلام' عیسائیوں میں سے عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ' قبیلہ نجم کے پادری تمیم داری رضی اللہ عنہ' مجوس میں سے سلمان فارسی رضی اللہ عنہ' حبش سے بلال رضی اللہ عنہ' روم

سے صہیب رضی اللہ عنہ 'ایشیائے کوچک سے عداس رضی اللہ عنہ 'افریقہ سے باقوم رضی اللہ عنہ جیسے حضرات کا اسلام قبول کرنا گویا اسلام کی حقانیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

- بادشاہوں کا نظارہ دیکھو۔ اکیدر شاہ 'دومت الجندل 'جیفر شاہ بحرین 'اصحمہ رضی اللہ عنہ شاہ ابی سینا' ذوالکلاع رضی اللہ عنہ شاہ حمیر جیسے فرمانروا عبداللہ ذوالبجادین رضی اللہ عنہ 'ابو ذر رضی اللہ عنہ اور مقداد رضی اللہ عنہ جیسے فقراء کی اوٹ میں بیٹھے نظر آئیں گے۔ ملک یمن کا وائسرائے باذان اور ملک شام کا وائسرائے فروہ خزاعی دونوں دور سے خط غلامی پیش کر رہے ہیں۔
- ابن زہیر جیسا سخن گستر' نابغہ جیسا زبان آور' کعب جیسا زمزمہ سنج' حسان رضی اللہ عنہ جیسا حقیقت پسند' یہ وہ لوگ ہیں جو ایک قصیدہ پڑھ کر قوم کو لڑانے والے یا ملانے والے تھے مگر یہاں سب فصاحت و بلاغت بھول کر چپ چاپ بیٹھے ہیں۔
- اصحاب صفہ رضی اللہ عنہم کے دائیں بائیں دیکھیے۔ آپ کو فاتح عراق خالد بن ولید رضی اللہ عنہ ' فاتح شام ابو عبیدہ عامر رضی اللہ عنہ ' فاتح ایران سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ اور فاتح مصر عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نظر آئیں گے۔
- کوئی بتا سکتا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تلوار لے کر نکلے تھے مگر چند ساعات کے بعد سر جھکائے کیوں کھڑے ہیں؟
- بتایئے تو سہی کہ سید الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے قلب و جگر کو چبانے والی اور ان کے اعضاء کو ہار کی شکل میں پرو کر گلے میں ڈالنے والی ہندہ بنت عتبہ بن ربیعہ نے کفر کی بازی کیسے ہاری اور اسلام کو سینے سے کیوں لگایا؟
- کوئی جواب دے کہ خالدؓ بن ولید' کرزی بن جابر القہری' عینیہ بن حسین الفرازی' سہیل بن عمرو قریشی' ثمامہ بن اسال نجدی' اور ابو سفیان بن حرب کو کس تلوار نے گھائل و مائل کیا۔
- سوچئے کہ حضر موت۔ حیرہ۔ احسا۔ بحرین اور حبشہ وہ علاقے ہیں جہاں کوئی مسلمان سپاہی نہیں گیا پھر وہاں کے بادشاہ مسلمان کیوں ہوئے؟
- ترکوں کی تاریخ کیوں نہیں دیکھتے کہ ساتویں صدی کے آغاز میں خلافت عباسیہ کا نشان

مٹا دیا گیا مگر نصف صدی میں مفتوحین کے دین نے فاتحین کے دلوں کو فتح کر لیا۔ کیا اس قوم کا داخل اسلام ہونا انجذابی طاقت و قوت کی دلیل نہیں ہے؟

پس اسلام ہی ہے جو مشرق کو مغرب سے ملا سکتا ہے اور یہی میرا پسندیدہ دین ہے۔

رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّ بِمُحَمَّدٍ رَّسُوْلاً وَّ بِالْاِسْلَامِ دِیْنًا

وَ آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ O

وفی الارض قطع متجورت و جنت من اعناب وزرع و نخیل صنوان و غیر صنوان یسقی بمآء واحد و نفضل بعضها علی بعض فی الاکل ان فی ذلک لایت لقوم یعقلون ○

☆☆☆☆☆

اور زمین میں الگ الگ خطے پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے کے متصل واقع ہیں۔ انگور کے باغات ہیں، کھیتیاں ہیں، کھجور کے درخت ہیں جن میں کچھ اکہرے ہیں اور کچھ دوہرے۔ ان سب کو ایک ہی پانی سیراب کرتا ہے مگر مزے میں ہم کسی کو بہتر بنا دیتے ہیں اور کسی کو کم تر۔ ان سب چیزوں میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کیلئے جو عقل رکھتے ہیں۔

اسلام اور سائنس

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيَاتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ۔ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ مَقَامٍ آخَرَ قُلِ انْظُرُوا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ مَقَامٍ آخَرَ اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا وَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ۔

جدید سائنسی تحقیق کا محور:

قابل صد احترام پرنسپل صاحب و محترم پروفیسر صاحبان! مہمانان گرامی اور عزیز طالبعلمو! ہم آج ایسے دور میں زندگی بسر کر رہے ہیں جو سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور کہلاتا ہے۔ آج کا انسان چاند پر اپنا قدم لگا چکا ہے۔ یہ Cosmic (کائناتی) بلندیاں اس کے سامنے سمٹی ہوئی نظر آتی ہیں اور انسان ہر چیز کی Micro and macro detail (چھوٹی اور بڑی جزئیات) معلوم کرنے کا متمنی ہے۔ یہی چیز آج سائنسی تحقیق کا محور بنی ہوئی ہے۔ انسان کے اندر حقیقتوں کو جاننے کا جذبہ اس وقت عروج پر ہے۔ لہٰذا اسی مناسبت سے آج اس محفل میں اسلام اور سائنس کے عنوان پر چند باتیں عرض کی جائیں گی۔

عقلمند لوگ قرآن کی نظر میں:

جو آیت کریمہ تلاوت کی ہے، اس میں اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بے شک آسمان اور زمین کی پیدائش میں وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اور رات اور دن کے اختلاف میں لَاٰيَاتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ عقلمندوں کیلئے بڑی نشانیاں ہیں۔ یہ آیت کریمہ ہمیں دعوت دے رہی ہے کہ جو لوگ آسمان اور زمین کی تخلیق میں اور دن اور رات کے ہیر پھیر میں غور کرتے ہیں وہی اہل دانش اور سمجھدار ہیں۔ گویا

تفکر فی الخلق کرنے والے انسان کو ایک ممتاز انسان کہا گیا ہے۔

سائنس کیا ہے؟: اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا (اور اللہ رب العزت نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام نام بتا دیئے تھے)۔ اس آیت کی تفسیر میں عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد دنیا کی چیزیں اور ان کی صفات تھیں۔ علامہ زمخشری جنہوں نے تفسیر کشاف لکھی، جس کا تذکرہ علامہ اقبال نے کیا کہ:

گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف
تیرے وجود پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب

وہ فرماتے ہیں کہ اس علم الاسماء سے مراد چیزیں اور ان کی افادیت ہے کہ ان کے فائدے کیا ہو سکتے ہیں۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ "اسماء" سے مراد اشیاء ہیں۔ آج کے اس دور میں علم الاشیاء کا نام سائنس ہے۔

اسلام اور فارماکالوجی(Pharmacology): اگر آپ غور کریں تو نباتات اور جڑی بوٹیوں پر غور کرنا اور ان کے فوائد و نقصانات کو جاننا فارماکالوجی کہلاتا ہے۔ ایک Pharmacist(دواساز) کیا کرتا ہے؟ نباتات سے کچھ چیزیں لے کر ان کو ملالیتا ہے۔ اور ان کے ملانے میں مناسب مقدار کو مد نظر رکھتا ہے کیونکہ یہ دونوں چیزیں بہت اہم ہیں۔ یعنی Properties(خصوصیات) کیا ہیں؟ اور ان کی Quantities(مقداریں) کیا ہونی چاہئیں؟۔ Properties(خصوصیات) کا جاننا اس لئے ضروری ہے کہ ہمیں ایک چیز کے نفع اور نقصان کا پتہ ہونا چاہیئے۔ اس کے بغیر ہم اسے استعمال نہیں کر سکتے۔ اور Quantities (مقداروں) کا جاننا اس لئے ضروری ہے کہ اللہ رب العزت نے اس دنیا میں ہر چیز کا ایک معیار مقرر کیا ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد فرمایا' وَاِنْ مِنْ شَیْءٍ جو کوئی چیز ہے اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهٗ اس کے خزانے ہیں ہمارے پاس۔ وَمَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَعْلُوْمٍ ہم اسے ایک مقدار کے مطابق اتارتے ہیں جو چیزیں اس دنیا میں رکھی گئی ہیں اللہ رب العزت کے ہاں اس کا ایک اندازہ ہے اس

لئے فرمایا' وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهُ بِمِقْدَارٍ ہر چیز کی اس کے ہاں ایک مقدار ہے۔ایک چیز آپ زیادہ مقدار میں لیں گے تو آپ کو نقصان دے گی اور وہی چیزیں تھوڑی مقدار میں لیں گے تو فائدہ پہنچائے گی۔ یا بسا اوقات تھوڑی مقدار میں لیں گے تو فائدہ نہیں دے گی اور زیادہ مقدار میں لیں گے تو فائدہ دے گی۔ ہیرا اور کوئلہ دونوں کاربن ہیں مگر ایک خوبصورت' چمکدار' قیمتی اور سخت ترین جبکہ کوئلہ بدصورت' سیاہ' ارزاں اور بھربھرا ہوتا ہے۔ یہ مقداروں کی کمی بیشی کا ہی کرشمہ ہے۔

کیمسٹری اور فزکس کیا ہیں؟:

دنیا کی تمام چیزیں جن اجزاء و عناصر سے مرکب ہیں ان کے خواص و تاثیرات کا جائزہ لینے کا نام کیمسٹری ہے۔ مزید براں اس کائنات کے اندر جو قوتیں کارفرما ہیں ان کا منظم مطالعہ کرنے کا نام فزکس ہے۔ اللہ تعالیٰ خود انسان کو دعوت دے رہے ہیں کہ اُنْظُرُوْا تم دیکھو مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ کہ آسمان اور زمین میں تمہارے لئے کیا رکھا ہے۔ جب خود اللہ تعالیٰ دعوت دے رہے ہیں غور و فکر کی تو ایک انسان اس دعوت پر لبیک کہتے ہوئے ان میں غور و فکر کرے گا تو کیا وہ اسلام کے خلاف کوئی کام کر رہا ہو گا۔ نہیں! ہرگز نہیں۔

اسلام اور زوالوجی:

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا أَفَلَا يَنْظُرُوْنَ إِلَى الْإِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ یہ کیوں نہیں دیکھتے کہ ہم نے اونٹ کو کیسے پیدا کیا؟ آج زوالوجی کا طالب علم یہی تو پڑھ رہا ہوتا ہے کہ فلاں جانور کی پیدائش میں اللہ رب العزت کی کیا نشانیاں ہیں؟ یہ چیز کیسے پیدا ہوئی؟ وہ چیز کیسے پیدا ہوئی؟ رہی بات یہ کہ کوئی آدمی فقط اسی چیز کو دین سمجھنے لگ جائے تو وہ غلطی پر ہو گا کیونکہ یہی دین نہیں ہے بلکہ یہ دین کا ایک حصہ ہے۔ اللہ رب العزت نے ہمیں ایک عالمی اور آفاقی دین عطا فرمایا ہے جس میں زمین و آسمان کو آنکھ کھول کر دیکھنے کا حکم دیا گیا کہ تم کیوں نہیں دیکھتے؟ سبحان اللہ

ٹیکنالوجی (Technology) کسے کہتے ہیں؟:

سائنس نے تو چیزوں اور ان کی صفات کو مرتب کر دیا ہے۔ اب ان چیزوں سے اور ان کی صفات سے Practically (عملی طور پر) فائدہ اٹھانے کا نام

ٹیکنالوجی ہے۔ مثلاً بجلی اور اس کے متعلقہ فوائد کو حاصل کرنے کا طریقہ کار (Electrical Technology) (الیکٹریکل ٹیکنالوجی) کہلاتا ہے۔ لوہا اور اس کے متعلق دوسری دھاتوں سے فوائد اٹھانے کو (Mechanical Technology) (مکینیکل ٹیکنالوجی) کہہ دیا گیا۔ بلڈنگ اور اس سے متعلقہ شعبہ کو Civil Engeneering (سول انجنئرنگ) کہا گیا۔

ٹیکنالوجی قرآن مجید کی روشنی میں: قرآن پاک میں کئی مقامات پر ایسی واضح باتیں کی گئی ہیں جو قوانین فطرت کی وضاحت کرتی ہیں۔ مثلاً اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ اور ہم نے لوہے کو اتارا فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ اس میں بڑی طاقت ہے۔ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ اور اس میں انسانوں کیلئے بڑے فائدے ہیں۔ دیکھیں! یہ بات اس وقت کہی جارہی ہے جب کہ انسانوں کو لوہے کے صحیح فوائد کا پتہ ہی نہیں تھا' جب لوہے کو تلوار اور دوسرے ہتھیاروں کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا۔ اس کے زیادہ فائدوں سے انسان واقف نہیں تھا۔ مگر آج Steel Technology (سٹیل ٹیکنالوجی) سب سے زیادہ اہم ہے۔ پوری دنیا میں جتنا لوہے سے فائدہ اٹھایا جارہا ہے کسی اور چیز سے اتنا فائدہ نہیں اٹھایا جارہا ہے۔ بلکہ جو قوم سٹیل ٹیکنالوجی میں سب سے آگے ہے وہی دنیا میں راج کر رہی ہے۔

مکینیکل انجینئرنگ کی مثال: اللہ رب العزت نے حضرت داؤد علیہ السلام کیلئے لوہے کو نرم کر دیا تھا۔ قرآن پاک میں بھی تذکرہ فرمایا وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِیْدَ اور ہم نے لوہے کو اس کیلئے نرم کر دیا۔ دوسری جگہ فرمایا وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ اور ہم نے اسے زرہیں بنانے کا علم دیا تھا۔ پس اگر ایک پیغمبر خدا دنیا میں لوہے کی سلاخوں سے زرہ بنا رہے ہیں تو آج کے دور میں اگر کوئی انجینئر اسی سٹیل کو انسانوں کے فائدے کیلئے استعمال کر رہا ہو گا تو کیا وہ غیر اسلامی کام کر رہا ہو گا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ پس مکینیکل انجینئرنگ غیر اسلامی چیز نہیں ہے۔

وڈ انجینئرنگ (Wood) کی مثال: حضرت نوح علیہ السلام کو اللہ رب العزت نے

قرآن میں ارشاد فرمایا۔ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا (آپ بنایئے اس کشتی کو ہماری آنکھوں کے سامنے)۔ ایک ایک لفظ ہیرے اور موتی کی طرح قیمتی ہے۔ وَوَحْيِنَا اور ہماری وحی کے مطابق۔ معلوم ہوا کہ جیسے کوئی کاریگر کام کر رہا ہو تو سپروائزر اس کی Supervision(نگرانی) کر رہا ہوتا ہے' اسے Observe(مشاہدہ) کر رہا ہوتا ہے کہ بھئی کام ٹھیک چل رہا ہے یا نہیں بالکل اسی طرح اللہ رب العزت اپنے پیغمبرؑ کو ارشاد فرماتے ہیں' وَاصْنَعِ الْفُلْكَ آپ کشتی کو بنایئے بِاَعْيُنِنَا ہماری Supervision کے اندر' وَوَحْيِنَا ہماری Instrucstions(ہدایات) کے مطابق' اب بتایئے Instructions دینے والے اللہ تعالیٰ Supervision کرنے والے اللہ رب العزت اور ایک پیغمبرؑ لکڑی سے کشتی بنا رہے ہیں۔ اگر اسی طرح آج کا انسان لکڑی سے انسانیت کے فائدے کے لئے کچھ کام لیتا ہے تو کیا وہ خلاف اسلام کام کر رہا ہے۔ ہرگز نہیں۔ اسی کا نام وڈ انجینئرنگ(Wood Engineering) ہے۔

سول انجینئرنگ کی مثال:

بعض روایات کے مطابق حضرت سکندر ذوالقرنین علیہ السلام اللہ کے پیغمبر ہیں' آپ نے دنیا میں ایک دیوار بنائی قرآن مجید میں آیا ہے کہ دو پہاڑوں کے درمیان ایک راستہ تھا۔ جہاں سے ڈاکو آتے تھے اور ان کی قوم کو نقصان پہنچاتے تھے۔ قوم نے کہا کہ حضرت! اس کا کچھ مداوا کیجئے۔ آپ نے فرمایا' ہم دیوار بنا دیتے ہیں۔ یہ وہ دور تھا جب دیوار بنانے کیلئے اینٹ یا پتھر استعمال ہوتے تھے۔ مگر انہوں نے اس میں سٹیل کو استعمال کیا۔ قرآن پاک میں آتا ہے کہ آپؑ نے اپنی قوم سے فرمایا' اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدَ تم مجھے لا دو لوہے کے ٹکڑے۔ گویا دیوار بنا رہے ہیں اور اس میں لوہے کے ٹکڑے استعمال کر رہے ہیں۔ سبحان اللہ

آج کا سول انجینئر کیا کرتا ہے؟ وہ بیٹھ کر کنکریٹ کے اندر ڈالنے کیلئے لوہے کو ڈیزائن کر رہا ہوتا ہے۔ اسی کو سول انجینئرنگ(Civil Engineering) کہتے ہیں۔

اسلام اور سیاحت کا علم:

قرآن مجید میں ارشاد فرمایا قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ اے میرے محبوب ﷺ! آپ فرما دیجئے کہ تم زمین کے اندر

سیر کرو' فَانْظُرُوْا تم دیکھو اس بات کو کہ کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُکَذِّبِیْنَ کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ تو یہ سفر کا حکم' یہ سیاحت کا حکم' یہ چیزوں سے اور History (تاریخ) سے عبرت حاصل کرنے کا حکم اللہ کا قرآن ہمیں دے رہا ہے۔ اگر انسان اللہ رب العزت کے اس حکم پر عبرت حاصل کرنے کیلئے دنیا کا سفر کرتا ہے تو عین اسلامی کام کر رہا ہے۔

ابن موقل ایک مسلمان سیاح تھا جس نے اٹھائیس سال تک پوری دنیا کے اندر سیاحت کی اور اس کے بعد اس نے ایک کتاب مرتب کی۔ اسلامی دنیا آج انہیں صاحب المسالک و الممالک والمغادر والمہالک کہتی ہے۔ اسی طرح ابن بطوطہ نے بھی پوری دنیا کا سفر کیا اور سفر کی یادگار "سفرنامہ" کتاب کی صورت میں چھوڑ گیا۔

تفکر فی الخلق اسلامی حکم ہے:

دنیا کی دوسری چیزوں کو لیجئے۔ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَکُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَاخَلَقَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ کیا یہ نہیں دیکھتے ملکوت السموات والارض میں اور اللہ نے جو چیزیں پیدا کی ہیں۔ فرمایا وَاِلَی السَّمَاءِ کَیْفَ رُفِعَتْ اور آسمان میں کیوں غور نہیں کرتے کہ ہم نے اس کو کیسے بلندیاں عطا فرمائیں۔ وَاِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ کیوں نہیں دیکھتے کہ اللہ نے پہاڑوں کو میخوں کی طرح زمین پر کیسے گاڑ دیا؟ وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ اور کیوں غور نہیں کرتے کہ ہم نے زمین کو کیسے بچھا دیا۔ تو آج جو انسان اللہ رب العزت کی ان تخلیقات میں غور کر رہا ہوتا ہے تو گویا وہ اپنے پروردگار کے حکم پر لبیک کہہ رہا ہوتا ہے۔

سائنس اسلام کے ترازو پر:

ایک بات اچھی طرح ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے کہ اگر کوئی انسان سائنس کے پیمانے پر اسلام کو تولنے لگ جائے گا تو نقصان اٹھائے گا۔ اس لئے کہ سائنس کی Research (تحقیق) تو بڑھتی چلی جاتی ہے۔ اسلام کو سائنس کی ترازو پر تولنے کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی سنار کے میزان پر جبل احد کو تولنے لگ جائے۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ سنار کی ترازو ہو اور کہا جائے کہ اس پر

کوہ ہمالیہ کو تول کر دکھا دو؟ کوئی بھی نہیں تول سکے گا۔ اسی طرح سائنس کی ترازو پر ہم اسلام کو نہیں تول سکتے۔ البتہ سائنس کی حقیقت کو دیکھنا ہو کہ یہ اپنی Ultimate (آخری) منزل تک پہنچ چکی ہے یا نہیں؟ تو اسے اسلام کی ترازو پر تولیں گے کیونکہ ہمیں اللہ رب العزت نے قرآن پاک میں کائنات کی صداقتیں بتا دی ہیں۔ آیئے چند مثالوں پر غور کیجئے۔

پانی زندگی کا جزو لازم ہے:

آج ہمیں قرآن مجید میں سے بڑے سائنسی نکات ملتے ہیں۔ انسان حیران ہوتا ہے کہ چودہ سو سال پہلے جب کہ سائنسی شعور اتنا نہیں تھا تو کیسے قرآن پاک میں یہ حکمتیں بیان کر دی گئیں۔ اس سے قرآن پاک کی حقانیت ہمارے سامنے آتی ہے۔ مثلاً فرمایا گیا وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اور ہم نے پانی سے ہر چیز کو زندگی بخشی۔ آج سائنس بھی یہی کہتی ہے کہ واقعی اگر کہیں زندگی کا تصور ہے تو پانی اس کا جزو لازم ہے اور جہاں پانی نہیں ہے وہاں زندگی کا تصور بھی ممکن نہیں۔ سبحان اللہ

ایٹم اور مالیکیول کا تصور قرآن مجید کی روشنی میں:

پھر ایک جگہ فرمایا عَالِمُ الْغَيْبِ یعنی وہ رب العزت غیب کا جاننے والا ہے۔ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِي الْاَرْضِ اس سے چھپ نہیں سکتا کوئی بھی ذرہ جو آسمان و زمین میں ہے۔ وَ لَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَ لَآ اَكْبَرُ بلکہ اس سے بھی چھوٹا یا اس سے بڑا۔ اچھا آج کے دور میں یہ کھلی حقیقت ہے کہ پوری کائنات کے مادے کا Building Block (بنیادی اکائی) ایٹم ہے۔ تو یہ "مثقال ذرہ" کیا ہے؟ وہی ایٹم مثقال ذرہ کہلائے گا۔ اور یہ جو فرمایا گیا کہ وَ لَآ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ تو پھر یہاں اصغر کا کیا مطلب؟ الیکٹران، پروٹان اور نیوٹران یہ سب کے سب ذرات ایٹم سے چھوٹے ہیں، اس لئے یہ اصغر کہلائیں گے۔ اگر Rays (شعاعوں) کی مثال لی جائے تو الفا، بیٹا اور گیما شعاعیں بھی اصغر کی مثالیں ہیں۔ اور جو آگے فرمایا کہ وَ لَآ اَكْبَرُ تو اکبر سے مراد لیا جا سکتا ہے کہ ایٹم مل کر مالیکیول بن جاتے ہیں۔ یا اکبر سے مراد

Metroits (شہاب ثاقب) بھی ہو سکتے ہیں جو دنیا پر برستے ہیں۔ تو فرمایا کہ ذرہ سے چھوٹی یا ذرہ سے بڑی کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو اللہ کے علم سے چھپی ہوئی ہو۔

انسان کی حفاظت کا قدرتی انتظام:

یہ Metroits (شہابیے) اس دنیا کے اوپر بارش کی طرح برس رہے ہیں۔ آپ حیران ہوں گے کہ آج کی سائنس کہتی ہے کہ Space (خلا) میں ہر وقت Metroits (شہابیوں) کی Bombordment (گولہ باری) ہو رہی ہے۔ یہ Metroits (شہابیے) عام طور پر بہت چھوٹے ہوتے ہیں. چند ملی میٹر بھی ہو سکتے ہیں۔ بھلا یہ کتنی تیزی سے سفر کرتے ہیں؟ 150 کلو میٹر فی سیکنڈ کی رفتار سے۔ مگر اللہ تعالی نے زمین سے 80 کلو میٹر اوپر فضا کا ایک حصہ بنا دیا کہ یہ آتے ہیں اور وہاں آکر Evaporate (منتشر) ہو جاتے ہیں۔ انسان کو پتہ ہی نہیں کہ اللہ رب العزت کتنی خطرناک چیزوں سے اس کی حفاظت فرما رہے ہیں۔ "Genns book of World Record" میں لکھا ہے کہ ہر دن میں Four Hundred Tonnes of Load یعنی چار سو ٹن وزن Metroits کی شکل میں زمین پر برسایا جا رہا ہے۔

بنگلہ دیش میں میٹرائٹ (Metroits) کی بارش:

ایک دفعہ بنگلہ دیش میں Metroits کی بارش ہوئی۔

اس عاجز نے ان پتھروں کو ایک عجائب گھر میں اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ان کا سائز کافی بڑا تھا۔ حیران ہوا کہ اتنے بڑے بڑے شہابیے بھی آسکتے ہیں۔ جی ہاں! رشیا میں ایک Metroit گرا جس نے زمین پر 200 میٹر کی گہرائی کر دی۔ یہ چند باتیں تو ضمناً عرض کر دی گئی ہیں۔

اسلام اور سائنس کی رو سے کائنات کا انجام:

سائنس کہتی ہے کہ ایک Big Bang (بڑا دھماکہ) ہوا تھا جس کی وجہ سے یہ کائنات بنی۔ اور اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ یہ زمین اور آسمان اپنے بننے سے پہلے "دخان" یعنی دھواں تھے۔ دھواں آسانی سے سمجھنے کیلئے لفظ ہے ورنہ آج کے دور

میں اسی کو Gas (گیس) کہتے ہیں۔ یہ آسمان اور زمین گیس کی شکل میں تھے کہ اللہ کے حکم سے Big Bang ہوا اور کائنات بنا دی گئی۔

یہاں پر ایک مزے کی بات اور بتاتا چلوں کہ آج کل نیویارک کے ایک Planitarium میں ایک Documentary (سائنسی فلم) دکھائی جا رہی ہے جس میں سات بڑے Interesting questions (دلچسپ سوالات) کے جوابات سمجھائے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک Question (سوال) آج کے عنوان کے متعلقہ ہے کہ What is the fate of univers? کہ اس کائنات کا انجام کیا ہے؟ تو امریکہ میں سائنسدان آج یہ ثابت کر رہے ہیں کہ کائنات Expand (وسیع) ہوتی چلی جا رہی ہے اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ یہ Expension (وسعت) رکے گی اور دوبارہ Contraction (سکڑے) ہو گی جس کی نتیجے میں ایک اور دھماکہ ہو گا۔ اس کا نام انہوں نے رکھا ہے An other Big Bang (ایک دوسرا بڑا دھماکہ)۔ جبکہ ہم قیامت کو ہی An other Big Bang کہتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا اِنَّ زَلْزَلَۃَ السَّاعَۃِ شَیْ ءٌ عَظِیْمٌ یعنی قیامت کا زلزلہ بہت بڑی بات ہے۔ جیسے ایک گڈریا کسی بھیڑ کو ہانک کر کسی منزل تک پہنچا دیتا ہے اللہ رب العزت ان سائنسدانوں کو بھی ہانک کر کسی منزل تک پہنچا دیں گے حتی کہ ان پر حق واضح ہو جائے گا۔ اسی لئے فرمایا سَنُرِیْھِمْ اٰیَاتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْ اَنْفُسِھِمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَھُمْ اَنَّہُ الْحَقُّ ہم ان کو آفاق میں اور انفس میں اپنی نشانیاں دکھائیں گے حتی کہ ان پر حق واضح ہو جائے گا۔ اور اگر پھر بھی نہیں مانیں گے تو اس کائنات کو کَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْکُتُبِ یعنی جس طرح کوئی کتاب کو بند کر دیتا ہے ہم اس کو بھی لپیٹ کر رکھ دیں گے۔

اسلامی تعلیمات میں Black Hole کا تصور:

Black Hole (بلیک ہول) کیا ہے؟ یہ آج کے دور میں بڑا دلچسپ عنوان ہے۔ سائنس کی دنیا میں اس پر بڑی Discussions (بحثیں) چل رہی ہیں. تحقیقات ہو رہی ہیں۔ "Smithsonian Space Musium" واشنگٹن میں

ایک میوزیم ہے جس کے اندر انہوں نے مستقل ایک کمرہ اس کیلئے متعین کیا ہوا ہے کہ دنیا میں Black Holes کے بارے میں جو بھی تازہ ترین تحقیق ہو وہ آپ یہاں Display (بیان) کریں تاکہ لوگوں کو بلیک ہول کے بارے میں پتہ چلتا رہے۔

کچھ عرصہ پہلے کی بات ہے کہ سائنس کی ایک کتاب پڑھتے ہوئے یہ عاجز Black Holes کا تذکرہ پڑھ رہا تھا کہ اس Univers (کائنات) میں کچھ جگہیں ایسی ہیں کہ جہاں بالکل تاریکی ہے، اتنی تاریکی کہ اگر Light Photon بھی اس کی طرف پھینکے جاتے ہیں تو وہ ان کو بھی Absorb (جذب) کر لیتے ہیں۔ جو چیز Light Photon کو بھی Absorb (جذب) کر لے اس کی Gravitational Force (کشش ثقل) کتنی زیادہ ہو گی۔ اگر پوری زمین کو سکیڑ کر ایک انڈے کے برابر کر دیں تو جتنی اس کی Gravitational Force ہو گی اس سے کہیں زیادہ بلیک ہول کی Gravitational Force ہوتی ہے۔ تو بلیک ہول اس کائنات میں مختلف جگہوں پر موجود ہیں۔ عجیب بات یہ ہے کہ اگر کوئی بھی چیز اس بلیک ہول میں چلی جائے گی تو It will vanish into nothingness وہ فنا ہو جائے گی۔ میں نے سائنس کی کتابوں میں "Nothingness" کا تصور پہلی دفعہ دیکھا۔ دل نے کہا، آج تک تو کہتے تھے

Matter can neither be created nor be destroyed.

It can only change its state.

کہ مادے کو نہ تو پیدا کیا جا سکتا ہے نہ فنا کیا جا سکتا ہے یہ فقط اپنی حالت بدل سکتا ہے تو یہ سائنس نے "Nothingness" کا لفظ کیوں کہنا شروع کر دیا؟ اس کو تو ہم فنا کہتے ہیں۔ تو آگے لکھا ہوا تھا

Laws of physics and chemistry become void there.

وہاں جا کر فزکس اور کیمسٹری کے قوانین ختم ہو جاتے ہیں۔ یہ پڑھ کر میرے اندر اور دلچسپی پیدا ہوئی کہ یہ کیا چیز ہے؟ چنانچہ اس بارے میں مزید معلومات حاصل کیں۔ جب اس پر کافی

لٹریچر پڑھا تو پتہ چلا کہ ہماری Galaxy (کہکشاں) اور Solar System (نظام شمسی) کا ایک نظام Equilibrium (توازن) کے اندر کام کر رہا ہے۔ اس کے پیچھے بڑے بڑے Factors موجود ہیں۔ جن میں سے ایک فیکٹر بلیک ہولز کا بھی ہے۔ اس نے ہمارے ان تمام سیاروں کو توازن کے اندر رکھا ہوا ہے۔ اگر وہ بلیک ہولز نہ ہوتے تو Equilibrium (توازن) خراب ہو جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہر چیز اپنے اپنے مدار میں کام کر رہی ہے۔ سبحان اللہ

امام نووی ؒ کی ایک کتاب ریاض الصالحین کی ایک حدیث یاد آئی جو کہ اس عاجز نے کالج کے زمانے میں پڑھی تھی۔ ایک مرتبہ ایک صحابی ؓ نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا. اے اللہ کے نبی ﷺ! اگر یہ سورج چاند اور ستارے اللہ رب العزت کا حکم ماننا چھوڑ دیں تو کیا ہو گا؟ کتنا پیارا سوال پوچھا اور کتنے سادہ انداز میں پوچھا! نبی ﷺ نے اس کا جواب اس کی ذہنی سطح کو سامنے رکھ کر دیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ رب العزت اپنے جانوروں میں سے کوئی جانور اس پر مسلط کر دیں گے جو انہیں ایک ہی لقمہ بنالے گا۔ اس کا مطلب یہ کہ اتنا بڑا ہو گا کہ سب سیاروں کو' سورج کو اور چاند کو ایک ہی لقمہ بنالے گا۔ جب آپ ﷺ نے یہ فرمایا تو وہ صحابی ؓ بڑے حیران ہوئے اور پوچھنے لگے اے اللہ کے نبی ﷺ وہ جانور کہاں ہوتے ہیں؟ نبی ﷺ نے فرمایا' کہ وہ اللہ کی چراگاہوں میں چر رہے ہیں۔ سبحان اللہ

دیکھئے! کب یہ بات بتائی جا رہی ہے اور کب آج سائنس معلوم کر رہی ہے کہ اس Space میں کچھ جگہیں ایسی ہیں جنہوں نے ہمارے ان تمام سیاروں کو Equilibrium میں رکھا ہوا ہے! اور اگر کوئی بھی سیارہ اپنے Orbit (مدار) سے نکلے گا تو کسی نہ کسی بلیک ہول کے منہ میں چلے جائے گا۔ بلیک ہول اس کو ایک ہی لقمہ بنالے گا۔ آج امت مسلمہ کیلئے لازمی ہے کہ ہم قرآنی آیات اور احادیث کو سامنے رکھتے ہوئے علم الاسماء' علم الاشیاء' کو سمجھنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں۔

آج کا دور تیز ترین دور ہے: آج کے دور میں زندگی بہت Fast (تیز) ہو گئی ہے۔

مثلاً ہر کمپیوٹر میں Math Processor استعمال ہوتا ہے۔ اگر آج نمبر 286 استعمال ہو رہا ہے تو صبح اٹھتے ہی پتہ چلتا ہے کہ 386 استعمال ہو رہا ہے۔ اگلا دن ہوتا ہے تو 486 استعمال ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اور چند دن کے بعد 586 مارکیٹ میں آجاتا ہے۔ اتنی تیز Research (تحقیق) ہو رہی ہے کہ دنیا کے اندر دنوں میں تبدیلیاں آرہی ہیں۔ اور ہمارے لئے ان تبدیلیوں کا اندازہ لگانا بھی مشکل ہے۔

اسلام اور سائنس کا چاند دیکھنے کے بارے میں موقف:

ایکدفعہ امریکہ میں چاند دیکھنے کا موقع تھا. میں نے ایک دن پہلے Space Musium میں فون کیا کہ ہم نے فلاں دن Crest (ہلال) دیکھنا ہے. آپ بتائیے کہ یہ ہمیں امریکہ میں کس کس جگہ نظر آسکتا ہے؟ مقصد یہ تھا کہ ہم ان کی Most modern science (جدید ترین سائنس) سے فائدہ کیوں نہ اٹھائیں کہ ہمیں پہلے ہی پتہ چل جائے۔ انہوں نے کہا کہ آپ Naval Observatory (بحریہ کا تحقیقاتی ادارہ) سے رابطہ کریں۔ انہوں نے مجھے فون نمبر دیا۔ میں نے Naval Observatory کو فون کیا۔ انہوں نے کہا' اچھا' ہم آپ کو کمپیوٹر سیکشن میں ملا دیتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے کمپیوٹر سیکشن میں ملا دیا۔ وہاں ایک خاتون کمپیوٹر پر کام کر رہی تھی۔ وہ کہنے لگی. کہ چاند جب اپنے Orbit (مدار) میں سفر کر رہا ہوتا ہے تو ہمیں اس کی Trajectory (لکیر) کے ایک ایک انچ کا پتہ ہوتا ہے۔ میں نے کہا کہ میں کل کی تاریخ میں یہاں چاند دیکھنا چاہتا ہوں. کیا میرے لئے یہ ممکن ہے؟۔ اس نے کہا. میں آپ کو Possibilities (امکانات) بتا سکتی ہوں کہ فلاں فلاں جگہ پر ممکن ہے مگر یقین سے نہیں کہہ سکتی۔ میں نے سوال کیا کہ انسان تو چاند پر قدم رکھ چکا ہے' ہمیں کیا یہ بھی پتہ نہیں چل سکتا کہ چاند کہاں سے نظر آئے گا اور کہاں سے نہیں؟ وہ کہنے لگی' جی ہاں میں بتاتی ہوں مگر Probability (احتمال) ہے کہ وہاں پر نظر آئے گا مگر سو فیصد یقین سے نہیں کہہ سکتی۔ میں نے کہا کہ اس کی Reason (وجہ) کیا ہے؟ اس نے کہا' جی Reason یہ ہے کہ ہم نے چاند کی Motion (حرکت) کو سمجھنے کیلئے Mathematical Equation

(حسابی مساواتوں) کا ایک Set بنایا ہوا ہے۔ جسے Simulator کہتے ہیں۔ اس Simulator کے اندر Six Thousand variables (6000 متغیرات) ہیں۔ عزیز طلبا! آپ جانتے ہیں کہ Equations میں کچھ Constants (مستقل مقداریں) ہوتی ہیں اور کچھ Variables (متغیر مقداریں) ہوتی ہیں۔ وہ کمپیوٹر انجنیئر لڑکی کہنے لگی کہ ان چھ ہزار متغیرات میں سے اگر ایک بھی Change (تبدیل) ہو جائے تو چاند کی پوزیشن تبدیل ہو سکتی ہے۔ اس لئے میں کیسے کہہ سکتی ہوں کہ آپ کو Exact (ٹھیک) یہاں چاند نظر آئے گا. عین ممکن ہے کہ کوئی فیکٹر اس میں Change (تبدیل) ہو جائے اور اس میں ارتعاش پیدا ہو جائے۔ لہٰذا میں سو فیصد یقین سے نہیں کہہ سکتی کہ آپ کو وہ اس جگہ نظر آئے گا یا نہیں۔ جب اس نے یہ بات کی تو مجھے نبی ﷺ کی حدیث یاد آگئی کہ اے میری امت! صُومُوا لِرُؤیَتِہٖ چاند کو دیکھنا تو تم روزہ رکھ لینا وَاَفْطِرُوا لِرُؤیَتِہٖ اور اگر تم چاند کو دیکھ لینا تو افطار کر لینا۔ آج سائنسی تحقیقات کے بعد بھی دنیا کے سائنسدان اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ چاند نظر آئے گا یا نہیں آئے گا۔ بہتر اصول یہی ہے کہ چاند کو دیکھو تو روزہ رکھو اور چاند کو دیکھو تو افطار (عید) کرو۔

اسلام میں ٹیکنالوجی کے فروغ کیلئے ٹھوس دلائل

دلیل نمبر1: کیا اسلام میں بھی ٹیکنالوجی کے فروغ کیلئے کچھ تعلیمات ملتی ہیں؟ جی ہاں، اس ٹیکنالوجی کے فروغ کیلئے ہمیں کتاب و سنت کے اندر کئی دلائل ملتے ہیں۔ دیکھئے، نبی ﷺ نے ساری زندگی کبھی سفر نہیں کیا، نہ کبھی بحری جنگ کی بلکہ صرف غزوات میں حصہ لیا جو کہ زمینی جنگیں کہلاتی ہیں۔ مگر آپؐ کو پتہ تھا کہ اسلام کی مضبوطی اور سربلندی کیلئے جیسے بری جنگیں ضروری ہیں ایسے ہی بحری جنگیں بھی ضروری ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا! میری امت میں جو سب سے پہلے بحری جنگ کریں گے میں ان لوگوں کو جنت میں جانے کی بشارت دیتا ہوں۔ اگر خشکی پر اللہ کے نام کے لئے لڑ رہے ہیں تو اللہ کے دین کو پہنچانے کیلئے ان کو تری (سمندروں) میں بھی جانا پڑے گا۔

دلیل نمبر2: ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ سے مصافحہ فرمایا اس کے ہاتھ بہت سخت تھے۔ آپ ؐ نے پوچھا' یہ کیا ہے؟ کہنے لگا' جی میں پتھر توڑتا ہوں اس لئے میری ہتھیلی کا گوشت سخت ہو گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہ ہاتھ سے محنت مزدوری کرنے والا اللہ کا دوست ہوتا ہے۔ اگر آج کے دور میں کوئی آدمی ہاتھ سے محنت مزدوری کرے گا تو وہ عین اسلامی چیز سمجھی جائے گی اور اللہ رب العزت اس کو ثواب عطا فرمائیں گے۔

دلیل نمبر3: ایک صحابی رضی اللہ عنہ ہاتھ میں چمکدار تلوار لے جا رہے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے دیکھا تو پوچھا کہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے؟ وہ کہنے لگے' جی یہ تلوار ہے' ایک قافلہ فلاں جگہ کی بنی ہوئی تلوار لے کر آیا تو میں نے ان سے خرید لی۔ اللہ کے محبوب ﷺ نے فرمایا' اگر تو اپنے ہاتھ کی بنی ہوئی تلوار سے جہاد کرتا تو اللہ رب العزت تجھے دوہرا اجر عطا فرمادیتے۔ تو یہ کیا چیز ہے؟ اپنی ٹیکنالوجی اور Resources (وسائل) کو Promote (بڑھانے) کرنے کیلئے کہا جا رہا ہے۔

دلیل نمبر4: شروع میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عبرانی زبان نہیں آتی تھی۔ دنیا کے بادشاہوں کو اسی زبان میں خطوط لکھے جاتے تھے۔ چونکہ صحابہ کرام ؓ صرف عربی جانتے تھے اس لئے وہ یہ خطوط یہودیوں سے لکھواتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک صحابی ؓ کہنے لگے' اے اللہ کے نبی ﷺ! ہمیں کیا پتہ وہ کیا لکھ دیتے ہیں' اگر اجازت ہو تو میں عبرانی زبان سیکھ کر آتا ہوں۔ آپ ﷺ نے اجازت دے دی۔ چنانچہ وہ صحابی ؓ وہاں سے گئے اور پندرہ دنوں کے اندر وہ زبان سیکھ کر واپس تشریف لے آئے۔

محمد بن قاسم ؒ کا عظیم کارنامہ: دینی علوم سے انسان کے کمالات اجاگر ہو جاتے ہیں۔ اسلامی دنیا میں سب سے کم عمر سپہ سالار اسامہ بن زید اور محمد بن قاسم ؒ ہیں۔ 17 سال کی عمر میں سپہ سالاری کے فرائض سرانجام دیئے۔ آج 17 سال کا بچہ گھر کا نظام نہیں چلا سکتا جبکہ وہ 17 سال کا بچہ ایک فوج کا جرنیل بن کر آرہا ہے۔ اسلام نے ان اٹھتی جوانیوں کو ایسی صفات عطا کر دیں کہ انہوں نے پوری کی پوری

فوج کو کمانڈ کر کے دکھا دیا۔

حضرت امام شافعیؒ کے علمی کمالات: علمائے کرام میں بعض نے بہت ہی کم عمری میں علم کے جام پہ جام پیئے۔ حضرت امام شافعیؒ کے حالات زندگی میں لکھا ہے کہ امام شافعی رحمت اللہ علیہ تیرہ سال کی عمر میں امام شافعیؒ بن چکے تھے۔ اس عمر میں انہوں نے درس قرآن دینا شروع کر دیا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب سفید بالوں والے بڑے بڑے مشائخ ان کے حلقہ درس میں بیٹھا کرتے تھے۔

ایک دفعہ درس قرآن دے رہے تھے۔ اسی دوران دو چڑیاں لڑتی ہوئی ان کے قریب آکر گریں۔ یہ کم عمر تو تھے ہی سہی .انہوں نے اپنا عمامہ اتارا اور ان چڑیوں کے اوپر رکھ دیا۔ اب درس قرآن کے درمیان جو یہ کام کیا تو جو مشائخ بیٹھے تھے انہوں نے اس چیز کو Mind (محسوس) کیا کہ یہ ادب کے خلاف ہے۔ چنانچہ انہوں نے عمامہ اپنے سر پر رکھا اور یہ فرمایا اَلصَّبِیُّ صَبِیٌّ وَلَوْ کَانَ ابْنُ نَبِیٍ کہ بچہ تو بچہ ہی ہوتا ہے چاہے کسی نبیؑ کا ہی کیوں نہ ہو۔ پھر ان مشائخ کی تشفی ہوگئی کہ ہاں کم عمری کی وجہ سے ایسی باتیں ہو سکتی ہیں۔

مسلمان سائنسدانوں کی خدمات: اسلام کو جو عروج ملا تو اس میں جہاں مصلے پر بیٹھنے والوں کا حصہ ہے' وہاں ان کا بھی حصہ ہے کہ جنہوں نے اس امت کو دنیاوی فائدے پہنچانے کیلئے کام کیا۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کیلئے انتھک کوششیں کیں اور بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیئے۔ رئیس الاطباء بو علی سینا نے "القانون فی الطب" نام کی کتاب لکھی۔ آپ حیران ہوں گے کہ سینکڑوں سال گزرنے کے بعد آج کے سائنسی دور میں بھی یہ ایک مستند کتاب سمجھی جاتی ہے۔ ابن رشد نے سب سے پہلے تحقیق کی کہ جس آدمی کو ایک مرتبہ چیچک نکل آتی ہے اس کو دوبارہ زندگی بھر چیچک نہیں نکلتی۔ علم ہندسہ میں نصیرالدین طوسی نے اقلیدس کی مبادیات کی شرح لکھی۔ بصریات کی سائنس میں ابوالہیثم نے کتاب المناظر لکھی۔ علی بن عیسی نے تذکرۃ الکحالین لکھی اور علم جراحی میں مخدرات کے استعمال کی تجویز پیش کرنے والا پہلا شخص بنا۔

حکیم ترمذی کی سائنسی خدمات: حکیم ترمذی رحمت اللہ علیہ بیک وقت ایک عالم اور محدث بھی تھے اور بڑے ماہر طبیب بھی تھے۔

ترمذ میں اس عاجز کو حاضر ہونے کا موقع ملا۔ ان کا بنایا ہوا Hospital (ہسپتال) دیکھا۔ یہ ایک عجیب تجربہ تھا۔ اس دور میں انہوں نے آپریشن کرنے کیلئے Underground (زیر زمین) جگہیں بنائی ہوئی تھیں۔ آپ حیران ہوں گے انہوں نے نیچے ایسی جگہ بنائی ہوئی تھی کہ وہ جراثیم سے بالکل پاک تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے ایک نئی دنیا ہے۔ اس دور میں آپریشن کرنے کیلئے جگہوں کو ایئر کنڈیشنڈ بنانا' صاف ستھرا ماحول پیدا کرنا اور ان Laboratories (تجربہ گاہوں) کا قائم کرنا ہمارے سلف صالحین کا کارنامہ ہے۔

مرزا الغ بیگ اور خلائی سفر کا تصور: اس عاجز کو سمرقند جانے کا موقع ملا۔ وہاں پر انہوں نے ایک Space Laboratory (خلائی تجربہ گاہ) بنائی ہوئی ہے۔ وہ لیبارٹری ایک مسلمان سائنسدان نے بنائی تھی۔ جب رشیا نے سب سے پہلا خلائی سیارہ بھیجا تو اس کی Documentary (سائنسی فلم) نے اس بات کو تسلیم کیا کہ ہمیں یہ تمام معلومات اس لیبارٹری سے ملی تھیں جو ایک مسلمان سائنسدان مرزا الغ بیگ نے قائم کی تھی۔ مرزا الغ بیگ محلات میں رہنے والا شہزادہ تھا' اللہ تعالی نے اس کے اندر تحقیق کا ایسا مادہ رکھ دیا تھا کہ اس کی تحقیقات کو بنیاد بنا کر روس نے دنیا میں سب سے پہلا سیارہ بھیجا۔

محمد بن موسی الخوارزمی کے سائنسی کارنامے: خوارزم ازبکستان کا ایک بڑا شہر ہے۔ بخارا سے آپ وہاں پہنچنا چاہیں تو کم و بیش دس گھنٹے لگیں گے کیونکہ یہ پہاڑی سفر ہے' ایک علیحدہ سا شہر نظر آتا ہے۔ مگر اس خوارزم نے بڑے بڑے سائنسدان پیدا کئے' یہ بڑا مردم خیز علاقہ بنا۔ محمد بن موسی الخوارزمی اسی شہر کے باشندے تھے جنہوں نے الجبرا کی بنیاد رکھی۔ یہ "الجبرا" عربی زبان کا لفظ ہے۔ الجبرا میں ہم جو Alogrithm پڑھتے ہیں اس کا تصور بھی انہوں نے دیا تھا۔ جس چیز کا پتہ نہ ہو اس کے لئے الجبرا میں "x" ڈال دیتے ہیں' یہ Cross یعنی x کی علامت ڈالنے کی

بنیاد محمد بن موسیٰ الخوارزمی نے ہی رکھی۔ الجبرا میں ہم منفی (-) کا Sign (علامت) لگا دیتے ہیں۔ یہ بھی سب سے پہلے محمد بن موسیٰ الخورزمی نے استعمال کی۔ انہوں نے الجبرا پر ایک کتاب لکھی جس کا نام "کتاب المختصر فی الجبر و المقابلہ" تھا۔ اس کا جب لاطینی زبان میں ترجمہ کیا گیا تو اس وقت یورپ میں پہلی دفعہ الجبرا کی تعلیم پہنچی۔

مسلمان سائنسدانوں کو پذیرائی نہ ملنے کی وجہ: عزیز طالبعلمو! ہماری ملت میں جابر بن حیان، محمد بن موسیٰ الخوارزمی، ابن لہیثم، البیرونی، ابن سینا، ابن نفیس اور ابو حنیفہ دینوری اتنے بڑے بڑے سائنس دان گزرے ہیں کہ ان کا مرتبہ گلیلیو، نیوٹن، جان والٹن، آئن سٹائن سے کسی طرح بھی کم نہیں۔ مگر مصیبت یہ تھی کہ ان مسلمان سائنسدانوں کی تحقیقات شخصی محنت کا نتیجہ تھیں۔ حکومت وقت نے اگر ان کی سرپرستی کی ہوتی تو یہ باتیں آج قانون بن کر ان کے ناموں سے مشہور ہوتیں۔

دینی اداروں کی اہمیت تاریخ کے حوالے سے: مجھے ایک خط کے بارے میں بتایا گیا جو ایک Musium (عجائب گھر) میں Preserve (محفوظ) کیا ہوا ہے۔ یہ لیٹر اس وقت کا ہے جب قرطبہ، سپین، اندلس اور بغداد میں مسلمانوں کی بہت بڑی بڑی یونیورسٹیاں ہوتی تھیں۔ اس دور میں برطانیہ کے بادشاہ نے مسلمان بادشاہ کو خط لکھا کہ آپ کے ملک میں عورتوں کی تعلیم کے بہت اچھے اچھے ادارے ہیں میں، بھی اپنی بہن کو اس Institute (ادارہ) میں داخل کروانا چاہتا ہوں، آپ برائے مہربانی اسے داخلہ دے دیجئے۔

اللہ رب العزت کا وعدہ: اللہ رب العزت فرماتے ہیں اِنِّیْ لَا اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی اللہ رب العزت کا وعدہ ہے کہ مرد ہو یا عورت، میں تمہارے کئے ہوئے عمل کو کبھی رائگاں نہیں جانے دوں گا۔ آج محنت کا میدان ہمارے لئے وسیع کر دیا گیا ہے ہمارے اسلاف نے محنتیں کیں اور ان کی محنتوں سے آج پوری دنیا فائدہ اٹھا رہی ہے اگر ہم نے آج محنت کی تو اس کو بھی اللہ

تعالیٰ قبول فرمالیں گے۔ ایک دوسری جگہ فرمایا وَاَنْ لَّيْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰى انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کیلئے وہ محنت کرتا ہے۔ یہاں پر یہ نہیں فرمایا گیا کہ مسلمانوں کو وہی کچھ ملتا ہے جس کے لئے وہ محنت کرتا ہے بلکہ انسانوں کی بات کی گئی ہے جس میں مسلم اور غیر مسلم دونوں کی بات کی گئی ہے۔ چنانچہ جب غیر مسلموں نے محنت کی تو ان کی محنت کا بدلہ اللہ تعالیٰ نے اسی دنیا میں ان کو دے دیا۔

مسلمان سائنسدانوں کا اجمالی تعارف

چند مسلمان سائنسدانوں کی تفصیلات سن کر انہیں مشعل راہ بنالیں۔

1 - بو علی سینا (1037-980ء) کا لقب مسلم دنیا کا ارسطو۔ ماہر طبیب اور عظیم مفکر تھے۔

2 - محمد بن موسیٰ الخوارزمی (750-780ء) مسلم ریاضی دان، گنتی کا موجد، آپ نے رسم الخط دریافت کیا اور الجبرا میں منفی علامتیں شامل کیں۔

3 - یعقوب الکندی (840-778ء) مسلمان ریاضی دان اور ہیئت دان تھا۔

4 - الفارابی (903-832ء) مسلمان ریاضی دان اور ہیئت دان تھا۔

5 - زکریا رازی (925-825ء) مسلمان طبیب اور مشہور کیمیاء دان تھے۔

6 - ابن مسکویہ (1030-950ء) بہت مشہور کیمیا دان تھے۔

7 - عمر خیام (1124-1039ء) مشہور شاعر اور ریاضی دان تھے۔

8 - ابن طفیل (1185-1100ء) عظیم فلسفی اور طبیب تھے۔

9 - ابن بیطار (1248-1181ء) مشہور ماہر نباتات تھے۔

10 - عورتیں بھی اس میدان میں پیچھے نہیں رہیں مثلاً ام الحسن بنت ابو جعفر ماہر طبیبہ تھیں، طبیبہ زینب آنکھوں کے علاج میں بہت مشہور تھیں، علیہ بنت المہدی، عائشہ بنت احمد اور ولاوہ بنت خلیفہ مشہور شاعرات گذری ہیں۔

لمحہ فکریہ: عزیز طالب علمو! آج ہم "پدرم سلطان بود" کا نعرہ لگاتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا بڑی عزتوں والے تھے تو یہ بھی تو بری بات ہے کہ ان کی اولاد کتنی نکھٹو

ہے۔ ہمیں چاہیے کہ جو سرمایہ ہمارے اسلاف نے ہمیں دیا تھا ہم اسے لیکر آگے بڑھیں اور دنیا کو علم کے نور سے منور کریں۔

~ قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمد سے اجالا کر دے

❋✷❋✷❋✷❋✷❋✷❋✷❋
✷❋✷❋✷❋✷❋✷
❋✷❋✷❋✷❋

احبو الله لما یغذو کم من نعمه

اللہ سے محبت کرو اس لیے کہ وہ اپنی نعمتوں سے
تمہاری پرورش کرتا ہے (حدیث نبوی ﷺ)

ہمارا پروردگار

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَ سَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○

رب کا لفظی معنی: اللہ رب العزت کا ایک صفاتی نام "رب" ہے مثلاً اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○ (سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو تمام جہانوں کا رب ہے)۔ یہ کتنا مختصر لفظ ہے تاہم اس کے معانی میں اتنی وسعت اور گہرائی ہے کہ ساری زندگی مجاہدہ کرنے کے بعد اس لفظ کا یقین دل میں آتا ہے۔ "رب" کے لفظی معنی ہیں پرورش کرنے والا' تربیت کرنے والا' پالنے پوسنے والا۔ جس نے ہمیں پیدا کیا' وہی انسان کی تمام ضروریات پوری کرتا ہے۔ ہمیں جسمانی روزی بھی وہی دیتا ہے اور روحانی روزی بھی وہی دیتا ہے۔ تمام مخلوقات کا خالق اور رازق وہی ہے۔ رب کا لفظ قرآن پاک میں بہت کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ گویا ہر چند آیتوں کے بعد رب کا لفظ آیا ہے۔

عالم ارواح میں اللہ تعالی کی ربوبیت کا اقرار: جب ہم عالم ارواح میں تھے تو اللہ رب العزت نے ہماری روحوں سے ایک وعدہ لیا۔ پوچھا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ قَالُوْا بَلٰى سب نے کہا کیوں نہیں' تو ہی ہمارا رب ہے۔ اس وقت اللہ تعالی یہ بھی وعدہ لے سکتے تھے کیا میں تمہارا خالق نہیں ہوں؟ کیا میں تمہارا مالک نہیں ہوں؟ تاہم اللہ تعالی نے اپنی ربوبیت کا اقرار کروایا۔ ذہن میں ایک طالب علمانہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اقرار کیوں لیا؟ جواب یہ ہے کہ وہاں ہم ہر وقت اللہ رب العزت کو یاد کیا کرتے تھے۔ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ○ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا

یَفۡتَرُوۡنَ O عالم ارواح میں غفلت نہ تھی فقط یاد الہٰی تھی تاہم وعدہ لینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمیں امتحان کیلئے دنیا میں بھیج دیا۔ دنیا میں جاکر بھی مجھے رب ماننا ہے یا کسی اور کو رب بنا لیتا ہے؟

انسان کی پیدائش اور رب کا لفظ: عالم اروح میں بھی رب کا لفظ استعمال ہوا اور جہاں انسان کی پیدائش کا تذکرہ ہے وہاں بھی رب کا لفظ استعمال ہوا۔ یَآاَیُّھَاالنَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّکُمۡ اے انسانو تم ڈرو اپنے رب سے اَلَّذِیۡ وہ ذات خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا وَ خَلَقَ مِنۡھَا زَوۡجَھَا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا وَبَثَّ مِنۡھُمَا رِجَالًا کَثِیۡرًا وَّنِسَآءً اور اس جوڑے سے اللہ نے کئی مردوں اور عورتوں کو پھیلا دیا۔ دیکھا! یہاں بھی رب کا لفظ استعمال کیا گیا۔

دہریوں کو لاجواب کر دینے والی آیت: اس آیت میں انسان کی پیدائش کے تین طریقے بتائے گئے۔ خَلَقَکُمۡ مِنۡ نَفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور ان سے ان کی ساری اولاد کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہ تخلیق کا ایک طریقہ۔ اور دوسرا طریقہ وَ خَلَقَ مِنۡھَا زَوۡجَھَا اور اس سے بنا دیا اس کا جوڑا یعنی آدمؑ کی پسلی سے اللہ تعالیٰ نے اماں حوا کو پیدا فرمایا۔ پھر تیسرا طریقہ وَبَثَّ مِنۡھُمَا رِجَالًا کَثِیۡرًا وَّنِسَآءً پھر اس جوڑے سے اللہ نے کتنے مرد اور کتنی عورتیں پیدا فرمائیں۔ گویا تین طریقوں سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا۔

یہ آیت معنی کے اعتبار سے اتنی گہری ہے کہ ہم نے کئی دہریوں کے سامنے اس آیت کی تفسیر کو پیش کیا کہ بتاؤ! کائنات کو پیدا کرنے والا اللہ کے سوا کون ہے؟ مگر ان کے پاس اس کا کوئی جواب نہیں تھا۔

حضرت عمرانؑ کی بیوی اور بیٹی کا اللہ پر یقین: عمران علیہ السلام کی بیوی حاملہ تھیں۔ قرآن بتاتا ہے کہ انہوں نے دعا مانگی۔ وَ اِذۡ قَالَتِ امۡرَاَتُ عِمۡرَانَ اور جب کہا عمرانؑ کی بیوی نے رَبِّ

اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ اے میرے پروردگار! جو کچھ میرے پیٹ میں ہے میں نے اسے تیرے لئے وقف کر دیا پس تو مجھ سے قبول فرمالے۔ غور کیجئے! کہ ایک نبی کی بیوی دعا مانگ رہی ہے رب کے لفظ سے خالق یا مالک کے لفظ سے نہیں۔ اللہ کی قدرت کہ بیٹی پیدا ہوگئی۔ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰی جب اس نے بیٹی کو جنا تو کہنے لگی' اے میرے پروردگار! میں نے تو بیٹی کو جنا ہے۔ وَلَیْسَ الذَّکَرُ کَالْاُنْثٰی اور بیٹا بیٹی کی طرح تو نہیں ہوتا وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ اور میں نے اس بچی کا نام مریم رکھا ہے۔ وَاِنِّیْ اُعِیْذُهَا بِکَ وَ ذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ میں اس کے بارے میں اور اس کی اولاد کے بارے میں شیطان مردود سے تیری پناہ مانگتی ہوں۔ اس دعا کے جواب میں اللہ تعالی بھی رب کا لفظ استعمال فرماتے ہیں فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَ کَفَّلَهَا زَکَرِیَّا پھر رب نے اس کو قبول کر لیا بہتر قبول کرنا اور زکریا علیہ السلام نے اس کی پرورش کی۔

رب نے قبول کیسے کیا؟ یہ مریمؑ ایک دفعہ اکیلی تھیں اور حضرت زکریا علیہ السلام کہیں تبلیغ پر چلے گئے تھے۔ واپس آنے میں دیر ہوگئی۔ پریشان تھے کہ پیچھے کھانے کی کوئی چیز نہیں تھی۔ شاید مریم بھوکی رہی ہوگی۔ نیند بھی آئی ہوگی یا نہیں۔ جب آپؑ حجرہ میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ مریمؑ محراب کے اندر بیٹھی ہوئی بے موسم کے پھل کھا رہی ہے۔ کُلَّمَا دَخَلَ عَلَیْهَا زَکَرِیَّا الْمِحْرَابَ جب زکریا علیہ السلام داخل ہوئے محراب کے اندر وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا تو اس کے پاس رزق پایا قَالَ یَا مَرْیَمُ اَنّٰی لَکِ هٰذَا پوچھا اے مریم! یہ کہاں سے آیا؟۔ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ کہا' یہ تو اللہ کی طرف سے ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَاءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے عطا کر دیتا ہے۔

حضرت زکریاؑ کی دعا:

یہ سن کر حضرت زکریاؑ نے بھی اللہ تعالی سے دعا مانگی هُنَالِکَ دَعَا زَکَرِیَّا رَبَّهٗ جب زکریاؑ نے اپنے رب کو پکارا۔ رَبِّ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً اے پروردگار! مجھے بیٹا عطا فرما اور بیٹا بھی ایسا جو پاکیزہ ہو' طیب ہو۔ اس طرح کیوں مانگا؟ اس لئے کہ اولاد کا ہونا ایک خوشی اور اس کا نیک ہونا

اس سے بڑھ کر خوشی۔ تو بیٹا مانگا پاکیزہ اور طیب سبحان اللہ۔

کیوں وہ جانتے تھے کہ اے اللہ! تو مریم کو بے موسم کے پھل عطا کر سکتا ہے' میں بوڑھا ہو چکا ہوں' میری ہڈیاں بوسیدہ ہو گئیں اور میرے بال سفید ہو گئے' اے اللہ! اس بڑھاپے میں مجھے بھی بے موسم کا پھل عطا کر سکتا ہے' اس بڑھاپے میں مجھے بھی بیٹا دے سکتا ہے۔

حضرت ہاجرہ ؑ کا اللہ پر یقین:

حضرت ابراھیم علیہ الصلوۃ والسلام اپنی بیوی اور بچے کو حرم شریف کے پاس بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ (ایسی وادی جس میں کوئی کھیتی نہ تھی) میں چھوڑ کر جارہے ہیں۔ حضرت ہاجرہ ؓ نے پوچھا' آپ ہمیں کیوں چھوڑ کر جارہے ہیں؟ حضرت ابراھیم ؑ خاموش رہے۔ پھر پوچھا' کیوں چھوڑ کر جارہے ہیں؟ پھر خاموش۔ ابراھیم علیہ السلام کی صحبت یافتہ تھیں' سمجھ گئیں۔ تیسری دفعہ پوچھا کیا آپ ہمیں اللہ کے حکم سے چھوڑ کر جارہے ہیں؟ فرمایا ہاں اللہ کے حکم سے چھوڑ کر جارہا ہوں۔ عرض کیا' اگر آپ اللہ کے حکم سے چھوڑ کر جارہے ہیں تو اللہ تعالی ہمیں ضائع نہیں فرمائے گا۔

حضرت ابراھیم ؑ کا اللہ پر یقین:

جب حضرت ابراھیم ؑ وہاں سے آگئے تو آگے جاکر بیوی بچوں کیلئے دعا مانگتے ہیں رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۝ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ اے میرے پروردگار! میں نے اپنی اولاد کو تیرے حرمت والے گھر کے پاس آباد کیا تاکہ وہ نماز پڑھیں فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِنَ النَّاسِ تَھْوِیْ اِلَیْھِمْ اے اللہ! تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل فرما وَارْزُقْھُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ اور اے اللہ! ان کو کھانے کیلئے پھل عطا فرما۔

بچے کی ضروریات کون پوری کرتا ہے؟:

چھوٹا بچہ' بیچارہ کچا' خود اٹھ نہیں سکتا' اپنا لباس نہیں پہن سکتا' دودھ نہیں پی سکتا' اپنی کروٹ نہیں بدل سکتا۔ اتنا ضعیف اور اتنا کمزور' نہ مکان اپنا' نہ لباس اپنا'

نہ مال اپنا' نہ پیسہ اپنا' نہ طاقت جسم میں' کچھ بھی اپنا نہیں لیکن ایک ذات اس کی پروردگار ہے۔ وہ اس بچے کچے کی محبت ماں باپ کے دل میں ڈال دیتی ہے۔ بس ماں باپ قربان ہوتے جاتے ہیں۔ ماں اپنا کلیجہ کاٹ کر پیش کرنے کو تیار ہے۔ بچے کو نیند نہیں آرہی' ماں جاگ رہی ہے۔ کوئی ماں ہے کہ بچہ رو رہا ہو تو وہ سوئی ہوئی ہو؟ نہیں' کوئی ماں ایسی نہیں ہے۔ اس لئے کہ ماں باپ کے دل میں اللہ تعالیٰ بیٹے کی محبت ڈال دیتے ہیں۔ پھر یہ محبت بچے کی پرورش کا سبب بنتی ہے۔ سبحان اللہ

اللہ تعالیٰ کے سامنے رونے کی اہمیت:

مادی اعتبار سے اس بچے کا کچھ اپنا نہیں ہے مگر ایک چیز اپنی ہے وہ کیا؟ رونا۔ جب بچے کو بھوک لگی' اس نے رونا شروع کر دیا تو اس کیلئے دودھ کا انتظام ہو گیا۔ بچے کو پیاس لگی' اس نے شروع کر دیا تو اس کیلئے پانی کا انتظام ہو گیا۔ بچے کو نیند آئی' اس نے رونا شروع کر دیا تو اس کیلئے بستر کا انتظام ہو گیا۔ بچے کو قضائے حاجت کی ضرورت محسوس ہوئی' اس نے رونا شروع کر دیا' اس کیلئے قضائے حاجت کا انتظام ہو گیا۔ قصہ مختصر بچے کو کوئی ضرورت پیش آئے' وہ رو پڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی ضروریات کو پورا فرما دیتے ہیں۔ اس سے کسی عارف نے نکتہ نکالا کہ اے انسان! جب تک تو رونا جانتا تھا اللہ تعالیٰ تیری ہر ضرورت کو پورا فرماتے تھے' جب تو نے رونے کو بھلا دیا اللہ نے تیرے کاموں کو اٹکانا شروع کر دیا۔

ماں باپ جسمانی مربی ہوتے ہیں:

ماں باپ بچے کی پرورش کر رہے ہوتے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ بھی مربی ہیں۔ رب کے معنی بڑے وسیع ہیں۔ یہ لفظ انسانوں کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے اور اللہ کی ذات پر بھی استعمال ہوتا ہے لیکن فرق ہے ماں باپ کی ربوبیت میں اور اللہ کی ربوبیت میں۔ انسانوں کی ربوبیت ایک متعین وقت کے لئے ہوتی ہے جبکہ اللہ کی ربوبیت ہمیشہ کیلئے ہے۔ ماں باپ صرف اپنی اولاد کے مربی ہوتے ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ ساری کائنات کا مربی ہے۔ ماں باپ صرف جسمانی مربی ہوتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ جسمانی مربی بھی ہے اور روحانی مربی بھی۔ اللہ

رب العزت کی ربوبیت والی صفت ذاتی ہے۔ ماں باپ کی ربوبیت والی صفت عطائی ہے۔ قرآن پاک میں ماں باپ کیلئے بھی رب کا لفظ استعمال کیا گیا ہے رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا اے میرے پروردگار! میرے ماں باپ پر رحم کر کیونکہ انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی تھی۔

سب کی ضرورتیں پوری کرنے والا "اللہ تعالیٰ" ہے:

بچے کی ضروریات ظاہری طور پر تو ماں باپ پوری کرتے ہیں مگر درحقیقت ہر ضرورت اللہ تعالیٰ پوری کرتے ہیں۔ یہ بچہ کھاتا کس کا ہے؟ اللہ کا دیا ہوا۔ پہنتا کس کا ہے؟ اللہ کا دیا ہوا۔ اور جب یہی بڑا ہو جاتا ہے تو کہنے لگ جاتا ہے اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى میں سب سے اعلیٰ رب ہوں۔ او انسان! تو کیوں نہیں سوچتا؟ کیوں تیری آنکھیں ماتھے پر لگ جاتی ہیں؟ تو اپنی پیدائش کو کیوں بھول گیا ہے۔ اتنا تنگ راستہ تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے تیرے لئے کھلا کر دیا۔

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖ دیکھ او انسان! اے ناشکرے تو کیوں نہیں دیکھتا اپنے طعام کی طرف اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ہم نے آسمان سے پانی اتار دیا، ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا پھر ہم نے زمین کو پھاڑ دیا۔ دیکھئے! جب ایک عورت بچے کو جنم دیتی ہے تو کتنی تکلیف اٹھاتی ہے۔ اسی طرح ایک کونپل جب زمین سے نکلتی ہے تو گویا زمین سے بچہ پیدا ہو رہا ہوتا ہے۔ زمین کی اولاد جنم لے رہی ہوتی ہے۔ اب سوچئے، زمین کو کتنی تکلیف اٹھانی پڑتی ہوگی۔

سب سے مشکل انسان کا بچہ پلتا ہے۔ بکری کے بچے کو دیکھو، پیدا ہونے کے چند منٹ بعد بھاگ رہا ہوتا ہے۔ بھینس کے بچے کو دیکھو، پیدا ہونے کے چند منٹ بعد دودھ پی رہا ہوتا ہے، خود بخود چل پھر رہا ہوتا ہے۔ انسان کے بچے کی پرورش سب سے مشکل ہے۔ کئی سال تک ماں باپ کو پریشانی اٹھانی پڑتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کیلئے ہوا کا انتظام کیا، پانی کا انتظام کیا، پھل پھول کا انتظام کیا، روٹی کا انتظام کیا، بوٹی کا انتظام کیا، ماں کی چھاتی سے دودھ کی نہریں جاری کر دیں۔ پیدائش سے پہلے اس کیلئے انتظامات شروع ہو گئے۔ پیدائش

ہوتے ہی دودھ کی نہریں جاری ہو گئیں۔ ذرا بڑا ہوا تو دانت نہیں تھے' دانت آنے شروع ہو گئے۔ جب اس کو چلنے پھرنے کی ضرورت ہوئی تو اللہ نے اس کو طاقت عطا فرمادی۔ جو بچہ شروع میں خود اٹھ کر کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ جب جوان ہوتا ہے تو کئی کئی من کا وزن سر پر رکھ کر دوڑ لگا رہا ہوتا ہے۔ پہلوان بن جاتا ہے۔ ارے! اس کی ابتدا تو دیکھو' کتنا ضعیف تھا' اب دیکھو اللہ نے اس کو کتنا قوی بنادیا۔

حضرت موسیٰؑ کی پرورش کا عجیب واقعہ:

حضرت موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کی پیدائش سے پہلے فرعون کو نجومیوں نے بتایا دیا تھا کہ تمہاری مملکت میں ایک ایسا بچہ ہوگا جو تمہارے تخت و تاج کو چھین لے گا۔ اس نے کہا' اچھا! میں اس کا بندوبست کرتا ہوں۔ آئندہ دو سال تک وہ بنی اسرائیل کے بچوں کو ذبح کرواتا رہا۔ جو بچہ پیدا ہوتا اسے ذبح کروا دیتا۔ مردوں کے الگ باغیچے بنادیئے تاکہ یہ ادھر ہی کھیلیں' کھائیں' پیئیں' سوئیں۔ عورتوں کے الگ باغیچے بنادیئے تاکہ وہ بھی ادھر ہی کھائیں' پیئیں' سوئیں۔ بنی اسرائیل کے مرد و عورت کا ملنا جلنا منع کر دیا گیا۔ دو سال تک کوئی خاوند اپنی بیوی سے نہیں مل سکتا تھا۔ مقصد یہ تھا کہ نہ ماں باپ ملیں گے نہ بچہ ہوگا۔ اگر اس دوران کوئی بچہ پیدا ہو بھی گیا تو میں اسے قتل کروادوں گا۔ مگر ہوتا وہی ہے جو منظور خدا ہوتا ہے۔ کرنا خدا کا کیا ہوا کہ ان مردوں کا ایک بڑا افسر اور ان عورتوں کی ایک بڑی افسر دونوں میاں بیوی تھے جو فرعون کو رپورٹ پیش کرنے آتے تھے اور وہیں رات گذارتے تھے ان کو آپس میں ہمبستری کا موقع مل جاتا تھا۔ ان میں سے ایک حضرت موسیٰؑ کا باپ تھا اور ایک ان کی ماں تھی۔

حضرت موسیٰؑ ماں کے پیٹ میں پرورش پاتے رہے۔ جب ولادت ہوئی تو آپؑ کی ماں ڈری کہ ایسا نہ ہو کہ اس بچے کو بھی ذبح کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں' وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِيْهِ اور ہم نے وحی کی موسیٰؑ کی ماں کی طرف کہ تو اس کو دودھ پلا . فَاِذَا خِفْتِ عَلَيْهِ اور اگر تجھے ڈر لگے کہ سپاہی اس کو نہ لے جائیں تو پھر اس کو ایک تابوت میں بند کر اور تابوت کو دریا میں ڈال دے فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ ۔ دریا سے یہ

تابوت ساحل کے پاس جا لگے گا۔ پکڑے گا کون؟ یَاْخُذْہُ عَدُوٌّ لِّیْ وَعَدُوٌّ لَّہٗ وہ جو میرا بھی دشمن اور اس کا بھی دشمن۔

ام موسیٰ کی عقل کہتی ہے واہ خدایا! تیرے وعدے بھی عجیب! تو بچے کو بچانا چاہتا ہے تو میں کسی کونے میں رکھ دوں گی تاکہ یہ پولیس والوں کو نظر ہی نہ آئے یا پھر کوئی پولیس والا اس گھر میں آ ہی نہ سکے۔ تو نے بچانے کا وعدہ بھی کیا تو کتنا عجیب کہ اس کو تابوت میں ڈال اور تابوت کو دریا میں ڈال۔ اب سوچئے! اگر اس میں ہوا کے داخل ہونے کا بندوبست کریں تو سوراخ رکھنے پڑیں گے۔ اگر سوراخ رکھے گئے تو پانی اس میں داخل ہو جائے گا۔ گویا ضدین جمع ہو گئیں۔ بہر حال ماں نے دھڑکتے دل کے ساتھ اپنے بچے کو تابوت میں ڈال دیا عقل کی بات بالکل نہ سنی۔ وہ جانتی تھیں کہ یہ اللہ رب العزت کا وعدہ ہے جو میرا بھی پروردگار ہے اور بچے کا بھی پروردگار ہے۔ وہی بچے کی پرورش بھی فرمائے گا۔ چنانچہ کیا ہوا؟ اس بچے کو فرعون اور اس کی بیوی نے پکڑا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں' وَاَلْقَیْتُ عَلَیْکَ مَحَبَّۃً مِّنِّیْ میں نے اپنی طرف سے تیرے چہرے پر محبت ڈال دی' محبت القا کر دی۔ چنانچہ فرعون کی بیوی نے حضرت موسیٰؑ کو دیکھا تو وہ بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔ کہنے لگی' لَاتَقْتُلُوْہُ اس کو قتل نہیں کرنا عَسٰۤی اَنْ یَّنْفَعَنَا ہو سکتا ہے یہ ہمیں نفع پہنچائے۔ اَوْ نَتَّخِذَہٗ وَلَدًا یا ہم اس کو اپنا بیٹا بنا لیتے ہیں۔ دیکھا! قدرت کا کرشمہ قوم کے بچے مروانے والا خود اپنے دل کے ہاتھوں مرا پڑا ہے۔

فرمان شاہی جاری ہوا تو بچے کو دودھ پلانے والی عورتیں آئیں مگر بچہ دودھ ہی نہیں پیتا۔ فرعون پریشان ہے کہ بچہ دودھ نہیں پیتا۔ عقل کا اندھا اس کی مت ماری گئی۔ ساری قوم کے بیٹوں کو مرواتا رہا یہ سمجھ نہ آئی کہ اللہ تعالیٰ اسی کے ہاتھوں سے بچے کی پرورش کروا رہے ہیں۔ دوسری طرف حضرت موسیٰؑ کی ماں کا حال بھی عجیب تھا۔ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰی فٰرِغًا اِنْ کَادَتْ لَتُبْدِیْ بِہٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰی قَلْبِہَا لِتَکُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اگر اللہ اس کے دل کو تسلی نہ دیتے تو وہ اپنا راز فاش کر بیٹھتی۔ لیکن اللہ نے دل کو طاقت دے دی' سنبھالا دے دیا۔ بیٹی کو بھیجتی ہے کہ دیکھ' فرعون کے گھر

کیا ہو رہا ہے۔ وہ فرعون کے گھر جا کر دیکھتی ہے کہ بچہ دودھ نہیں پی رہا۔ فرعون سے کہنے لگی' میں ایسے لوگوں کا پتہ نہ بتادوں جو اس بچے کی پرورش بھی کریں گے اور اس کے خیر خواہ بھی ہونگے۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ فرعون کے دل میں خیال گذرا کہ یہ خیر خواہوں کا نام لینے والی کون آئی۔ چنانچہ فرعون نے بچی سے پوچھا کہ کون ہیں اس کے خیر خواہ؟ بچی ایسی ذہین تھی کہ فوراً کہنے لگی کہ ساری قوم آپ کی خیر خواہ ہے۔ جو بھی دودھ پلائے گی اس کی خیر خواہ ہوگی۔ فرعون بچی کی بات سے مطمئن ہو گیا۔ بچی نے گھر آ کر ماں کو صورتحال سے آگاہ کیا تو حضرت موسیٰؑ کی ماں بھی بچے کو دودھ پلانے تشریف لے گئیں۔ بچے کو چھاتی سے لگایا تو بچے نے دودھ پینا شروع کر دیا۔ فرعون خوشیاں منانے لگا۔ اسے یہ بات سمجھ میں نہ آئی کہ ہو سکتا ہے یہ اس بچے کی ماں ہو۔ کہتا ہے 'اچھا ہوا' بچے نے تیرا دودھ پینا شروع کر دیا ہے؟ تو اس بچے کو گھر لے جا اس کی پرورش ٹھیک کرنا' اس کی ہر چیز کا خیال رکھنا' میں تجھے سرکاری فنڈ سے اتنا وظیفہ دیتا رہوں گا۔ اللہ نے جو وعدہ فرمایا تھا وہ سچ کر دکھایا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰۤى اُمِّهٖ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ کہ ہم نے لوٹا دیا اس کو ماں کے پاس تاکہ ماں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ اور اس کے دل میں کوئی غم نہ ہو۔ وَلِتَعْلَمَ اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ اور وہ جان لے کہ اللہ کے وعدے سچے ہیں۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ لیکن اکثر لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔ ام موسیٰؑ اپنے بیٹے کو دودھ پلاتی تھیں اور سرکار سے وظیفہ ملتا تھا' یوں اللہ تعالیٰ اپنی ذات پر توکل کرنے والوں کو دوگنا منافع عطا فرما دیتے ہیں۔

ہم نے کس کو رب بنا رکھا ہے؟:

ہمارا پروردگار کون؟ اللہ۔ وہی ہماری ضروریات کو پورا کرنے والا ہے۔ مگر جب ہم بڑے ہو جاتے ہیں تو دفتر کو اپنا رب بنا لیتے ہیں' مال پیسے کو اپنا رب بنا لیتے ہیں۔ بھلا جو آدمی رشوت لیتا ہے وہ کس کو رب سمجھتا ہے؟ اگر وہ اللہ کو رب سمجھتا تو کبھی حرام کا پیسہ نہ لیتا۔ جب حرام کا پیسہ لے لیا تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ پیسے کو اپنا خدا سمجھ رہا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ میں پیسے سے پل رہا ہوں۔ جس نے دکان میں ملاوٹ کی وہ کس کو اپنا رب سمجھ

رہا ہے؟ اللہ کو رب سمجھ رہا ہے یا دوکان کو؟ جس نے دفتر کی خاطر نماز چھوڑی وہ اللہ کو رب سمجھ رہا ہے یا دفتر کو؟ وہ دفتر کی کرسی کو رب سمجھتا ہے۔ کہتا ہے کہ جب تک کرسی میرے پاس ہے' میری ضروریات پوری ہونگی' کرسی نہیں رہے گی تو ضروریات پوری نہیں ہوں گی۔ استغفراللہ' ہم نے اللہ ہی کو رب سمجھنا ہے۔ ہم دفتر کو سمجھ بیٹھے ہیں' دوکان کو سمجھ بیٹھے ہیں' مال پیسے کو رب سمجھ بیٹھے ہیں۔ ایسا بڑا دھوکا ہے جو آج اکثر لوگوں کو لگ جاتا ہے۔ کہتے ہیں کیا کریں مولانا صاحب! ہم اپنے لیے تو رشوت نہیں لیتے' بچوں کیلئے لیتے ہیں۔ او اللہ کے بندے! جو تجھے کھانے کو دے سکتا ہے وہ تیرے بچوں کو بھی دے سکتا ہے۔ وَ اِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلاَّ عِنْدَنَا خَزَائِنُهٗ جو کچھ بھی چیز ہے اس کے ہمارے پاس خزانے ہیں۔ وَمَانُنَزِّلُهٗ اِلاَّ بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ہم اس کو ایک معلوم اندازے سے اتارتے ہیں۔

جو اللہ کا ہو گیا اللہ اس کا ہو گیا:

نبی ﷺ نے صحابہ کے دلوں میں یہ حقیقت بٹھادی تھی کہ رب' اللہ کو سمجھنا ہے۔ چنانچہ ان کی تمام امیدیں اللہ رب العزت کی ذات پر لگی ہوتی تھیں۔ ایک صحابیؓ نے زمین کاشت کرنی تھی۔ زمین پر جاکر دو رکعت نفل پڑھے اور دعا مانگی۔ یااللہ! یہ میری زمین کا ٹکڑا ہے۔ اس کیلئے پانی کی ضرورت ہے۔ زمین سے پانی نہیں مل رہا تو آسمان سے پانی نازل فرمادے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت بادل بھیجے اور ادھر بارش ہونا شروع ہوگئی۔ فرماتے ہیں' جب میں نفل پڑھ کر اس زمین کے قطعوں سے باہر گیا تو میں نے دیکھا کہ میری زمین کے علاوہ کہیں دوسری جگہ بارش کا نام و نشان ہی نہیں تھا۔ جی ہاں وہ اسی طرح لیتے تھے ان کیلئے رزق وغیرہ کے دروازے اوپر سے کھل جاتے تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے رزق میں برکت:

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے رزق بھی دیا' اولاد بھی دی۔ ایک دفعہ حضور ﷺ نے دعا مانگی' اے اللہ! تو انس کی اولاد میں اور اس کے رزق میں برکت عطا فرما۔ فرماتے ہیں کہ اپنے بیٹوں' پوتوں' نواسوں میں سے میں نے سو بیٹے اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھے' ماشاء اللہ۔ اللہ نے اولاد کو یوں بڑھایا۔ اور فرماتے ہیں کہ مجھے

اللہ نے اتنا سونا دیا کہ میں اس سونے کو اپنی کدال کے ساتھ توڑا کرتا تھا جیسے کسی بڑے پتھر کو کدال کے ساتھ توڑا جاتا ہے۔

ہم آدھے تیتر آدھے بٹیر بنے پھرتے ہیں جس کی وجہ سے اللہ کی مدد نہیں اترتی۔ لہٰذا روتے پھرتے ہیں۔ جس سے پوچھو رزق کی پریشانی' کاروبار کی پریشانی' اولاد کی پریشانی' ایسے لگتا ہے کہ سب گھروں میں پریشانیاں بھری ہوئی ہیں۔ اس لئے کہ جب ہم نے اپنے اور اللہ کے تعلق کو بگاڑا تو اللہ نے ہمارے اور مخلوق کے تعلق کو بگاڑ دیا۔

؎ وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

ہم نے اللہ کے در پر جھکنا چھوڑا' اللہ نے در در پر جھکنے کی مصیبت میں پھنسا دیا۔ یعنی اگر میرے در پر نہیں جھکتے تو اچھا پھر ہر جگہ جھکتے پھرو۔ کاش! ایک در پر جھکنا سیکھ لیتے۔

خاندانی منصوبہ بندی والوں کے غلط اندازے:

ہمیں اللہ سے مانگنے کا سلیقہ آتا تو منصوبہ بندی والوں سے مشورے نہ لیتے۔ منصوبہ بندی والے کہتے ہیں' "بچے کم ہی اچھے"۔ استغفراللہ' جیسے ان بچوں کے پروردگار خود بن گئے ہیں۔ 1965ء میں یہ عاجز سکول میں پڑھتا تھا۔ اس وقت سنتا تھا کہ اگر 1970ء تک ملک میں خاندانی منصوبہ بندی نہ کی گئی تو ملک میں قحط آ جائے گا۔ جب 1970ء کا سال شروع ہوا تو پھر کہنے لگے' 1980ء تک خاندانی منصوبہ بندی نہ کی گئی تو لوگ ایک دوسرے کو کاٹ کھائیں گے۔ 1980ء کا سال بھی آگیا۔ پھر کہنے لگے' 1990ء تک خاندانی منصوبہ بندی نہ کی گئی تو امیر لوگ غریبوں کو کھا جائیں گے۔ 1990ء بھی آگیا۔

یہ تو سوچتے ہیں کہ خاندانی منصوبہ بندی کرنی ہے' یہ کیوں نہیں سوچتے کہ جو بچے پیدا ہوں گے ان کا کھانے والا منہ ایک ہوگا مگر دو ہاتھ بھی ہونگے۔ جو وسائل 1960ء میں تھے وہ تھوڑے تھے اور جو وسائل 1990ء میں تھے وہ زیادہ تھے۔ جب لوگ کم تھے تو زمین کے وسائل بھی کم ملتے تھے جب لوگ زیادہ ہوئے وسائل بھی زیادہ ہوگئے۔ اللہ رب

العزت فرماتے ہیں وَ لَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَ کُمْ خَشْیَۃَ اِمْلَاقٍ تم اپنے بچوں کو قتل نہ کرنا مال پیسے کے ڈر سے نَحْنُ نَرْزُقُھُمْ وَ اِیَّاکُمْ تمہیں بھی رزق ہم دیتے ہیں اور انہیں بھی رزق ہم دیتے ہیں۔ اِنَّ قَتْلَھُمْ کَانَ خِطْاً کَبِیْرًا ان کا قتل کرنا تو بہت ہی کبیرہ گناہ ہے۔

خاندانی منصوبہ بندی کی اصل وجہ: ہماری نظر کس پر گئی؟ اپنی جیب پر گئی' اللہ کے خزانوں پر نہ گئی۔ ہم نے کہا' آبادی بڑھ جائے گی ہماری جیب کٹ جائے گی۔ اللہ کے بندے! تو جیب پر نظر ڈالتا ہے' اللہ کے خزانوں پر کیوں نہیں ڈالتا۔ آجکل پورا مغرب مسلمانوں سے خوف کھاتا ہے' کیوں؟ کہتا ہے ان کی آبادی اتنی بڑھ گئی کہ کہیں یہ مسلمان ہماری طرف رخ نہ کرلیں۔ الحمدللہ آج دنیا میں اتنے مسلمان ہیں کہ اسرائیل کی طرف منہ کرکے پیشاب کردیں تو اسرائیل میں Flood (سیلاب) آجائے۔ وہ تو ہماری آبادی کو کم کرنے کی فکر میں ہیں۔ مسلمانوں کے اندر سازشیں کررہے ہیں۔ ان کو آپس میں لڑا رہے ہیں۔ اس لئے کہ اگر یہ اتنے بڑھ گئے اور ان میں اتفاق ہو گیا تو یہ باطل کو دنیا سے ختم کردیں گے۔

خاندانی منصوبہ بندی کا توڑ: آج دنیا کہتی ہے کہ خاندانی منصوبہ بندی پر عمل کریں لیکن میرے پیارے محبوب ﷺ نے فرمایا کہ ایسی عورتوں سے شادی کرو جو زیادہ بچے جننے والی ہوں' میں قیامت کے دن زیادہ امت پر فخر کروں گا۔ ایک صحابیؓ آکر عرض کرتے ہیں۔ اے اللہ کے نبی ﷺ! میری ایک بیوی ہے مگر رزق کی تنگی ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں' جا ایک نکاح اور کرلے' چنانچہ ایک نکاح اور کرتے ہیں۔ پھر آتے ہیں' کہتے ہیں' اے اللہ کے نبی ﷺ! میری دو بیویاں ہیں خرچے میں ذرا تنگی ہے۔ فرمایا' جا ایک نکاح اور کرلے۔ تیسرا نکاح کرلیا پھر خدمت میں آکر عرض کرتے ہیں' اے اللہ کے نبی ﷺ تین بیویاں ہیں خرچہ تھوڑا ہے۔ فرمایا' چوتھا نکاح کرلے۔ اس نے چوتھا نکاح کرلیا۔ پھر آکر عرض کی اے اللہ کے نبی ﷺ چار بیویاں ہیں' خرچہ تھوڑا ہے۔ فرمایا' حج پر چلا جا۔ ظاہر میں خرچہ زیادہ ہو رہا ہے درحقیقت اللہ تعالی

حج کی برکت سے رزق بڑھا رہے ہیں۔ تو نظر اپنی جیب پر رکھنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی ذات پر رکھنی چاہیئے۔ یہ اچھی طرح ذہن نشین کرلیں کہ ہم ملکی منصوبہ بندی کے پر زور حامی ہیں تاہم خاندانی منصوبہ بندی کے مخالف ہیں۔

اللہ پر یقین کا مطلب: ہم اللہ کو رب سمجھ کر اللہ کے خزانوں پر نظر رکھیں۔ محترم سامعین! گھر میں آٹا نہ ہو تو پھر سارے رو رو کر دعائیں مانگتے ہیں۔ مزہ تو تب ہے جب گھر میں آٹا بھی پڑا ہو پھر رو رو کر دعائیں مانگیں کہ اے اللہ! رزق دینے والا تو ہی ہے۔ اس کو یقین کہتے ہیں۔

ہماری نظریں جیب پر نہ ہوں' اسباب پر نہ ہوں بلکہ مسبب الاسباب پر ہوں۔ اللہ رب العزت ہمارے لئے اسباب مہیا فرما دیں گے۔ کہاں سے دیں گے وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مَخۡرَجًا جو تقویٰ کو اختیار کرلیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کیلئے سبیل پیدا فرما دیتے ہیں۔ وَیَرۡزُقۡہُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دیتا ہے جس کا اس کو وہم و گمان بھی نہیں ہوتا۔

رزق کی برکت کا ایک عجیب واقعہ: ایک رزق ہوتا ہے اور ایک رزق کی برکت ہوتی ہے۔ یہ دونوں مختلف چیزیں ہیں۔ عام طور پر لوگ رزق مانگتے ہیں' برکت کم مانگتے ہیں۔ رزق کی برکت بھلا کیا چیز ہے؟ ایک واقعہ سنا دیتا ہوں۔

ایک نوجوان نے اپنے ماں باپ کی بہت خدمت کی۔ جب والدین فوت ہو گئے تو کچھ دنوں کے بعد خواب میں ایک آدمی کو دیکھا کہ اس نے کہا۔ تم نے والدین کی بڑی خدمت کی ہے' تجھے انعام دیتے ہیں۔ پتھر کے نیچے سو دینار پڑے ہیں جا کر اٹھا لے۔ وہ نوجوان سمجھدار تھا۔ اس نے پوچھا' ان میں برکت ہو گی؟ جواب ملا' برکت تو نہیں ہو گی۔ اس نے کہا میں نہیں لیتا ایسے سو دینار جس میں برکت نہ ہو۔ صبح اٹھا' بیوی کو بتایا کہ میں نے رات ایسا خواب دیکھا ہے۔ بیوی نے کہا' اچھا تم نہ لینا' مگر دیکھ تو آؤ دینار پڑے ہوئے بھی ہیں یا نہیں۔ اس نے کہا' جب دینار لینے نہیں تو میں جا کر دیکھتا بھی نہیں۔ دوسری رات پھر

خواب آیا کہ اچھا تو سو دینار نہیں لیتا تو تجھے دس دینار دیں گے۔ اس نے پھر وہی پوچھا کہ برکت ہو گی ان میں یا نہیں؟ اس نے کہا برکت نہیں ہو گی۔ اس نے کہا کہ پھر میں لیتا بھی نہیں۔ ادھر بیوی کو بتایا تو کہنے لگی سو دینار تو چھوڑ دیئے تھے اب دس تو ضائع نہ کر یہ تو جا کر لے لے۔ اس نے کہا' جب برکت نہیں میں لیتا بھی نہیں۔ تیسری رات پھر خواب آیا۔ بزرگ نے کہا تو نے والدین کی خدمت کی تجھے ایک دینار دیتے ہیں۔ پوچھتا ہے اس میں برکت ہو گی؟ فرمایا' ہاں برکت ہو گی۔ وہ نوجوان صبح اٹھا تو اس نے اس پتھر کے نیچے سے ایک دینار لے لیا۔ واپس آنے لگا' دل میں خوشی تھی' سوچا کہ چلو آج میں مچھلی لے کر چلوں۔ میری بیوی مچھلی کے کباب بنائے گی۔ بازار سے مچھلی خریدی۔ گھر لایا۔ جب اس کی بیوی نے مچھلی کو کاٹا تو مچھلی کے اندر سے ایسا قیمتی ہیرا نکلا کہ جب اسے بازار میں بیچا تو ساری زندگی کا خرچہ پورا ہو گیا۔ یہ ہوتا ہے برکت والا رزق۔ ماشاء اللہ

یہ برکت کا لفظ انگریزی ڈکشنری میں کہیں نہیں ملتا۔ اسی لئے ان مغربی لوگوں کی زندگیوں میں برکت نظر نہیں آتی۔ مگر الحمدللہ یہ ایمان والوں کی زندگی میں ہوتی ہے۔ اللہ تعالی فرماتے ہیں۔ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰىٓ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اگر یہ بستی دیسوں والے ایمان لاتے اور تقوی اختیار کرتے تو ہم آسمان سے اور زمین سے برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔

روزی میں بے برکتی کی بنیادی وجہ:

سب گھر والے کماتے ہیں پھر بھی خرچہ پورا نہیں ہوتا۔ کہتے ہیں' مولوی صاحب! گھر کے سارے آدمی کمانے والے ہیں لیکن خرچہ پورا نہیں ہوتا۔ پتہ نہیں کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ رزق میں برکت نہیں ہوتی۔ روزانہ ڈاکٹر کی طرف بوتل چلتی رہتی ہے۔ کبھی کوئی بیمار کبھی کوئی بیمار۔

محترم سامعین منبر رسول ؐ پر بیٹھا ہوں۔ میں نے ایک نوجوان جنرل مینجر کو دیکھا جو 70 ہزار روپے ماہانہ تنخواہ لیتا تھا۔ وہ اپنا حال سناتے ہوئے رو پڑا۔ کہنے لگا جی کیا کروں' میرے خرچے پورے نہیں ہوتے۔ میں نے کہا آپ رو نہیں رہے ہیں بلکہ آپ کو رلایا

جارہا ہے۔ آپ کے اخراجات اس لئے پورے نہیں ہوتے کہ آپ کے مال میں برکت نہیں۔ آپ کی آمدنی 70 ہزار ماہانہ ہے مگر اللہ نے آپ کی ضروریات 70 ہزار سے بڑھا دی ہیں۔ اگر آپ تقویٰ و پرہیزگاری کی زندگی نہیں اپنائیں گے تو پھر ایڑی چوٹی کا زور لگا لیں آپ کی ضرورتیں پوری نہیں ہوں گی۔ یاد رکھیں تقویٰ رزق کو اس طرح کھینچتا ہے جس طرح مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے۔ اور جب اللہ تعالیٰ رزق میں برکت عطا فرماتے ہیں تو پھر ضروریات کو سکیڑ دیتے ہیں۔ پھر آمدنی اگر 2 ہزار بھی ہوگی تو ضروریات پوری ہو جائیں گی اور اللہ رب العزت سکون بھی عطا فرمائیں گے۔

نظر اور خبر کے راستے میں فرق: آج کا انسان اپنے مشاہدے اور تجربات پر اپنی زندگی کی بنیاد رکھتا ہے' اس کو نظر کا راستہ کہتے ہیں۔ جبکہ اللہ تعالیٰ کے حکموں پر اپنی زندگی کی بنیاد رکھنے کو خبر کا راستہ کہتے ہیں۔ نظر کا راستہ اور ہے خبر کا راستہ اور ہے۔ جو نظر کے راستے پر چلے گا وہ کھڈے میں گر جائے گا' جو خبر کے راستے پر چلے گا وہ اللہ کی ذات سے مل جائے گا۔ آج ہم نظر کے راستے پر چلتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے کرنا وہ ہے جو ہماری سمجھ میں آئے گا۔ محترم سامعین! اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ میں آئے یا نہ آئے' ہم نے اس پر عمل کرنا ہے۔ اور اگر اللہ کے حکم سے ہٹ کر ہمیں ظاہری طور پر کامیابی نظر بھی آتی ہو تب بھی وہ راستہ اختیار نہیں کرنا۔ ظاہر میں کامیابی ہوگی لیکن حقیقت میں ناکامی ہوگی۔ جس طرح انسان خود ناقص ہے' اس کے تجربات اور مشاہدات بھی ناقص ہیں اسی طرح ان کے مطابق گزرنے والی زندگی بھی ناقص ہوگی اور جس طرح اللہ تعالیٰ کے احکام کامل ہیں اسی طرح اس کے مطابق گزرنے والی زندگی بھی کامل ہوگی۔ اس کی چند مثالیں دی جاتی ہیں تاکہ بات سمجھ میں آجائے۔

جادوگروں کا واقعہ: حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جادوگروں میں گھرے کھڑے ہیں۔ جادوگروں نے اپنی رسیاں ڈالیں جو سانپ بن گئیں اور موسیٰؑ کی طرف لپکنے لگیں۔ حضرت موسیٰؑ کے ہاتھ میں عصا ہے۔ اب ایسی صورتحال میں عقل سے پوچھیں کہ ایک آدمی کے پاس عصا ہے اور وہ سانپوں میں گھرا کھڑا ہے۔ کیا کرنا

چاہیے؟ عقل کہے گی کہ اس کو عصا اپنے ہاتھ میں مضبوطی سے پکڑ لینا چاہیے پھر جو سانپ اس کے قریب آئے اس کے سر پر مارنا چاہیے' یہی طریقہ ہے کامیابی کا۔ اور اگر اللہ تعالی سے پوچھیں کہ کیا کرنا چاہیے تو فرمایا' اے میرے پیارے موسیٰؑ! آپ اپنے عصا کو زمین پر ڈال دیں۔ اس موقع پر عقل کہے گی کہ کیا کر رہے ہو؟ یہ تو اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ یہ امید کی آخری کرن تھی اور اسے بھی چھوڑ رہے ہو۔ لیکن موسیٰؑ نے اللہ تعالی کی ربوبیت پر یقین رکھتے ہوئے خبر کے راستے پر قدم اٹھایا' نظر کے راستے پر نہیں اٹھایا۔ اپنے عصا کو زمین پر ڈال دیا۔ وہی عصا ایک بہت بڑا اژدہا بن گیا اور ان سب سانپوں کو کھا گیا۔ اللہ تعالی نے حضرت موسیٰؑ کو کامیابی عطا فرمادی۔

قوم موسیٰؑ کیلئے بارہ راستے بننے کا واقعہ:

حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کو لے کر دریائے نیل کے کنارے پہنچے۔ پیچھے فرعون اپنی فوجوں کو لے کر آگیا۔ آگے دریا موجزن ہے' پیچھے فرعون اور اس کی فوجیں ہیں۔ قَالَ اَصْحَابُ مُوْسٰی اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ حضرت موسیٰؑ کے ساتھیوں نے کہا' اب پکڑے گئے۔ موسیٰؑ نے فرمایا" كَلَّا ہرگز نہیں۔ اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ میرا رب' میری پرورش کرنے والا' میرا پروردگار ہے۔ میری ضروریات کو پورا کرنے والا میرے ساتھ ہے۔ سَیَهْدِیْنِ وہ مجھے سیدھا راستہ دکھائے گا۔ وہ ضرور میری مدد فرمائے گا۔ ایسی صورتحال میں عقل سے رجوع کریں' عقل سے پوچھیں کہ کیا کرنا چاہیے؟ عقل جواب دے گی کہ اگر آدمی کے سامنے دریا ہو' کشتی بھی پاس نہ ہو اور آدمی کے پیچھے دشمن کی فوج بھی ہو تو ایسی صورت میں ڈنڈے کو مضبوطی سے پکڑنا چاہیے اور جب وہ فوج قریب آئے تو اس فوج کے سپہ سالار کے سر پر ڈنڈا مارنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے اس کے سر پر لگ جائے اور وہ مر جائے۔ اگر خبر سے پوچھیں کہ کیا کرنا چاہیے تو فرمایا' اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ اے میرے پیارے نبیؑ! آپ عصا کو پانی پر ماریئے۔ عقل یہ سنتی ہے تو چلاتی ہے' چیختی ہے کہ پانی میں مارنے سے کیا بنے گا۔ مارنا ہے تو فرعون کے سر پر مارو۔ لیکن موسیٰؑ نے نظر کے راستے پر قدم نہیں اٹھایا بلکہ خبر کے راستے پر قدم اٹھایا۔ جیسے ہی پانی کے اوپر عصا مارا تو اس میں بارہ

راستے بن گئے۔ اب ان کی قوم اسے عبور کر گئی۔ سینکڑوں سالوں کے تجربے وہاں آ کر دھرے کے دھرے رہ گئے۔ ساری دنیا جانتی ہے کہ پانی سطح برابر رکھتا ہے مگر جب اللہ تعالی کا حکم آیا تو پانی نے برابر رکھنے والی صفت ہی چھوڑ دی۔

پتھر سے چشمے جاری ہونے کا واقعہ:

حضرت موسیٰ علیہ السلام قوم کو لے کر ایک وادی میں پہنچتے ہیں۔ وہاں پینے کے لئے پانی نہیں تھا۔ حضرت موسیٰ کی قوم نے کہا، اے اللہ کے نبی! ہمارے پاس تو پینے کے لئے پانی نہیں، ہم کیا کریں؟ ایسی صورتحال میں عقل سے پوچھیں کیا کرنا چاہیئے؟ عقل کہے گی، ڈنڈا ہے تو چلو اسی کا بیلچہ بنالو اور اس سے زمین کھودنا شروع کردو زمین کھودتے کھودتے کنواں بن جائے گا اور پانی مل جائے گا مگر خیال رکھنا کہ اتنا زور سے بیلچہ نہ مارنا کہ ڈنڈا ٹوٹ ہی جائے۔ اس لئے کہ صحرا میں کوئی اور چیز نہیں ملے گی۔ حضرت موسیٰ نے جب خبر کے راستے کو معلوم کیا تو حکم ملا اِضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ اپنے عصا سے پتھر پر ضرب لگایئے۔ عقل سے پوچھیں تو عقل چیخے گی، چلائے گی کہ عصا کو پتھر پر مارنے سے کیا فائدہ؟ زمین ہی کھود لیتے تو بہتر تھا کہ اس سے پانی نکلنے کی امید تھی مگر حضرت موسیٰ نے اپنے عصا کو پتھر پر مارا اور اللہ تعالی نے اس سے چشمے جاری فرما دیئے۔ عقل کھڑی دیکھتی رہ گئی۔

حضرت موسیٰ کا اللہ تعالی پر یقین:

موسیٰ جا رہے ہیں۔ ایک اسرائیلی اور فرعونی دست و گریبان ہیں۔ فرعونی ناحق اسرائیلی پر ظلم کر رہا ہے۔ انہوں نے اسرائیلی کو چھڑانے کیلئے فرعونی کو پنچ مارا، نبی کی طاقت چالیس مردوں کے برابر ہوتی ہے۔ فَوَكَزَهُ مُوْسٰى فَقَضٰى عَلَيْهِ مکا لگتے ہی فرعونی مر گیا اور دوسرا بھاگ گیا۔ ان کی قوم کا وہی بندہ اگلے دن کسی اور سے لڑ رہا تھا۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا، کل تو اس سے لڑتا تھا آج اس سے لڑتا ہے لگتا ہے تو ہی شرارتی ہے۔ وہ تو کل کا منظر دیکھ چکا تھا کہ موسیٰ کے مکے نے ہمیشہ کیلئے ایک آدمی کو موت کی نیند سلا دیا تھا۔ کہنے لگا، تو مجھ کو بھی قتل کرنا چاہتا ہے۔ اس طرح قوم کو قبطی کے قتل کا پتہ چل گیا۔ فرعون کو بھی خبر مل گئی کہ اس آدمی کو موسیٰ نے قتل کیا ہے۔ چنانچہ فرعون نے اپنی اسمبلی کا اجلاس بلا لیا اور

ارکان اسمبلی سے مشورہ کرنے لگا کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ سب نے کہا کہ اس کو قتل کردو۔ ان میں سے ایک بندہ موسیٰؑ کے حق میں مخلص تھا۔ وہ شارٹ کٹ راستے سے بھاگتا ہوا آیا اور کہا کہ امراء نے طے کرلیا ہے کہ آپ کو قتل کردیا جائے۔ آپ یہاں سے کسی اور جگہ تشریف لے جائیں۔ فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَّتَرَقَّبُ موسیٰؑ وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔ خوف تھا دل میں، طبعی خوف کا ہونا نبی کی شان کے خلاف نہیں ہوتا۔ پیچھے مڑکر دیکھتے ہیں کہ کہیں فرعون کی فوج آنہ جائے۔ دل میں کہہ رہے تھے رَبِّ نَجِّنِيْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ اے میرے پروردگار! مجھے ظالموں کی قوم سے نجات عطا فرما۔ اس خوف میں کس کو پکارا؟ کہ اے اللہ میری ضروریات کو پورا کرنے والے میرے اوپر خوف ہے تو اس کو امن میں تبدیل کردے۔

حضرت موسیٰؑ کی شادی کا واقعہ:

اس کے بعد مدین کی طرف چلے جاتے ہیں۔ وہاں ایک بڑا کنواں تھا۔ اس پر بھاری پتھر رکھا جاتا تھا۔ جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ لوگ بکریوں کو پانی پلا رہے ہیں۔ دو لڑکیاں دور کھڑی ہیں۔ ان سے پوچھا، تم اپنی بکریوں کو پانی کیوں نہیں پلاتیں۔ کہنے لگیں، ہم نہیں پلا سکتیں جب تک کہ یہ پلا کر چلے نہ جائیں۔ موسیٰؑ سمجھ گئے کہ ادھر بھی اونچ نیچ ہے۔ عدل و انصاف کی زندگی یہاں بھی نہیں ہے۔ جب وہ پتھر رکھ کر چلے گئے تو موسیٰؑ آئے اور اتنے بھاری پتھر کو ایک طرف الٹ دیا۔ ان کی ساری بکریوں کو پانی پلا دیا۔ اس کے بعد دونوں لڑکیاں اپنے گھر چلی گئیں۔

حضرت موسیٰؑ اکیلے کھڑے ہیں۔ نہ گھر ہے نہ در، درخت کے نیچے آتے ہیں اور کہتے ہیں رَبِّ اِنِّيْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَيَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ اے میرے پروردگار! تو جو کچھ خیر نازل کرے میں اس کا محتاج ہوں۔ کس لفظ سے دعا مانگی؟ رب کے لفظ سے۔ اللہ تعالی نے دعا قبول فرمائی۔ اب گھر کا انتظام بھی ہو رہا ہے، بیوی کا بھی انتظام ہو رہا ہے۔ جب یہ گھر گئیں تو حضرت شعیب علیہ السلام نے دیکھا کہ بکریاں خوب سیر ہو کر آئی ہیں تو وجہ پوچھی۔ بچیوں نے بتایا کہ ہم نے ایک آدمی کو دیکھا ہے۔ قَوِيٌّ اَمِيْنٌ بڑا طاقت والا ہے۔ اور بڑا

امانت والا ہے۔ فرمایا کہ اسے میرے پاس لے آؤ۔ چنانچہ لڑکی واپس آئی کہ میرے اباجان آپ کو بلا رہے ہیں۔ حضرت موسیٰؑ اس لڑکی کے ساتھ جاتے ہیں۔ تفسیر میں لکھا ہے کہ موسیٰؑ نے لڑکی سے کہا، میں راستہ نہیں جانتا لیکن تو اگر میرے آگے چلے گی تو ممکن ہے کہ تیرے قدموں پر میری نظر پڑ جائے، میں یہ بھی پسند نہیں کرتا۔ تو میرے پیچھے چل اور میں تیرے آگے چلوں گا، اگر میں غلط راستے سے جانے لگوں تو مجھے پیچھے سے بتا دینا۔ اللہ کے نبی کا عمل دیکھیں۔ یہ ہے نبی کی عصمت۔ سبحان اللہ

جب حضرت شعیبؑ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے اپنی بیٹی کے ساتھ ان کا نکاح کر دیا۔ اللہ نے گھر بھی دے دیا اور گھر والی بھی دے دی۔

انبیائے کرامؑ نے کس نام سے دعائیں کیں:

انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام نے دعائیں مانگیں تو رب کے لفظ سے ہی مانگیں۔

حضرت آدمؑ دعا مانگتے ہیں:

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَ اِنْ لَمْ تَغْفِرْلَنَا وَ تَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ○

حضرت نوح علیہ السلام دعا مانگتے ہیں:

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا

حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا مانگتے ہیں:

رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ۔ وَيَسِّرْلِيْ اَمْرِيْ۔ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ

حضرت ابراهیم علیہ السلام دعا مانگتے ہیں:

رَبَّنَا اِنِّيْ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ

ہمارے سردار ﷺ نے دعا مانگی تو رب کے لفظ سے:

رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

ہمیں کس طرح مانگنا سکھایا گیا؟: ہمیں اسی لفظ کے ساتھ دعا مانگنی سکھائی گئی ہے کہ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا (اے ہمارے پروردگار! ہماری پکڑ نہ کرنا اگر ہم بھول جائیں یا خطا کر بیٹھیں) رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا (اے ہمارے پروردگار! ہمارے اوپر اس طرح بوجھ نہ ڈالنا جس طرح کہ ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا) رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ (اے ہمارے پروردگار ہم پر اتنا بوجھ نہ ڈالنا کہ ہم اٹھا ہی نہ سکیں) وَاعْفُ عَنَّا (ہمیں معاف فرما دینا) وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا (ہماری مغفرت بھی کر دینا رحمتیں بھی برسا دینا) اَنْتَ مَوْلٰنَا (کیونکہ تو ہی ہمارا مولا ہے) فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ (باطل کے خلاف ہماری مدد فرما)

میدان جہاد میں جہاں جان کی بازی لگی ہوتی ہے۔ مومن اپنی جان کا نذرانہ پیش کر رہا ہوتا ہے۔ اس وقت بھی دعا مانگتا ہے تو کس لفظ کے ساتھ وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ کن لوگوں نے قتال کیا؟ رب والوں نے قتال کیا۔ پھر دعا مانگتے ہیں۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ اِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ بیوی بچوں کیلئے دعا مانگنے کا کیا طریقہ سکھایا؟ فرمایا بچوں کیلئے دعا مانگو' رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا سبحان اللہ۔ ہر ہر قدم پر رب کا لفظ کام آ رہا ہے۔

قبر و حشر اور جنت و دوزخ میں رب کا لفظ: موت کے تذکرہ پر رب کا لفظ استعمال کیا' فرمایا وَالْتَفَّتِ السَّاقُ بِالسَّاقِ اِلٰى رَبِّكَ يَوْمَئِذِنِ الْمَسَاقُ ○ جب بندہ قبر میں چلا جائے گا تو سب سے پہلا سوال ہوگا؟ مَنْ رَّبُّكَ تیرا رب کون ہے؟ تجھے پالنے پوسنے والا کون ہے؟ تیری ضرورتیں پوری کرنے والا کون ہے؟ اسی طرح قیامت کے دن کھڑے ہونے کے وقت بھی رب کا لفظ استعمال فرمایا۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ

عَظِیۡمٌ

جنت میں بھی رب کا لفظ' جنت میں جارہے ہیں وہاں بھی رب کا لفظ وَسِیۡقَ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا رَبَّہُمۡ اِلَی الۡجَنَّۃِ زُمَرًا جہنم میں بھی لوگ پکار کر کہیں گے رَبَّنَا غَلَبَتۡ عَلَیۡنَا شِقۡوَتُنَا وَ کُنَّا قَوۡمًا ضَآلِّیۡنَ ۝ رَبَّنَاۤ اَخۡرِجۡنَا مِنۡہَا فَاِنۡ عُدۡنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوۡنَ ۝ اللہ اکبر۔ گویا عالم ارواح سے لیکر عالم دنیا۔ عالم برزخ اور عالم آخرت ہر جگہ پر رب کا لفظ استعمال کیا گیا۔ اسی طرح قرآن کی ابتدا بھی رب کے لفظ سے مثلاً اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ اور قرآن پاک کا اختتام بھی رب کے لفظ سے مثلاً قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ پس رب کا لفظ ہماری زندگیوں کے ہر پہلو پر چھایا ہوا ہے۔ اس لفظ کی حقیقت کو پہنچاننا ہمارے لئے ضروری ہے۔

تصوف و سلوک کا مقصد: میرے دوستو! جب یہ حالت ہے کہ ہم عالم ارواح میں بھی اللہ کے محتاج تھے' ماں کے پیٹ میں بھی اللہ کے محتاج تھے' دنیا میں بھی ہر قسم کی خوشی غمی میں اللہ کے محتاج ہیں' قبر میں بھی اللہ کے محتاج ہوں گے' حشر میں بھی اللہ کے محتاج ہونگے حتی کہ جنت میں بھی اللہ کے محتاج ہونگے اور جہنم والے بھی اللہ ہی کو پکار رہے ہوں گے تو ہم آج ہی اس ذات کے محتاج کیوں نہیں بن جاتے؟ ہم اس در پر آج ہی کیوں نہیں جھک جاتے۔ اگر یہ بات سمجھ میں آجائے تو پھر زندگی کا رخ بدل جائے گا۔ تصوف و سلوک کا مقصد ہی یہی ہے کہ بندہ کے دل میں یہ یقین پیدا ہو جائے کہ اشیاء سے میری ضرورتیں پوری نہیں ہو سکتیں بلکہ اللہ پوری کرنے والا ہے۔

تین اہم باتیں: میرے دوستو اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں۔ وَمَا مِنۡ دَآبَّۃٍ فِی الۡاَرۡضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزۡقُہَا اور جو بھی ذی روح ہے زمین کے اوپر مگر اس کا رزق اللہ ہی کے ذمہ ہے۔ جو اللہ پر توکل کرتے ہیں اللہ تعالی ان کو ہمیشہ کا رزق عطا فرمادیتے ہیں:

پلے رزق نہیں بنھدے پکھو تے درویش
جنہاں تکیہ رب دا انہاں رزق ہمیش

اللہ پر توکل کرنے والے ایسے ہی کھاتے ہیں جیسے پرندے بغیر مشقت اٹھانے کے کھاتے ہیں۔ انسان کی جب روح ماں کے پیٹ میں ہی ڈالی جاتی ہے تو اس وقت تین باتیں لکھ دی جاتی ہیں۔ ایک یہ لکھ دیا جاتا ہے کہ یہ دنیا میں کتنا عرصہ زندہ رہے گا' دوسرا یہ لکھ دیا جاتا ہے کہ اس کا رزق کتنا ہوگا اور تیسرا یہ لکھ دیا جاتا ہے کہ یہ نیک بخت ہوگا یا بد بخت ہوگا۔

ایک چیونٹی کا سالانہ رزق:

حضرت سلیمان علیہ السلام ایک دفعہ کہیں جا رہے تھے۔ ایک چیونٹی نے دوسری چیونٹی سے کہا' یَا اَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسَاكِنَكُمْ اے چیونٹیو! اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ۔ سلیمان علیہ السلام کا لشکر آ رہا ہے کہیں تمہیں پاؤں میں مسل نہ دے۔ فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِنْ قَوْلِهَا سلیمانؑ نے اس کی بات سنی تو مسکرائے۔ اس کو بلایا اور پوچھا' اے چیونٹی! تیری خوراک کتنی ہوتی ہے؟ اس نے کہا' ایک سال میں پانی کے چند قطرے اور گندم کے چند دانے۔ سلیمانؑ نے کہا' اچھا میں تمہارا امتحان لیتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے اسے ایک جگہ بند کر دیا۔ اور گندم کے چند دانے اور چند قطرے پانی کے رکھ دیئے۔ سال کے بعد جب نکالا تو دیکھا کہ چیونٹی نے جتنا کہا تھا اس سے بھی تھوڑا کھایا تھا۔ حضرت سلیمانؑ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا' اے چیونٹی! تو مجھ سے مانگ جو کچھ مانگ سکتی ہے۔ ان کی سلطنت انسانوں پر تھی' حیوانوں پر تھی' چرندوں پہ تھی' پرندوں پر تھی' جنوں پر تھی' خشکی کی مخلوق پر تھی' تری کی مخلوق پر تھی۔ کیا عجیب سلطنت تھی! چیونٹی نے جواب دیا کہ اے سلیمانؑ! اگر آپ کچھ دے سکتے ہیں زِدْنِیْ رِزْقاً وَ عُمُرًا آپ میرا رزق بڑھا دیں اور میری عمر بڑھا دیں۔ سلیمانؑ نے فرمایا' یہ تو میرے بس میں نہیں' یہ تو اللہ رب العزت کے ہاتھ میں ہے' وہی چاہتا ہے تو رزق بھی بڑھا دیتا ہے اور عمر بھی بڑھا دیتا ہے۔

بند پتھر میں روزی:

ہمارے ایک دوست سیر کے لئے سوات تشریف لے گئے۔ بیوی بچے بھی ساتھ تھے۔ ایک پہاڑ پر انہوں نے ایک خوبصورت اور گول شکل کا چمکدار پتھر دیکھا۔ انہوں نے اٹھا کر دیکھا تو بہت ہی شفاف اور ملائم تھا۔ رنگ

بھی خوبصورت تھا۔ بچوں نے اصرار کیا کہ وہ پتھر گھر لے چلیں۔ والد نے بھی سوچا چلو ڈیکوریشن کے کام آئے گا۔ سفر کی یادگار سہی۔ لے ہی چلتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے وہ پتھر لا کر گھر میں سجا دیا۔ دو سال بعد وہی صاحب ایک دن اس پتھر کو اپنے ہاتھ میں لے کر کہنے لگے۔ یا اللہ! تو نے یہ کیسا خوبصورت پتھر بنا دیا ہے۔ اس دوران میں وہ پتھر ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ نیچے فرش پر گرتے ہی ٹوٹ گیا۔ ایک لمحہ کیلئے انہیں افسوس تو ہوا مگر ساتھ ہی یہ دیکھ کر حیرانی ہوئی کہ پتھر کے عین درمیان میں ایک سوراخ تھا جس میں سے ایک کیڑا نکلا اور چلنے لگا۔ اب بتائیں کہ بند پتھروں میں کیڑوں کو کون روزی دیتا ہے؟ یقیناً اللہ تعالیٰ دیتا ہے پس سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

ایک متوکل وکیل کی سبق آموز داستان:

اب میں آپ کو ایک ایسا واقعہ سناتا ہوں جس سے ساری بات آسانی سے سمجھ میں آجائے گی۔ ہمارے ایک دوست وکالت کا کام کرتے تھے۔ وکالت ایک ایسا پیشہ ہے کہ جس میں عموماً دنیا جہان کے جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔ ایک شاعر نے تو یہاں تک کہہ دیا۔

پیدا ہوئے وکیل تو شیطان نے کہا
لو آج ہم بھی صاحب اولاد ہو گئے

مگر یقین کیجئے کہ انہوں نے وکالت کا کام بھی جاری رکھا اور اپنی زندگی کا رخ بھی بدل لیا۔ ان کی بیوی لیڈی ڈاکٹر تھی۔ جب وکیل صاحب کی اہل اللہ سے نسبت ہوئی تو اللہ نے دل کی حالت بدل دی۔ کہنے لگے میں نے آج کے بعد جھوٹ نہیں بولنا۔ میرا اللہ مجھے سچ بولنے پر ہی روزی دے گا۔ لوگوں نے کہا' آپ کا دماغ ٹھیک تو ہے؟ سچ بولنے سے وکالت نہیں چلے گی۔ انہوں نے کہا چلے گی یا نہیں چلے گی مگر سچ ضرور چلے گا۔ اب تو میں نے دل میں فیصلہ کر لیا ہے۔ چنانچہ وکیل ایک دن دفتر آئے اور کہنے لگے' میں نے آج صرف وہ مقدمے لینے ہیں جو سچے ہوں گے۔ لوگوں سے کہہ دیا کہ اگر آپ جھوٹے ہو تو مجھے ابھی بتا دیں وگرنہ سماعت کے دوران اگر مجھے پتہ چل گیا تو میں آپ کی مخالفت کروں گا۔ اگر سچ ہو

گا تو ڈٹ کر آپ کی حمایت کروں گا۔ لوگوں نے کہا اللہ کی پناہ! چنانچہ سب کے سب دوسرے وکلاء کے پاس چلے گئے۔ وکیل صاحب کا دفتر خالی۔ سارا دن کوئی کام نہیں آ رہا۔ اسی حالت میں کئی مہینے گزر گئے۔ لوگوں میں چرچا ہونے لگ گیا۔ کسی نے مجنون کہا، کسی نے پاگل کہا، کسی نے بیوقوف کہا۔ کسی نے کہا مولویوں نے اس کی مت مار دی ہے، اچھا خاصا وکیل تھا انہوں نے بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ وہ اللہ کا بندہ پکا سچا تھا۔ کہتا تھا کہ مجھے جھوٹ بول کر روزی نہیں لینی۔ اللہ کی ذات مجھے سچ بولنے پر ہی روزی دے گی۔ ایک سال گزر گیا مگر کوئی کام نہ آیا۔ چونکہ بیوی لیڈی ڈاکٹر تھی اسکی تنخواہ سے گھر کا خرچہ چلتا رہا۔ بیوی بہت سمجھدار تھی۔ ایک دن وکیل صاحب سے کہنے لگی، جب آپ جھوٹ بولنا چھوڑ چکے ہیں تو آپ وکالت کو خیرباد کہیں اور تجارت کا پیشہ اختیار کرلیں۔ آپ سچ ہی بولیں، اللہ اسی میں برکت دے گا۔ وکیل صاحب نے کہا نہیں، بولنا بھی سچ ہے اور کرنی بھی وکالت ہے۔ بیوی نے کہا، اچھی بات ہے۔ میری دعائیں اور میرا تعاون آپ کے ساتھ ہے اللہ تعالی آپ کو کامیاب فرمائے۔ وکیل صاحب ایک سال تک گھر سے دفتر آتے اور سارا دن پنکھے کے نیچے بیٹھ کر اخبار پڑھتے اور گھر واپس چلے جاتے۔ ایک دفعہ ججوں کے سامنے تذکرہ ہو گیا کہ فلاں وکیل جھوٹے مقدمے نہیں لیتا۔ غربت برداشت کر رہا ہے اور کہتا ہے کہ مرجاؤں گا مگر سچ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ سب جج صاحبان اس بات سے بڑے متاثر ہوئے۔

وقت کے ساتھ ساتھ ان کی عزت لوگوں کے دلوں میں پیدا ہونا شروع ہو گئی۔ وہ کہنے لگے کہ ایک سال امتحان کا تھا۔ دوسرا سال شروع ہوا تو تبلیغی جماعت والے، تصوف و سلوک والے، مدرسوں والے لوگوں نے سوچا کہ یار فلاں وکیل سچے مقدمے لیتا ہے۔ ہمارے مقدمے سچے ہیں، پیسہ ہمارے پلے نہیں، تھوڑا بہت دے دیں گے، ان کا بھی گذارا ہو جائے گا۔ چنانچہ وہ آنا شروع ہو گئے۔ جو بھی آتا سچا مقدمہ لے کر آتا۔ وکیل صاحب مقدمہ لے کر عدالت میں جاتے اور ان کے حق میں فیصلہ ہو جاتا۔ دوسرا مقدمہ آیا، ان کے حق میں فیصلہ ہوا۔ تیسرا مقدمہ آیا ان کے حق میں فیصلہ ہوا۔ چند دن گزرے تو جج صاحبان آپس میں ملے اور کہنے لگے کہ یہ وکیل جو بھی مقدمے لاتا ہے وہ سچے ہوتے ہیں اس لئے

اب اس سے زیادہ سوال ہی نہ کیا کرو۔ چنانچہ وکیل صاحب مقدمہ لے کر جاتے تو چند منٹ کے اندر اندر ان کے حق میں فیصلہ ہو جاتا۔ بڑے بڑے امیروں نے سوچا کہ ہمارے مقدمے سچے ہی ہیں تو پھر کیوں نہ ہم مقدمہ اسی کو دیں۔ جب وہ آنا شروع ہوئے تو پیسے زیادہ ملنے لگے۔ جب وکیل صاحب جھوٹ سچ بولتے تھے تو ایک مہینہ کا بیس ہزار روپیہ کماتے تھے اور جب سچ بولنا شروع کیا تو ایک ماہ میں چالیس ہزار کمانے لگے۔

سچ بولنے پر اللہ نے دوگنا رزق دے دیا۔ ابھی کچھ دن پہلے کی بات ہے کہ چند وکیلوں کا جج بننے کیلئے امتحان ہوا تو ہمارے اس دوست وکیل کو کامیابی ہوئی اور وہ جج بن گئے۔ ایک وقت تھا کہ وہی آدمی ایک وکیل کی جگہ کھڑے ہو کر جھوٹ بولتا تھا۔ جب سچ بولنا شروع کیا تو اللہ نے اس کو عدالت کی کرسی پر بیٹھا دیا۔ پہلے وہ کھڑا سر سر کہہ رہا ہوتا تھا' اب اللہ نے عدالت کی Chair (کرسی) پر بٹھا دیا۔ اب وہاں پر بیٹھ کر Order (حکم نامے) جاری کرتا ہے۔ میرے دوستو! یہ بات ثابت ہو گئی کہ جو سچ بولے گا' اللہ اسے فرش سے اٹھا کر عرش پر بٹھا دے گا۔

میرے دوستو! یقین بنانے کی ضرورت ہے۔ اگر اللہ تعالی پر توکل نصیب ہو جائے تو نہ زمینوں کے جھگڑے باقی رہیں گے' نہ دفتروں میں رشوت رہے گی نہ دکانوں میں ملاوٹ رہے گی نہ جھوٹ بول کر کمانا رہے گا' نہ دھوکے سے کمانا رہے گا۔ یہ چیزیں تو Automatically (خود بخود) ختم ہو جائیں گی۔ ہماری عدالتوں میں مقدمے ختم ہو جائیں گے' یہ ویران نظر آئیں گی۔

اہل دنیا کیلئے چیلنج:

میرے دوستو! ہم تمام چیزوں سے اپنی نگاہوں کو ہٹا کر ایک اللہ کی ذات پر لگالیں۔ آج ماں سے پوچھیں کہ تمہارا بیٹا کیا بنے گا؟ کہتی ہے جی ڈاکٹر بنے گا' انجینئر بنے گا' پائلٹ بنے گا۔ ہے کوئی ماں جو یہ کہے کہ میرا بیٹا مفسر بنے گا' محدث بنے گا۔ میرا بیٹا دین کا مجاہد بنے گا؟۔ میں آپ سے ایک سوال کرتا ہوں۔ کان کھول کر سننا۔ پھر نہ کہنا کہ کسی نے کوئی بات سمجھائی نہیں تھی۔ منبر رسول ؐ پر بیٹھا ہوں۔ اللہ کی کتاب میرے ہاتھ میں ہے' اللہ کے گھر میں بیٹھا ہوں۔ مجھے ایک بات بتائیں۔ آپ

نے کبھی دیکھا ہے کہ کوئی آدمی جو عالم باعمل ہو اور وہ بھوکا پیاسا ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر رہا ہو؟ جبکہ پی ایچ ڈی کرنے والے، انجینئرنگ کی ڈگری لینے والے کئی ایسے ہیں جن کو بھوکے پیاسے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرتے ہوئے دیکھا گیا ہے۔ ہمارا بیٹا عالم بنے گا تو اللہ رب العزت وہاں سے رزق دیں گے جہاں سے اپنے انبیاء علیہم السلام کو رزق دیا کرتے تھے۔ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (جو اللہ تعالیٰ پر توکل کرتا ہے تو اللہ اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے)

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○

عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْد!.

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

مَنْ يُطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ وَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ مَقَامٍ آخَرَ "وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا ○" وَ قَالَ اللّٰهُ فِيْ مَقَامٍ آخَرَ "اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ○" وَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ مَقَامٍ آخَرَ "اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ" وَ قَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَ وَلَدِهٖ وَ النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ○ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَ سَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○

تذکرہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: آج کی اس محفل میں ربیع الاول کے مہینے کے حوالے سے سید الاولین والآخرین رحمت اللعالمین محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق و محبت کے بارے میں چند باتیں عرض کرنی ہیں۔ بزرگوں کا مقولہ ہے "مَنْ اَحَبَّ شَيْئًا اَكْثَرَ ذِكْرَهٗ (جو جس چیز سے محبت کرتا ہے اکثر اس کا تذکرہ کرتا ہے)۔ تو یہ آج کی چند باتیں اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر مبارک تو خود اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بار بار کیا۔ جس ذات مبارک پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے خود قسمیں کھائیں' ان کی زلفوں کی (وَالضُّحٰى وَالَّيْلِ)' ان کی عمر کی (لَعَمْرُكَ) اور ان کے شہر کی (لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ) اور ارشاد فرمایا کہ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (ہم نے آپ کا ذکر بلند کردیا) تو میں ایک عاجز بندہ اس پر کیا عرض کرسکتا ہوں۔ ان کا تو مقام ایسا ہے کہ ادب سے زبان گنگ ہو جاتی ہے کہنے والوں نے تو یہاں تک کہا کہ:

ہزار بار بشویم دہن مشک و گلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

تاہم کسی بھی غلام کیلئے اپنے آقا کا ذکر مبارک کرنا ایک سعادت ہوتی ہے اور ان سعادت مندوں کی فہرست میں شمولیت کی ہر مومن کے دل میں تمنا ہوتی ہے۔ اسی تمنا کو دل میں لیے آج اس عنوان پر چند باتیں کرنی ہیں۔

عظمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم: دنیا میں بڑے بڑے رہنما' جرنیل' فلاسفر اور خطیب گزرے۔ ان سب کی زندگیوں کا مطالعہ کیا جائے تو ایک بات سب میں یکساں نظر آتی ہے کہ ان کی وفات کے بعد لوگوں نے کہا کہ مرحوم نے بہت کچھ کیا مگر زندگی نے وفا نہ کی اگر زندگی وفا کرتی تو وہ اس فن کو اور عروج پر پہنچاتے۔ بڑے بڑے شعراء گزرے' ان کی وفات کے بعد بھی لوگوں نے لکھا کہ فلاں نے بڑے اچھے شعر کہے' اگر زندگی وفا کرتی تو وہ اور اچھے شعر کہہ لیتا۔ بڑے بڑے جرنیلوں کی زندگیوں کو پڑھا اس میں بھی نظر آتا ہے کہ لوگوں نے لکھا کہ اگر وہ اتنے سال اور زندہ رہتا تو وہ پوری دنیا کا فاتح بن جاتا۔ گویا فلاسفر' ادیبوں' جرنیلوں اور خطیبوں کی زندگیوں کو دیکھا جائے تو یہ تمام زندگیاں نامکمل نظر آتی ہیں۔ لوگ کہتے ہیں کہ اگر زندگی وفا کرتی تو وہ اپنے اندر اور کمالات پیدا کر لیتے۔ محترم سامعین! پوری کائنات کے اندر صرف ایک ہستی ایسی ہے کہ جس نے اپنے ہوش و حواس میں' دن کے وقت میں' اپنے متعلقین کی محفل میں کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا کہ اے لوگو! دنیا میں جس مقصد کے لئے مجھے بھیجا گیا تھا میں اس مقصد کو پورا کر چکا ہوں ۔ لوگوں نے کہا کہ آپ نے سچ فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلی کا اشارہ کرتے ہوئے فرمایا' اے اللہ! تو گواہ رہنا۔ یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا کمال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کمال میں کوئی اور شریک ہو ہی نہیں سکتا۔ ایسی کمال والی زندگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالی نے عطا فرمائی تھی۔ ہم نے یورپ' افریقہ اور امریکہ میں لوگوں کے سامنے یہی پوائنٹ رکھا کہ لوگو! تم اپنی زندگی میں جن کو لیڈر مانتے ہو' ان کی زندگیوں میں ایسے ایسے نقائص ہیں لیکن جن کو

ہم اپنی زندگی میں رہنما مانتے ہیں تم ان کی پوری زندگی میں کسی ایک بات پر بھی انگلی نہیں اٹھا سکتے۔ یہ ایک ایسا مضبوط نکتہ ہے کہ بڑے سے بڑے مخالف کو بھی گھٹنے ٹیکنے پڑ جاتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کی زندگی کا ہر پہلو ایک عنوان ہے۔ کتابیں بھرتی چلی جائیں گی مگر کسی ایک عنوان کا حق ادا نہ ہو گا۔ امت چودہ سو سال سے اپنے محبوب ؐ کی سیرت پر کتابیں لکھ رہی ہے مگر آج تک بھی کوئی یہ نہ کہہ پایا کہ ہم نے اس سیرت کو لکھنے کا حق ادا کر دیا بلکہ یہی کہا:

لا یمکن الثناء کما کان حقہٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اور یہ بھی لکھا بعض لکھنے والوں نے بہت کچھ لکھنے کے بعد

ما ان مدحت محمدا بمقالتی ولکن مدحت مقالتی بمحمد O

حب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: نبی اکرم ﷺ کے ساتھ محبت و عشق رکھنے والے حضرات تو اس دنیا میں کروڑوں گزرے ہیں۔ ہر وہ آدمی جس نے کلمہ پڑھا اس کے دل میں نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی سچی محبت کا ہونا ضروری ہے۔

محمد ؐ کی محبت دین حق کی شرط اول ہے
اگر اس میں رہے خامی تو ایمان نامکمل ہے

حضرت مرزا مظہر جان جاناں ؒ، اللہ کے ایک بڑے ولی گزرے ہیں۔ انہوں نے فارسی میں درج ذیل اشعار لکھے:

خدا در انتظار حمد ما نیست
محمد ؐ چشم براہ ثنا نیست

اللہ تعالی ہماری حمد کے انتظار میں نہیں ہے۔ اور محمد ﷺ ہماری تعریف کے منتظر نہیں ہیں

خدا مدح آفرین مصطفیٰ ؐ بس
محمد ؐ حامد حمد خدا بس

اللہ تعالی حضور ﷺ کی مدح کیلئے کافی ہیں اور محمد ﷺ اللہ تعالی کی حمد بیان کرنے کیلئے کافی ہیں

مناجاتے اگر باید بیاں کرد
بہ بیتے ہم قناعت می تواں کرد
محمد از تو می خواہم خدارا
خدایا از تو عشق مصطفیٰ را

فرماتے ہیں کہ تم نے اپنی کوئی درخواست پیش بھی کرنی ہے تو ایک شعر کے ذریعے پیش کر دو کہ اے اللہ! ہم آپ سے رسول اللہ ﷺ کی محبت مانگتے ہیں اور اے اللہ کے نبی ﷺ! ہم آپ ﷺ سے اللہ تعالی کا تعلق چاہتے ہیں۔ لہٰذا عشق مصطفیٰ ﷺ تو ایمان والوں کیلئے سرمایۂ حیات ہے:

ہر کہ عشق مصطفیٰ سامان اوست
بحر و بر گوشہ دامان اوست

عشق کی یہ باتیں سب ایسی ہیں کہ مستقل عنوان ہیں۔ تاہم چند باتیں عشق و محبت کی جو ہر سالک کے لیے ضروری ہیں تاکہ جو سالکین ذکر و سلوک میں قدم آگے بڑھانے والے ہیں وہ ان اکابرین کی باتوں کو سامنے رکھ کر اپنے آپ کو بھی دیکھیں کہ کیا آج اس عشق کی کوئی رمق ہمارے اندر بھی موجود ہے۔ کتنا حصہ اس کا ہمیں حاصل ہے اور کتنا ہمیں مزید حاصل کرنے کی ضرورت ہے۔

سراپائے رسول ﷺ: نبی ﷺ کے سراپا مبارک کے بارے میں کتابوں میں بہت سی تفصیلات آئی ہیں۔ ابن مسلمہ ؒ ایک تابعی ہیں۔ وہ ایک صحابی ؓ کے پاس بیٹھے ہیں۔ ان سے پوچھتے ہیں کہ آپ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے بارے میں کچھ ہمیں بتائیے! تو انہوں نے بڑی محبت سے آپ ﷺ کا سراپا بیان فرمایا.... کہ آپ ﷺ کی پیشانی مبارک بڑی دلفریب تھی۔ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک اتنا کشادہ تھا جس پر سرخی اور سفیدی تھی۔ آپ ﷺ کی بھویں مبارک بہت دیدہ زیب تھیں۔ آپ ﷺ کا سینہ مبارک بڑا کشادہ تھا۔ دونوں مونڈھوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔ دونوں ہتھیلیاں

پر گوشت تھیں۔ آپ ؐ کا جسم مبارک اتنا نرم تھا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اپنی زندگی میں ریشم کو بھی چھوا اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم اطہر کو بھی اور میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ میرے محبوب ؐ کا جسم مبارک ریشم سے بھی زیادہ نرم تھا۔ تو وہ فرماتے ہیں کہ جب نبی علیہ السلام اٹھتے تو یوں محسوس ہوتا کہ جیسے چٹان کے پیچھے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نکل آئے ہوں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلتے تو یوں محسوس ہوتا جیسے اونچائی سے نیچے کی طرف آرہے ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ میرے بھائی یوسف ؑ تو صبیح تھے اور میں ملیح ہوں۔ "صباحت" چہرے پر سفیدی اگر غالب ہو تو اس کو کہتے ہیں۔ اور "ملاحت" اس کو کہتے ہیں جب صورت کو دیکھا جائے تو نقش ایسے ہوں کہ دیکھتے ہی دل میں اثر کرے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں ملیح ہوں۔ اور آپ ؐ کے حسن و جمال کی کیا باتیں کرنی ہیں۔ بقول سعدیؒ:

بَلَغَ الْعُلٰی بِکَمَالِہٖ كَشَفَ الدُّجٰی بِجَمَالِہٖ
حَسُنَتْ جَمِيْعُ خِصَالِہٖ صَلُّوا عَلَيْهِ وَاٰلِہٖ

لعاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لعاب مبارک میں اتنی تاثیر تھی کہ خیبر کے دن حضرت علی رضی اللہ عنہ کی آنکھیں دکھ رہی تھیں۔ آپ ؐ نے اپنا لعاب مبارک ان کی آنکھوں پر لگایا، آنکھیں ٹھیک ہو گئیں۔

عتبہ بن خرقد رضی اللہ عنہ جو فاتح موصل کہے جاتے ہیں۔ ان کے جسم پر دانے نکل آئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لعاب مبارک لگا دیا، دانوں کو بھی شفاء ہو گئی اور پوری زندگی ان کے جسم سے ایسی خوشبو آتی رہی کہ دوسرے صحابہ ؓ ان کے جسم سے اس خوشبو کو سونگھا کرتے تھے۔

پسینۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پسینہ مبارک میں اتنی خوشبو تھی کہ جب کبھی صحابہ کرام ؓ آپ ؐ کو تلاش کرنے کیلئے نکلتے تو فرماتے تھے کہ ہم راستے کی خوشبو سونگھ کر اندازہ لگاتے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس راستے سے گزرے ہوں گے۔ ایک صحابیہ ؓ اپنے بچے کو ایک شیشی دے کر بھیجیں کہ دوپہر کے وقت جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قیلولہ کریں تو وہ آپ ﷺ کے بدن مبارک پر جو پسینہ آئے اس کے قطروں کو اکٹھا کر کے اس شیشی میں ڈال لے۔ وہ فرماتی ہیں کہ جس عطر میں میں وہ پسینہ شامل کر دیتی اس کی خوشبو میں اضافہ ہو جایا کرتا تھا۔

ایک غریب صحابیؓ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنی بیٹی کی شادی کیلئے دعا کروائی۔ نبی اکرم ﷺ نے دعا فرما دی اور اس کو کہا کہ آپ کے پاس دلہن کے لیے خوشبو تو نہیں ہوگی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اپنے پسینہ مبارک کے چند قطرے عطا فرمادیئے۔ وہ لے کر گئے تو سب گھر والوں نے اسے استعمال کیا۔ ان سب گھر والوں سے اتنی خوشبو آتی تھی کہ اس گھر کا نام "بیت المو تیبین" (خوشبو والوں کا گھر) مشہور ہو گیا۔

لمس رسول ﷺ: عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ جو ایک جلیل القدر بدری صحابی ہیں، فرماتے ہیں کہ ایک دن میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کے ہاں ایک دعوت پر حاضر ہوا۔ ایک باندی میرے لیے ایک تولیہ لائی تولیہ کافی میلا تھا۔ حضرت انس ؓ نے کہا کہ اس کو صاف کر کے لے آؤ۔ وہ باندی بھاگی گئی اور جلتے تندور میں اس تولیے کو ڈالا اور اٹھا کر واپس لے آئی۔ میں نے دیکھا کہ وہ تولیہ بالکل صاف ستھرا میرے سامنے تھا۔ مجھے حیرانگی ہوئی میں نے حضرت انس ؓ سے پوچھا کہ اس میں کیا راز ہے۔ انہوں نے بتایا کہ ایک مرتبہ نبی اکرم ﷺ میرے ہاں تشریف لائے تھے۔ میں نے آپ ﷺ کے ہاتھ مبارک دھلوائے اور آپ ﷺ کو ہاتھ خشک کرنے کیلئے یہ تولیہ پیش کیا جس سے آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ مبارک خشک کیے، اس دن سے آگ نے اس تولیے کو جلانا چھوڑ دیا۔ جب یہ میلا ہو جاتا ہے ہم اسے آگ میں ڈالتے ہیں آگ اس میل کو تو کھالیتی ہے۔ صاف تولیہ ہم آگ سے باہر نکال لیتے ہیں۔

سیدہ فاطمہ الزہراء رضی اللہ عنہا نے روٹیاں لگائیں۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے بھی ایک دو بنا کر دیں۔ کافی دیر کے بعد جب سب لگ گئیں تو حیران ہوئیں کہ اس میں سے ایک دو پک ہی نہیں رہیں، اسی طرح آٹے کا آٹا موجود ہے۔ نبی ﷺ نے پوچھا، بیٹا! کیا ہوا؟ عرض کیا، حضور ؐ! دو تین روٹیاں ایسی ہیں جو پک نہیں رہیں۔ فرمایا، ہاں یہ وہی

روٹیاں ہوں گی جن پر تیرے والد کے ہاتھ لگ گئے اب آگ اس آٹے پر اثر نہیں کر سکتی۔ تو نبی علیہ السلام جس چیز کو چھو لیتے تھے اس پر یوں اثرات ہو جاتے تھے۔

لوگ کھجوروں کے درخت لگاتے تھے، کئی کئی سالوں کے بعد پھل آیا کرتا تھا لیکن جب نبی اکرم ﷺ نے درخت لگائے تو اسی سال کھجور نے پھل اٹھا لیا۔ آپ ﷺ کے لمس مبارک کے اس طرح اثرات ہوتے تھے۔ ایک صحابی حضرت زید جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ غزوہ ذات الذکا کے اندر جا رہے تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے دیکھا کہ ان کا اونٹ بہت سست رفتاری سے چل رہا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنا عصا مبارک اس اونٹ کو لگایا۔ عصا لگاتے ہی اونٹ اتنا سرپٹ دوڑنے لگا کہ وہ دوسری سواریوں سے آگے بڑھ جایا کرتا تھا۔

ام عمارہ رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ ہیں۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر جب نبی اکرم ﷺ نے اپنے موئے مبارک تقسیم فرمائے تو ام عمارہؓ کو بھی عطا ہوئے۔ وہ ان کو پانی میں ڈال کر نکالتیں اور وہ پانی بیماروں کو پلاتی تھیں تو اللہ ان کو شفا عطا فرما دیتے تھے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اپنی ٹوپی میں چند موئے مبارک لگا رکھے تھے اور فرماتے تھے کہ میں جس طرف بھی وہ ٹوپی پہن کر جاتا تھا اللہ تعالیٰ مجھے ہر مقام پر فتح عطا کر دیا کرتے تھے۔ سبحان اللہ

تاجدار مدینہ ﷺ کی نسبی عفت و عصمت: آپ ﷺ نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام سے لے کر میرے آباء و اجداد تک نطفہ حلال طریقہ سے ایک جگہ سے دوسری جگہ Transfer (منتقل) ہوتا رہا۔ آپ ؐ سے لے کر حضرت آدمؑ تک ایک بھی رشتہ ایسا نہیں جو غلط طریقہ سے پرورش پایا ہو۔

نبوت کی بہترین دلیل: اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو ایسی زندگی عطا فرمائی کہ وہ لوگ جو آپ ﷺ کی جان کے دشمن تھے ان کی زبان سے بھی نکلا کہ ہم نے آپ ﷺ کو جھوٹ بولتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا لیکن وہی لوگ جو آپ ﷺ کو صادق اور امین کہتے تھے (مکہ مکرمہ کے حالات اس وقت انتہائی ناگفتہ بہ تھے)، آپ ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا تو لوگوں نے کہا کہ آپ ﷺ اپنی نبوت کے بارے میں

کوئی دلیل دیجئے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے اعلان فرمایا لَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُراً مِنْ قَبْلِهِ (میں اس سے پہلے بھی تمہارے ہی درمیان زندگی گزار چکا ہوں)۔ اگر میری جوانی تمہیں پھولوں سے زیادہ معصوم نظر آتی ہے تو میری نبوت پر ایمان لے آؤ۔ سبحان اللہ! یہ بہت بڑی بات ہوتی ہے کہ انسان اپنے ماضی کی زندگی اور خاص طور پر اپنی جوانی کو نمونہ کے طور پر پیش کر دے۔ کسی کو بھی انگلی اٹھانے کی جرات نہ ہوئی۔ دشمن آپ کے خلاف یوں تو کہتے رہے کہ آپ (معاذاللہ) جادوگر ہیں' یہ تو کہتے رہے کہ آپ نے یہ دعویٰ (معاذاللہ) جھوٹا کیا ہے مگر یہ کوئی بھی نہ کہہ سکا کہ آپ کے کردار میں فلاں خرابی ہے۔

میرا قائد ہے وہ زندگی پیغام تھا جس کا
صداقت ذات تھی جس کی امانت نام تھا جس کا
وہ رفتہ رفتہ جس نے قوم کو منزل عطا کر دی
کلی آغاز تھا جس کا چمن انجام تھا جس کا

حضور ﷺ نے جب دعویٰ نبوت فرمایا تو لوگ نہیں جانتے تھے کہ یہ دین مستقبل قریب میں بہت بڑا باغ بننے والا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا "میں اپنے باپ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا' عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی ماں آمنہ رضی اللہ عنہا کا خواب ہوں"۔ حضرت ابراہیمؑ نے دعا مانگی تھی' حضرت عیسیٰؑ نے بشارت دی تھی اور بی بی آمنہ رضی اللہ عنہا نے خواب دیکھا تھا کہ میرے بدن سے ایک نور نکلا جو پوری دنیا میں پھیل گیا۔

حضرت محمد ﷺ رحمت ہی رحمت

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں' وَمَا أَرْسَلْنٰكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِينَ اے پیارے! ہم نے آپ کو رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ آپ دنیا کی ہر مخلوق کیلئے رحمت ثابت ہوئے۔

انسانوں کیلئے رحمت: آپ ﷺ کی رحمت سے انسانوں نے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ آپ نے دعا فرمائی' اے اللہ! میرے بعد میری امت پر کوئی

ایسا عذاب نہ آئے کہ ان کی شکلوں کو تبدیل کر دیا جائے۔ اللہ نے دعا قبول فرمالی۔ آج جو ہم اپنی شکلوں پہ زندہ ہیں یہ رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں کا صدقہ ہے وگرنہ پہلی امتوں کی طرح پکڑ ہوتی تو سینکڑوں میں سے کوئی ایک ہوتا جو اپنی اصلی شکل پر باقی رہتا۔

جانوروں کیلئے رحمت: نبی اکرم ﷺ کی رحمت سے جانوروں نے بھی رحمت پائی۔ ایک مرتبہ ایک باغ میں تشریف لے گئے تو ایک اونٹ بلبلاتا ہوا آپؐ کے قدموں میں آیا۔ آپؐ نے اس کے مالک کو بلا کر فرمایا کہ یہ بے زبان جانور ہے، تمہیں چاہئے کہ اس کے ساتھ نرمی برتو، یہ شکوہ کر رہا ہے کہ تم اس سے کام زیادہ لیتے ہو اور اسے چارہ تھوڑا دیتے ہو۔ سبحان اللہ، جانور بھی آپؐ کی خدمت میں آکر اپنی تکالیف بیان کرتے تھے۔

حضور ﷺ ایک دفعہ مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لے جارہے تھے۔ ایک یہودی نے ہرنی پکڑی ہوئی تھی۔ آپؐ جب قریب سے گزرے تو اس ہرنی نے آپؐ سے کہا، اے اللہ کے نبی ﷺ! مجھے اس نے پکڑ لیا ہے، اس سامنے والے پہاڑ میں میرا بچہ ہے اور اس کو دودھ پلانے کا وقت ہو گیا ہے، مجھے دیر ہو رہی ہے، میری مامتا جوش مار رہی ہے کہ میں اسے دودھ پلالوں۔ آپؐ مجھے تھوڑی دیر کیلئے آزاد کرادیجئے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کی بات سنی تو یہودی سے کہا، تھوڑی دیر کیلئے اسے آزاد کردو، یہ دودھ پلا کر واپس آجائے گی۔ اس نے کہا، بڑی مشکل سے اسے پکڑا ہے، کیا آپ ﷺ اس کے ذمہ دار بنتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا کہ میں اس کی ذمہ داری قبول کرتا ہوں۔ چنانچہ ہرنی کو چھوڑا گیا، وہ اسی وقت چھلانگیں مارتی ہوئی پہاڑی کی طرف گئی، آپؐ ابھی وہیں تھے کہ وہ دوبارہ بھاگتی ہوئی واپس آگئی۔ یہودی ہرنی کی اس اطاعت کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ چنانچہ اس نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔

عورتوں کیلئے رحمت: آپ ﷺ کی رحمت سے عورتوں نے بھی فائدہ اٹھایا۔ آپ سوچیں گے، وہ کیسے؟ دیکھیں، حضور ﷺ کے تشریف لانے سے پہلے اس معاشرے میں عورت کی کیا وقعت تھی؟ لوگ اپنے گھر میں بیٹی کی پیدائش کو برا

سمجھتے تھے اور انہیں زندہ درگور کر دیتے تھے۔ باپ بیٹی کو محبت اور پیار کی نظر سے نہیں دیکھا کرتا تھا مگر جناب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو فرمایا! جس شخص کے ہاں دو بیٹیاں ہوں اور وہ ان کی پرورش کرے حتی کہ ان کا نکاح کر دے تو وہ شخص جنت میں میرے ساتھ ایسے ہو گا جیسے یہ دو انگلیاں ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔ اس حدیث مبارکہ کے پڑھنے کے بعد بھلا کوئی مومن اپنی بیٹی کو حقارت کی نظر سے دیکھ سکتا ہے؟ نہیں' بلکہ وہ سمجھے گا کہ میرے لئے تو جنت کا دروازہ کھل گیا۔

سیدنا رسول اللہ ﷺ کے آنے سے پہلے بیویوں کے ساتھ نہایت ظلم کی زندگی گزاری جاتی تھی۔ آپ ﷺ تشریف لائے تو آیات اتر آئیں وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (اور تم ان سے معروف طریقے سے زندگی گزارو)۔ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو)۔ ایک آدمی لباس کے بغیر ننگا ہوتا ہے اسی طرح اگر تم ازدواجی زندگی نہیں گزارو گے تو تمہاری زندگی بھی ہر وقت خطرے میں ہو گی۔

بوڑھوں کیلئے رحمت: آپ ﷺ کے تشریف لانے سے بوڑھوں کو بھی عزت ملی۔ اس وقت بوڑھوں کی کوئی عزت نہیں کرتا تھا۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا' جس نے کسی ایسے شخص کی عزت کی جس کے بال اسلام میں سفید ہو گئے ہوں تو یہ ایسے ہی ہے جیسے اس نے اپنے اللہ تعالی کی عزت کی۔

مزدوروں کیلئے رحمت: ایک صحابی رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے مصافحہ کرتے ہیں۔ آپ ؐ نے دیکھا کہ ہاتھ بہت سخت ہیں۔ وجہ پوچھی تو عرض کیا' اے اللہ کے نبی ﷺ! میں پہاڑ پر رہتا ہوں' وہاں پر پتھر توڑ کر اپنی زندگی گذارتا ہوں۔ آپ ؐ نے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا اَلْكَاسِبُ حَبِيْبُ اللّٰهِ (ہاتھ سے کمانے والا اللہ کا دوست ہے)۔ مزدوروں کو بھی عزت ملی۔

بچوں کیلئے رحمت: حضور ﷺ کے صدقے چھوٹوں کو عزت ملی۔ فرمایا' جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ گویا چھوٹوں

نے بھی حضور ﷺ کی رحمت سے حصہ پایا۔

فرشتوں کیلئے رحمت: نبی اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ جبرئیل ؑ سے پوچھا، جبرئیل ! کیا آپ کو بھی میری رحمت سے حصہ ملا؟ عرض کیا، جی ہاں۔ آپ ؐ کی تشریف آوری سے پہلے مجھے اپنے انجام کے بارے میں ڈر لگا رہتا تھا۔ آپ ؐ تشریف لائے تو آیات اتریں اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۝ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ پس مجھے اپنے انجام کے بارے میں تسلی نصیب ہو گئی۔

دشمنوں کیلئے رحمت: نبی اکرم ﷺ نے جب مکہ فتح کیا تو آپ ؐ قریش مکہ سے ان کی ایذا رسانیوں کا بدلہ چکا سکتے تھے مگر آپ ؐ نے ارشاد فرمایا، میں وہی کرونگا جو میرے بھائی یوسف ؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ۔ پس آپ ﷺ دشمنوں کیلئے رحمت ثابت ہوئے۔

جو عاصی کو کملی میں اپنی چھپالے — جو دشمن کو بھی زخم کھا کر دعا دے
اسے اور کیا نام دے گا زمانہ — وہ رحمت نہیں ہے تو پھر اور کیا ہے

پس نبی اکرم ؐ کی رحمت اللعالمین ذات سے محبت کرنا ایمان کی علامت ہے۔

پتھروں کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی گواہی دینا: ایک دفعہ آپ ﷺ کے پاس ابو جہل آیا، اس کی مٹھی میں کنکریاں تھیں۔ کہنے لگا، اگر آپ ﷺ یہ بتادیں کہ میرے ہاتھ میں کیا ہے تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ آپ ؐ نے اس کے ہاتھ کی طرف اشارہ فرمایا تو کنکریوں نے کلمہ پڑھنا شروع کر دیا۔ مگر افسوس کہ اس کا دل پتھر سے بھی زیادہ سخت تھا اسی لئے وعدے سے مکر گیا۔

ایک پتھر ایسا تھا کہ جب آپ ﷺ اس کے قریب سے گزرتے تو وہ آپ ﷺ کو دیکھ کر سلام کیا کرتا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں اس پتھر کو جانتا ہوں جو مجھے نبوت سے پہلے بھی سلام کرتا تھا اور آج بھی مجھے سلام کرتا ہے۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت: نبی اکرم ﷺ کے جانثاروں کو آپ ؐ سے بے

پناہ محبت تھی۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں، اے زلیخا! تو نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو انگلیاں کاٹ ڈالیں، اگر میرے محمد ﷺ کو دیکھتی تو دل کے ٹکڑے کر دیتی۔

حسن رسول ﷺ کے سامنے چاند کی حیثیت: ایک صحابی رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کی زیارت کیلئے حاضر ہوئے۔

چودھویں کی رات تھی، چاند اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ روشن تھا۔ کچھ ایسا رخ بنتا تھا کہ سامنے ہی رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے اور اوپر آسمان پر چاند نظر آ رہا تھا۔ نظر کبھی آپ ﷺ کے رخ انور پر پڑتی اور کبھی چاند پر پڑتی۔ پھر آپ کے والضحیٰ والے چہرے پر پڑتی اور پھر چاند پر پڑتی۔ بہت دیر تک وہ چاند کو بھی دیکھتے رہے اور رسول اللہ ﷺ کے رخ انور کو بھی دیکھتے رہے۔ بالآخر انہوں نے فیصلہ کیا کہ اے چاند! تیرے حسن و جمال سے میرے پیارے پیغمبر ﷺ کا حسن و جمال زیادہ ہے:

چاند سے تشبیہ دینا یہ کہاں انصاف ہے
چاند پر ہیں چھائیاں مدنی کا چہرہ صاف ہے

سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا عشق رسول ﷺ: ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا اپنے گھر میں موجود ہیں کہ آپ کے والد جو اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے کسی کام کیلئے مدینہ طیبہ آئے۔ سوچا کہ چلو میں اپنی بیٹی کو ملتا جاؤں۔ ان کے گھر آئے، جب بیٹھنے لگے تو چارپائی کے اوپر بستر بچھا ہوا تھا۔ سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے دوڑ کر بستر کو جلدی سے لپیٹ دیا۔ کہنے لگی، آپ میرے والد ہیں، اس میں یقیناً کوئی شک نہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ بستر اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر ﷺ کا ہے اس لئے میں کسی کافر اور مشرک کا اس بستر پر بیٹھنا گوارا نہیں کر سکتی۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا عشق رسول ﷺ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی اکرم ﷺ کے عشاق تھے اور ان میں سے پہلا نمبر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا تھا۔ حافظ ابن حجرؒ نقل کرتے ہیں کہ ایک محفل میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے تین چیزیں بہت محبوب ہیں: خوشبو، نیک بیوی اور میری

آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فوراً بول اٹھے' اے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم مجھے بھی تین چیزیں بہت محبوب ہیں۔ آپ ؐ کے چہرہ انور کو دیکھتے رہنا' دوسرا آپ ؐ پر اپنا مال خرچ کرنا اور تیسرا یہ کہ میری بیٹی آپ ؐ کے نکاح میں ہے۔ اب ذرا ان تینوں باتوں کا اندازہ لگائیے کہ ان کا مرکز اور محور کون بنتا ہے؟ وہ ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس۔

جب ہجرت کا حکم ہوا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے۔ حضرت ابوبکرؓ کے دروازے پر دستک دی تو وہ فوراً حاضر ہوئے۔ آپ ؐ نے حیران ہو کر پوچھا' اے ابوبکرؓ! کیا آپ جاگ رہے تھے؟ عرض کیا' جی ہاں کچھ عرصہ سے میرا دل محسوس کر رہا تھا کہ عنقریب آپ ؐ کو ہجرت کا حکم ہوگا تو آپ ؐ ضرور مجھے اپنے ساتھ لے جانے کا شرف عطا فرمائیں گے۔ پس میں نے اس دن سے رات کو سونا چھوڑ دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ ؐ تشریف لائیں اور مجھے جاگنے میں دیر ہو جائے۔

جنگ تبوک کے موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ جہاد کے لئے اپنا مال پیش کرو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے گھر کا آدھا مال لے آتے ہیں اور دل میں سوچتے رہے کہ آج میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اس نیکی میں بڑھ جاؤں گا۔ لیکن جب صدیق اکبرؓ آئے' تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا' اے ابوبکرؓ! آپ اپنے پیچھے بیوی بچوں کیلئے کیا چھوڑ آئے ہیں؟ عرض کیا اپنے بیوی بچوں کے لیئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔

پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس
صدیق ؓ کے لئے ہے خدا کا رسول ؐ بس

جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال مبارک ہوا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اپنا غم ان الفاظ میں ظاہر کیا۔

لَمَّا رَاَیْتُ نَبِیَّنَا مُنْجَدِلاً ضَاقَتْ عَلَیَّ بِمَرَضِهِنَّ الاو
فَارْتَاعَ قَلْبِیْ عِنْدَ ذٰلِكَ لِهَلْكِهٖ وَالْعَظْمُ مِنِّیْ مَا حَیِیْتُ کَسِیْر
یَالَیْتَنِیْ مِنْ قَبْلُ لِهَلْكَ صَاحِبِیْ غُیِّبْتُ فِیْ حَدَثٍ عَلَیَّ صُخُوْرُ

یعنی جب میں نے اپنے نبی ﷺ کو وفات یافتہ دیکھا تو مکانات اپنی وسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہو گئے۔ اس وقت آپ ﷺ کی وفات پر میرا دل لرز اٹھا اور زندگی بھر میری کمر ٹوٹی رہے گی۔ کاش! میں اپنے آقاؐ کے انتقال سے پہلے قبر میں دفن کر دیا گیا ہوتا اور مجھ پر پتھر ہوتے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

نبی اکرم ﷺ اس دنیا سے پردہ فرماتے ہیں مگر سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ یقین ہی نہیں کرتے کہ میرے محبوب ﷺ جدائی کا داغ میرے سینے میں چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ چنانچہ تلوار اٹھالی اور کہنے لگے کہ جس کی زبان سے نکلے گا کہ نبی اکرم ﷺ فوت ہو گئے' میں اس کا سر تن سے جدا کر دوں گا۔ اتنی محبت تھی کہ محبوبؐ کے بارے میں ایسی بات سننا بھی گوارا نہیں کرتے تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کا دل عشق نبوی ﷺ سے سرشار تھا۔ ایک مرتبہ آپ نے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں عرض کیا' یا رسول اللہ ﷺ! اپنے دوستوں سمیت میرے گھر تشریف لائیں۔ جب آپؐ جانے لگے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پیچھے پیچھے چل رہے تھے اور آپؐ کے قدم مبارک گنتے جا رہے تھے۔ آپؐ نے پوچھا کہ' عثمان! میرے قدم کیوں گن رہے ہو؟ عرض کیا' میں چاہتا ہوں کہ جتنے قدم آپؐ میرے گھر تک چلیں میں اتنے غلام آزاد کر دوں۔

صلح حدیبیہ کا واقعہ بڑا مشہور ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنا سفیر بنا کر مکہ مکرمہ بھیجا۔ مشرکین نے حضرت عثمان غنیؓ سے کہا کہ آپ تو مکہ مکرمہ آچکے ہیں اگر چاہیں تو طواف کر لیں مگر ہم محمد ﷺ اور ان کے دوسرے ساتھیوں کو اجازت نہیں دیں گے۔ لیکن آپ کے عشق نے گوارا نہ کیا اور فرمایا مَا كُنْتَ لَا فْعَلُ حَتّٰى يَطُوْفَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یعنی جب تک میرے محبوبؐ طواف نہ کریں میں ہرگز طواف نہ کروں گا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت پر جانے لگے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنے بستر پر سلا دیا۔ سیدنا علیؓ بے خوف ہو کر نبی اکرمؐ کے بستر پر سو گئے۔ حالانکہ معلوم تھا کہ دشمن باہر اسی بستر کی تاک میں کھڑے ہیں مگر عشق نے ان خطرات کی بالکل کوئی پرواہ نہ کی۔

ایک مرتبہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کو کوئی ضرورت پیش آئی۔ حضرت علیؓ کو اس کا پتہ چلا تو آپؓ کسی کام کی تلاش میں گھر سے نکلے تاکہ کچھ لا کر آپؐ کی خدمت میں پیش کر سکیں۔ چنانچہ ایک یہودی کے باغ میں پہنچے اور اس سے کنویں سے ایک ڈول پانی نکالنے کے بدلے ایک کھجور بطور اجرت طے کی۔ حضرت علیؓ نے سترہ ڈول پانی کے نکالے اور سترہ کھجوریں (عجوہ) لے لیں۔ کھجوریں لے کر خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچے۔ آپؐ کے پوچھنے پر تفصیل بتادی کہ یہ کھجوریں اس طرح مزدوری کر کے لایا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر پوچھا' کیا تجھے اس کام کے لئے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عشق نے آمادہ کیا یا کسی اور چیز نے؟ عرض کیا' جی ہاں اللہ تعالی اور اس کے رسولؐ کی محبت نے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت علیؓ کو آپؐ نے حکم دیا کہ صلح نامہ لکھیں۔ حضور اکرمؐ خود صلح نامہ لکھوا رہے تھے۔ جس وقت فرماتے ہیں کہ لکھیں' هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (یہ وہ معاہدہ ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا) تو مشرکین بگڑ گئے اور کہنے لگے کہ اگر ہم آپؐ کو رسول مان لیتے تو جھگڑا کس بات کا تھا۔ اس لئے محمد رسول اللہ کی بجائے محمد ابن عبداللہ لکھو۔ مگر حضرت علیؓ آپؐ کا نام مٹانے کیلئے ہرگز تیار نہ ہوئے۔ وہ کیسے اس نام کو مٹاتے کہ جس کی برکت سے دنیا میں ہدایت کا نور پھیلا تھا۔

حضرت حسان بن ثابتؓ کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم:

حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو شاعر رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ وہ عالم عشق و مستی میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں اشعار لکھتے تھے۔ فرماتے ہیں:

وَ اَحْسَنُ مِنْکَ لَمْ تَرَقَطُّ عَیْنِیْ
وَ اَجْمَلُ مِنْکَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّاً مِنْ کُلِّ عَیْبٍ
فَکَاَنَّکَ قَدْ خُلِقْتَ کَمَا تَشَاءُ

اے رسول ﷺ! آپ ﷺ اتنے حسین و جمیل ہیں کہ کسی آنکھ نے ایسا دیکھا ہی نہیں' ایسا خوبصورت بیٹا کسی ماں نے جنا ہی نہیں۔ آپ ﷺ تو ایسے پیدا ہوئے ہیں کہ جیسے آپ ﷺ کو آپ ﷺ کی مرضی کے مطابق پیدا کیا گیا ہو۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا عشق رسول ﷺ:

جنگ خندق کے دوران حضور ﷺ نے ضرورت محسوس کی کہ کسی طرح دشمنوں کا پروگرام معلوم کیا جائے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ قریب ہی موجود تھے مگر ان کے پاس کوئی ہتھیار تھا اور نہ ہی سردی سے بچنے کیلئے کوئی بڑی چادر تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا' جائیں اور دشمنوں کے خیموں سے جاکر ان کی خبر لائیں۔ حضرت حذیفہؓ نے آقاؐ کے حکم پر سردی کی کوئی پرواہ نہ کی اور تیار ہو گئے۔ حضور ﷺ نے دعا دے کر روانہ فرمایا۔ حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ کی دعا سے میرا خوف اور سردی بالکل دور ہو گئی۔ جی ہاں یہ عشق تھا جس نے دل میں رسول اللہ ﷺ کی تابعداری کا ایسا جذبہ پیدا کر دیا۔

ایک صحابیہؓ کا عشق رسول ﷺ:

جنگ احد کے دوران مدینہ منورہ میں خبر پھیل گئی کہ حضور اکرم ﷺ شہید ہو گئے۔ اس خبر کے پھیلتے ہی مدینہ میں کہرام مچ گیا۔ عورتیں روتی ہوئی گھروں سے باہر نکل آئیں۔ ایک انصاریہ عورت نے کہا کہ جب تک اس کی خود تصدیق نہ کرلوں میں اسے تسلیم نہیں کروں گی۔ چنانچہ وہ ایک سواری پر بیٹھی اور اپنی سواری کو اس پہاڑ کی طرف بھگایا۔ کافی قریب آئیں تو ایک صحابیؓ آتے ہوئے ملے ان سے پوچھتی ہیں' ما بال محمد ﷺ؟ محمد ﷺ کا کیا حال ہے؟ اس نے کہا' مجھے حضور ﷺ کا حال تو معلوم نہیں۔ البتہ میں نے دیکھا کہ تیرے بیٹے کی لاش فلاں جگہ پر پڑی ہوئی ہے۔ اس عورت کو جوان سال بیٹے کی شہادت

کی خبر ملی مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئی۔ اس ماں کے دل میں عشق رسول ﷺ نے اتنا اثر ڈالا ہوا تھا کہ بیٹے کی شہادت کی خبر سنی مگر کوئی پرواہ نہ کی۔ سواری آگے بڑھاتی ہیں۔ ایک اور صحابیؓ ملے، پوچھتی ہیں' ما بال محمد ﷺ محمد ﷺ کا کیا حال ہے؟ انہوں نے جواب دیا مجھے معلوم نہیں البتہ تیرے خاوند کی لاش فلاں جگہ پڑی ہے۔ یہ عورت پھر بھی ٹس سے مس نہ ہوئی اور آگے بڑھی۔ کسی اور سے پوچھا' ما بال محمد ﷺ محمد ﷺ کا کیا حال ہے؟۔ جواب ملا مجھے معلوم نہیں البتہ تیرے والد کی لاش فلاں جگہ پڑی ہے۔ اسی طرح بھائی کی لاش کے بارے میں بھی بتایا گیا کہ فلاں جگہ پڑی ہے مگر یہ عورت پھر بھی ٹس سے مس نہ ہوئی۔ آگے ایک صحابیؓ ملے۔ پوچھتی ہیں. ما بال محمد ﷺ محمدؐ کا کیا حال ہے؟۔ انہوں نے کہا آپؐ فلاں جگہ موجود ہیں۔ چنانچہ سواری کو ادھر بڑھاتی ہیں۔ جب وہاں پہنچیں تو حضور اکرم ﷺ کھڑے تھے۔ وہاں اپنی سواری سے نیچے اتر گئیں اور حضور ﷺ کی چادر کا ایک کونہ پکڑ کر کہا! کُلُّ مُصِیبَتٍ بَعْدَ مُحَمَّدٍ ﷺ سَهْلٌ میرے اوپر تمام مصیبتیں حضور ﷺ کے دیدار کے بعد آسان ہو گئیں۔

محبوب ﷺ کے کوچے میں رات:

نبی اکرم ﷺ رات کے وقت جب اپنے حجرہ شریف میں آرام فرما رہے ہوتے تھے تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم اپنے گھروں سے باہر نکلتے اور حضور ﷺ کے حجرہ کے پاس آکر گھنٹوں کھڑے رہتے اور سوچتے کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں ہمارے محبوب ﷺ سوئے ہوئے ہیں۔

عجب چیز ہے عشق شاہ مدینہ
یہی تو ہے عشق حقیقی کا زینہ
ہے معمور اس عشق سے جس کا سینہ
اسی کا ہے مرنا اسی کا ہے جینا

نبی اکرم ﷺ نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ جہاد کے لئے کون کون تیار ہے؟ حضرت سعد ابن وقاصؓ کھڑے ہوئے اور عرض کی' اے اللہ تعالی کے نبی ﷺ! ہم نے اپنے ہوش و حواس سے کلمہ پڑھا۔ اللہ کی قسم! اگر آپؐ حکم دیں تو ہم پہاڑوں سے کود کر

اپنی جان دے دیں' ہم آپ ﷺ کے کہنے پر سمندروں میں چھلانگ لگا دیں۔

زندگی کی آخری حسرت: احد کے میدان میں ایک صحابیؓ زخمی ہوئے' خون بہت نکل جانے کی وجہ سے قریب المرگ ہو چکے تھے۔ ایک دوسرے صحابیؓ ان کے قریب آئے اور پوچھا' آپ کو کسی چیز کی تمنا ہے؟ عرض کیا کہ ہاں۔ انہوں نے پوچھا کونسی؟ جواب ملا کہ آخری وقت میں حضور ﷺ کا دیدار کرنا چاہتا ہوں۔ انہوں نے زخمی مجاہد کو اپنے کندھے پر اٹھا لیا' اور ان کو لے کر تیزی سے اس طرف بھاگے جہاں رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے۔ آپؐ کے سامنے جا کر ان کو اتارا اور کہا ہے کہ آپ کے محبوبؐ آپ کے سامنے ہیں۔ جب نام سنا تو مجاہد کے جسم میں کیا بجلی کی لہر دوڑ گئی کہ فورا طاقت بحال ہو گئی۔ اپنے چہرے کو حضور ﷺ کی طرف کیا' دیدار کرتے ہی ان کی حالت غیر ہو گئی اور انہوں نے اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر دی۔

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے
یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

تیری معراج کہ تو لوح و قلم تک پہنچا
میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

سب سے بڑی خوشخبری: ایک صحابیؓ حضور ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کرتے ہیں' اے اللہ کے نبیؐ! میں ایک بات سے بہت پریشان ہوں کہ یہاں تو جس وقت آپؐ کی محبت ہمارے دلوں میں لہریں مارتی ہے' ہم حاضر ہو کر آپ ﷺ کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کر لیتے ہیں' جنت میں تو آپؐ بہت اعلیٰ درجوں پر ہوں گے اور ہم نیچے کے درجے میں ہوں گے۔ وہاں اگر آپؐ کی زیارت نہ ہوئی تو ہمیں جنت کا کیا لطف آئے گا؟ چنانچہ اسی وقت جبرئیلؑ آئے اور آکر اطلاع دی۔ آپؐ نے اس شخص کو بلایا اور خوشخبری دے دی' اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (آدمی اسی کے ساتھ ہو گا جس سے اس کو محبت ہو گی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں پوری زندگی میں جتنی خوشی اس حدیث سے ہوئی' کسی اور حدیث سے نہیں ہوئی کیونکہ یقین تھا کہ آخرت میں

ہمیں حضور ﷺ کا ساتھ نصیب ہو جائے گا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم حضور ﷺ سے اس طرح محبت کرتے تھے۔

عشق رسول ﷺ میں کھجور کے تنے کا رونا:

کھجور کے ایک تنے کو آپ ﷺ سے محبت تھی۔ آپ ﷺ نے جب مسجد نبوی بنائی تو اس میں منبر نہیں تھا۔ مسجد کے اندر کھجور کا ایک تنا تھا۔ اسی کے ساتھ ٹیک لگا کر آپ ﷺ خطبہ دیا کرتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد ایک صحابی تمیم داری رضی اللہ نے عرض کیا' اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر اجازت دیں تو ایک منبر بنا لیا جائے۔ آپ ؐ نے اجازت دے دی۔ چنانچہ ایک منبر بنا لیا گیا۔ اگلی دفعہ جب خطبہ دینے کا وقت آیا تو آپ ؐ منبر پر کھڑے ہو گئے۔ اور خطبہ دینا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد کھجور کے اس تنے میں سے اس طرح رونے کی آواز آنے لگی جیسے کوئی بچہ بلک بلک کر روتا ہے۔ سب لوگوں نے حیران ہو کر اس تنے کو دیکھا۔ حضور ؐ منبر سے نیچے اترے اور کھجور کے تنے کے قریب گئے۔ اس کے اوپر دست شفقت رکھا اور اس کو دلاسہ دیا۔ حدیث کی کتابوں میں لکھا ہے کہ حضور ﷺ نے اس کو گلے سے لگایا۔ تب وہ تنا اس طرح سسکیاں لیتے ہوئے چپ ہوا جیسے کوئی بچہ اپنی ماں کے سینے سے لگ کر چپ ہوتا ہے۔ کھجور کے تنے کو اتنی محبت تھی۔ اے کاش! ہمیں اپنے پیارے پیغمبر ﷺ کے ساتھ کھجور کے تنے جیسی محبت نصیب ہو جاتی۔

حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ اور عشق رسول ﷺ:

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صبح ہوتے ہی حضور ﷺ کی زیارت کرنے آجاتے تھے۔ انہوں نے قسمیں کھائی تھیں کہ ہم صبح اٹھتے ہی آپ ﷺ کی زیارت کریں گے' آپ ﷺ کی زیارت سے پہلے کسی دوسرے کا چہرہ نہیں دیکھیں گے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ آپ ﷺ کے وصال کے بعد نابینا ہونے کی دعا کرتے تھے۔

حضرت شبلیؒ کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت:

حضرت شبلیؒ ایک بزرگ گزرے ہیں۔ ان پر جب نزع کا وقت آیا تو ساتھیوں سے فرمایا مجھے وضو کروا دیں۔ ساتھیوں نے بڑی مشکل سے آپ کو وضو کرایا کیونکہ بیماری کی وجہ سے کافی کمزور ہو چکے تھے۔ وضو کے بعد خیال آیا کہ مجھ سے تو خلال رہ گیا ہے اور وہ ہے بھی سنت۔ انتہائی پریشان ہوئے۔ لہٰذا فرمایا' اب مجھے دوبارہ وضو کرائیں۔ تو ساتھیوں نے کہا' حضرت! آپ تو معذور ہیں' بیمار ہیں' حرکت سے تکلیف ہوتی ہے اس لئے رہنے دیں۔ لیکن حضرتؒ نے فرمایا' مجھ پر سکرات موت طاری ہے' عنقریب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جانے والا ہوں اور اب جب اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملوں گا تو میں یہ نہیں چاہتا کہ ایسے وضو سے چلا جاؤں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی سنت چھوٹی ہوئی ہو۔ یہ ہوتا سچا عشق۔

علمائے دیوبند اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آپ کہیں گے میاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی باتیں بتلاتے ہو' کسی بعد کے زمانے کی باتیں بتا دیتے۔ آیئے' میں آپ کو اپنے روحانی آباؤ اجداد کی زندگیوں کے حالات سناتا ہوں جو دارالعلوم دیوبند کے بانی اور فرزند تھے۔ تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ ان حضرات کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیسی محبت تھی۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کو کون نہیں جانتا کہ وہ علم کے آفتاب و ماہتاب تھے۔ ان کے پیچھے انگریز لگا ہوا ہے' چاہتا ہے کہ جان سے مار ڈالوں۔ آپ کو بھی پتہ چل گیا۔ رشتہ داروں نے کہا' حضرت! آپ کہیں چھپ جائیں تاکہ آپ بچ سکیں۔ آپؒ نے بات مان لی' لہٰذا چھپ گئے۔ ابھی تین دن ہی گزرے تھے کہ پھر باہر پھرتے نظر آئے۔ پھر کسی نے کہا جان کا معاملہ ہے' آپ کو چاہئے کہ ذرا اوجھل ہو جائیں۔ فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پر نظر ڈالی۔ مجھے پوری زندگی

میں حضور ﷺ تین دن غار میں چھپے نظر آتے ہیں۔ میں نے اس سنت پر عمل کر لیا ہے اب باہر آگیا ہوں چاہے میری جان ہی کیوں نہ چلی جائے۔

حضور ﷺ کی حدیث ہے کہ تم اپنی بیواؤں کا نکاح کر دیا کرو۔ قرآن پاک میں بھی ہے۔ حضرت مولانا قاسم نانوتوی ؒ کی ایک ہمشیرہ 90 سال کی عمر میں بیوہ ہو گئیں۔ آپ کو پتہ چلا تو آپ اس کے پاس تشریف لے گئے۔ کچھ دن گزر گئے تو پھر دوبارہ اپنی بہن کے پاس گئے اور کہنے لگے 'بہن! میں آپ کے پاس ایک بات کرنے آیا ہوں۔ بہن نے کہا بتاؤ بھائی' کیا بات ہے؟ حضرت فرمانے لگے کہ میرے آقا ﷺ کا فرمان ہے کہ تم بیواؤں کا نکاح کر دیا کرو' آپ میری اس بات کو مان لیجئے اور نکاح کر لیجئے۔ میں جانتا ہوں کہ اس عمر میں آپ کو ازدواجی زندگی کی ضرورت نہیں ہے مگر قاسم نانوتوی کو سنت پر عمل کی توفیق ہو جائے گی۔ بہن رونے لگ گئیں۔ آپ ؒ نے اپنی پگڑی کو اتارا اور بہن کے قدموں پر رکھ دیا اور کہا کہ تیری وجہ سے مجھے حضور اکرم ﷺ کی ایک سنت پر عمل کی توفیق نصیب ہو سکتی ہے۔ چنانچہ 90 سال کی عمر میں اپنی بہن کا ایک اور نکاح کر دیا۔ کیسا عشق تھا!۔

حضرت مولانا قاسم نانوتوی ؒ جب حج پر گئے تو آپ نے راستہ میں حضور ﷺ کی محبت میں کچھ اشعار لکھے۔ وہ بھی آپ کو سناتا چلوں' فرماتے ہیں:

امیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی امید ہے یہ
کہ ہو سگان مدینہ میں میرا شمار
جیوں تو ساتھ سگان حرم کے تیرے پھروں
مروں تو کھائیں مجھ کو مدینہ کے مور و مار

کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! نجات کی امیدیں تو بہت ہیں مگر سب سے بڑی امید یہ ہے کہ مدینہ کے کتوں میں میرا شمار ہو جائے۔ اگر جیوں تو مدینہ کے کتوں کے ساتھ پھرتا رہوں اور اگر مرجاؤں تو مدینہ کے کیڑے مکوڑے مجھے کھا جائیں۔ رسول ﷺ کی ایسی شدید محبت تھی دل میں۔

ایک آدمی آپ ؒ کی خدمت میں آیا۔ اس نے سبز رنگ کا جوتا پیش کر دیا۔ حضرت ؒ

نے وہ جوتا لے تو لیا مگر اس کو گھر میں رکھ دیا۔ کسی نے بعد میں پوچھا' حضرت! فلاں نے بہت اچھا جوتا دیا تھا' علاقہ میں اکثر لوگ پہنتے ہیں' خوبصورت بھی بنا ہوا تھا۔ فرمایا' میں نے جوتا لے تو لیا تھا کہ اس کی دل جوئی ہو جائے مگر پہنا اس لئے نہیں کہ دل میں سوچا کہ میرے آقا ﷺ کے روضہ اقدس کا رنگ سبز ہے اب میں اپنے پاؤں میں اس رنگ کا جوتا کیسے پہنوں۔

آپؒ حرم تشریف لے گئے۔ آپؒ بہت نازک بدن تھے۔ ایک آدمی نے دیکھا کہ آپؒ ننگے پاؤں مدینہ کی گلیوں میں چل رہے ہیں اور پاؤں کے اندر سے خون رستا چلا جا رہا ہے۔ کسی نے پوچھا حضرت جوتے پہن لیتے۔ فرمایا' ہاں پہن تو لیتا' لیکن جب میں نے سوچا کہ اس دیار میں میرے آقا ﷺ چلا کرتے تھے تو میرے دل نے گوارا نہ کیا کہ قاسم اس کے اوپر جوتوں کے ساتھ چلتا پھرے۔ کیسے دیوانے اور پروانے تھے رسول اللہ ﷺ کے۔

علمائے دیوبند کا فقید المثال عقیدہ:

علمائے دیوبند نے اپنا عقیدہ لکھا۔ ذرا دل کے کانوں سے سنیں تاکہ پتہ چل سکے کہ ان پر بہتان لگانے والے کتنی غلط فہمی کا شکار ہیں۔ علمائے دیوبند کا عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ کی قبر مبارک میں جو مٹی لگ رہی ہے۔ وہ اللہ کے عرش سے بھی افضل ہے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کا عشق رسول ﷺ:

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فقیہ وقت تھے۔ ایک آدمی حج سے واپس آیا اور وہاں سے کچھ کپڑا لایا۔ اس نے وہ کپڑا حضرتؒ کی خدمت میں پیش کیا۔ حضرتؒ نے جب اسے لیا تو اسے چوما اور اپنے سر کے اوپر رکھ لیا' جیسے بڑی عزت والی کوئی چیز ہو۔ طلباء بیٹھے ہوئے تھے' انہوں نے عرض کیا' حضرت! یہ تو فلاں ملک کا بنا ہوا کپڑا ہے' مدینہ کے لوگ خرید کر آگے فروخت کرتے ہیں۔ فرمایا میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ مدینہ کا بنا ہوا نہیں ہے' مگر میں تو اس لئے اس کی عزت کرتا ہوں کہ اسے مدینے کی ہوا لگی ہوئی ہے۔

ایک آدمی حج سے واپس آیا اور اس نے تین کھجوریں حضرت مولانا رشید احمد

گنگوہی ؒ کی خدمت میں بھیجیں۔ آپ ؒ کو جب ملیں تو آپ ؒ نے اپنی ہتھیلی پر وہ کھجوریں ایسے رکھیں جیسے دنیا کی دولت آپ کی ہتھیلی میں سمٹ آئی ہو۔ آپ نے ایک شاگرد کو بلایا اور فرمایا کہ ہمارے جو قریبی ملنے جلنے والے ہیں' ذرا ان کے ناموں کی فہرست تیار کر دینا۔ اس نے فہرست بنائی تو پچاس سے زیادہ نام ہوئے۔ فرمایا' ان تینوں کھجوروں کے ناموں کی تعداد کے برابر حصے کر دو۔ چنانچہ اتنے حصے کیے گئے۔ چھوٹے چھوٹے حصے بنے۔ فرمایا' ایک ایک حصہ میرے ایک ایک دوست کو دے دو۔ ایسے معلوم ہوتا تھا جیسے کچھ ہیرے اور موتی آپ کے ہاتھ لگ گئے ہیں جو اپنے دوستوں کو پیش کر رہے ہیں۔ ایک شاگرد نے کہا' حضرت! اتنے چھوٹے حصے سے کیا بنے گا؟ اس کی یہ بات سن کر حضرت ؒ کا رنگ سرخ ہو گیا اور فرمایا کہ مدینہ کی کھجور ہو اور تو اس کے حصے کو چھوٹا کہے۔ چنانچہ کتنے ہی دنوں تک اس سے بولنا چھوڑ دیا۔

حضرت مولانا حسین احمد مدنی ؒ کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

حضرت مولانا حسین احمد مدنی ؒ دارالعلوم دیوبند میں پڑھاتے تھے اور مشاہرہ اتنا تھا کہ مشکل سے گزارا ہوتا تھا۔ جو کچھ ملتا گھر کی ضروریات پر لگ جاتا۔ اسی وجہ سے حج بھی نہ کر سکے۔ مگر دل میں تمنا بہت تھی۔ حتی کہ کتابوں میں لکھا ہے کہ جب حج کے دن شروع ہوتے تھے تو آپ ؒ کو گھر کے اندر چین نہیں آتا تھا۔ کبھی ادھر چلے جاتے اور کبھی ادھر چلے جاتے۔ حتی کہ دستر خوان پر کھانا کھاتے ہوئے بھی جب خیال آجاتا تو کہتے' معلوم نہیں عشاق کیا کر رہے ہوں گے۔ حج پر جانے والوں کو عشاق کہتے تھے۔ یہ خیال آتے ہی کھانا چھوڑ دیتے اور آہیں بھرنے لگتے۔ اور کہتے کاش کوئی دن آئے کہ حسین احمد کو بھی اس جگہ کی زیارت نصیب ہو جائے۔

ایک دفعہ رات کو سوئے ہوئے تھے اور آنکھ کھل گئی۔ اٹھ بیٹھے' پریشانی سے نیند نہ آئی۔ اسی حالت میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر عرض کیا' اے اللہ! معلوم نہیں تیرے عاشق کیا کر رہے ہوں گے۔ کاش کہ حسین احمد کو بھی ان میں شمار فرمالیتا۔ ذوالحج کے دس دن آپ کو یہاں آرام نہیں آتا تھا۔ ' دعائیں مانگتے تھے' کڑھتے رہتے تھے۔ حتی کہ اللہ

رب العزت نے آپ کی اس محبت کو قبول فرمالیا اور آپؒ کیلئے حرم شریف کے دروازے کھلے اور اٹھارہ سال تک حضور ﷺ کے پاس بیٹھ کر حدیث پاک کا درس دیتے رہے۔ عاشق ہی ایسا کر سکتا ہے۔ کوئی اور تو نہیں کر سکتا۔

آپؒ حدیث مبارکہ کا درس دیتے وقت اس انداز سے بیٹھتے تھے کہ مواجہ شریف بالکل سامنے ہوتا تھا۔ ہم تو کہتے ہیں قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مگر جب آپؒ حدیث شریف پڑھاتے تو فرماتے' قال ھذا الرسول صلی اللہ علیہ وسلم۔ جب آپؒ تعلیم سے فارغ ہو جاتے تو اکثر لوگوں نے دیکھا کہ رات کے اندھیرے میں عشاء کے بعد یا تہجد سے پہلے اپنی داڑھی مبارک سے حضور ﷺ کے روضہ اقدس کے قریب کی جگہ کو صاف کر رہے ہوتے تھے۔ سبحان اللہ۔ اللہ ہمیں بھی ایسا عشق اور ایسا ادب نصیب فرمادے۔ کسی نے کیا خوب بات کہی:

ؔ نازاں ہے جس پہ حسن وہ حسن رسولؐ ہے
یہ کہکشاں تو آپؐ کے قدموں کی دھول ہے
اے کاروان شوق یہاں سر کے بل چلو
طیبہ کے راستے کا تو کانٹا بھی پھول ہے

عاشق کی پہچان: ارے! عاشق کی پہچان کیا ہے؟ عاشق وہ ہوتا ہے جو محبت کا دعوی کرے اور ایک ایک عمل حضور ﷺ کے حکم کے مطابق کرے۔ اگر حضور ﷺ کی ادائیں پسند نہیں ہیں تو معلوم ہوا کہ زبانی محبت ہے حقیقی نہیں ہے۔ کسی عارف نے کہا:

ؔ وہی سمجھا جائے گا شیدائے جمال مصطفیٰؐ
جس کا حال حال مصطفیٰؐ ہو جس کا قال قال مصطفیٰؐ

حضور ﷺ کا عاشق کون سمجھا جائے گا؟ جس کی باتیں حضورؐ کے حکم کے مطابق ہوں اور جس کا عمل بھی حضور ﷺ کے عمل کے مطابق ہو' سنت کے مطابق ہو۔ اللہ تعالی کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے علمائے دیوبند کی قبروں پر کہ جنہوں نے حضور ﷺ کی ایک

ایک سنت پر ڈیرے ڈالے اور حفاظت فرمائی۔

خواجہ عبدالمالک صدیقیؒ کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

ارے! حضور ﷺ کی محبت کی کیا باتیں پوچھتے ہو؟ خواجہ عبدالمالک صدیقیؒ نے کیا ہی خوب کہا ہے۔ پنجابی میں اشعار ہیں' ذرا دل کے کانوں سے سنئے گا:

ملے قطرہ عشق محمدؐ دا بئ تخت شاہی دی لوڑ نہیں
دل مست رہے وچ مستی دے بئ عقل دانائی دی لوڑ نہیں
میڈے قلب سیاہ گناہگار دے وچ تیڈی یاد دا ڈیوا بلدا رہے
دل ایں جگ' اوں جگ' قبر حشر کے بئ روشنائی دی لوڑ نہیں
کر اپنے حبیب دا عشق عطا جگ سارے توں بے نیاز چا کر
سر جھکدا رہے در تیرے اتے در در دی گدائی دی لوڑ نہیں
ایں عبد دا عرض قبول تھیوے دربار الٰہی دے اندر
لوں لوں وچ ہوئے عشق نبیؐ کے بئ آشنائی دی لوڑ نہیں

عشق نبی ﷺ کے علاوہ انہیں اور واقفیت کی ضرورت ہی نہیں ہوتی تھی۔

عشق رسول ﷺ کا ایک عجیب واقعہ:

حضور ﷺ کی محبت کا ایک اور واقعہ سنا دیتا ہوں۔ میرے آقا ﷺ کے ایک ارشاد کا مفہوم ہے کہ میں اس وقت تک جنت میں نہیں جاؤں گا جب تک کہ میری پوری امت کا حساب کتاب نہیں ہو جائے گا۔

ایک صاحب اپنے ہاتھ میں ہمیانی لئے ہوئے جا رہے ہیں۔ اس کے اندر کچھ پیسے تھے۔ ایک چور قریب سے بھاگتا ہوا ہاتھ سے وہ ہمیانی چھین کر نکل گیا۔ تھوڑی دور آگے گیا تو اس کی بینائی ختم ہو گئی۔ اس نے وہیں رونا چلانا شروع کر دیا۔ کہنے لگا' اے لوگو! میں نے فلاں جگہ پر ایک آدمی کی ہمیانی چھینی ہے' مجھے اس جگہ پر لے جاؤ تاکہ میں اس سے معافی مانگ لوں اور میری آنکھوں کی بینائی لوٹ آئے۔ جب لوگ اسے وہاں لائے تو ہمیانی کے

مالک وہاں سے جا چکے تھے۔ قریب ہی ایک حجام تھا۔ اس سے پوچھا کہ فلاں آدمی سے میں نے ہمیانی چھینی تھی تم اسے جانتے ہو؟ اس نے کہا، پہچانتا تو ہوں نمازوں کے لئے وہ آتے ہیں ہو سکتا ہے اگلی نماز کیلئے یہاں سے گزریں، اگر آئے تو میں تمہیں بتا دوں گا۔ چنانچہ اسے بٹھا دیا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہی آدمی گزرنے لگا، حجام نے کہا یہ وہی صاحب گزر رہے ہیں۔ چور اس کے قدموں میں گر کر معافی مانگنے لگا۔ اس نے کہا کہ بھائی! میں نے تو اسی وقت تجھے معاف کر دیا تھا۔ وہ بڑا حیران ہوا۔ پھر پوچھنے لگا، اسی وقت مجھے معاف کر دیا تھا؟ انہوں نے کہا ہاں، اس لئے کہ میرے دل میں خیال آیا کہ تم میری ہمیانی لے گئے ہو اور تم نے یہ ظلم کیا ہے۔ آخر قیامت کے دن یہ مقدمہ پیش ہو گا اگر پیش ہو گا تو پھر حساب کتاب ہو گا اور اس طرح میرے محبوب ﷺ کو جنت میں جانے میں اتنی دیر ہو جائے گی، چنانچہ اسی وقت میں نے تجھے معاف کر دیا تھا تاکہ نہ مقدمہ پیش ہو اور نہ حضور ﷺ کو جنت میں جانے میں دیر لگے۔

عاشق فقیر کا واقعہ: جامع مسجد دھلی کے دروازے پر ایک معذور آدمی بیٹھا بھیک مانگ رہا تھا۔ ایک انگریز وہاں مسجد کو دیکھنے کیلئے آیا۔ ہم نے بھی دیکھا کہ جامع مسجد کو انگریز دیکھنے کیلئے آتے جاتے ہیں۔ وہ انگریز بڑا عہدہ رکھتا تھا۔ جب وہ اس فقیر کے پاس سے گزرا تو اس نے سلوٹ مارا تاکہ کچھ دے جائے۔ چنانچہ اس انگریز نے اسے کچھ پیسے دے دیئے۔ انگریز باہر کھڑے ہو جاتے ہیں جوتوں کی جگہ پر، اندر داخل نہیں ہوتے۔ مسجد کے نقش و نگار اور عظمت ایسی ہوتی ہے کہ اللہ کے گھر کے سامنے ہی انہیں سکون مل جاتا ہے۔ وہ انگریز مسجد کو دیکھ کر چلا گیا۔ گھر جا کر اسے معلوم ہوا کہ جس بٹوے سے پیسے نکال کر دیئے تھے وہ بٹوا جیب میں نہیں ہے۔ پیسے بھی کافی تھے اور پتہ بھی نہیں کہ کہاں گرے ہوں گے۔ خیرات آئی گئی ہو گئی۔

ایک ہفتہ بعد پھر اسے چھٹی ہوئی۔ اس کی بیوی نے کہا کہ تم مسجد دیکھ آئے تھے مجھے بھی دکھاؤ۔ چنانچہ چھٹی والے دن وہ اپنی بیوی کو لے کر پھر مسجد دیکھنے کے لئے آیا۔ جب وہ انگریز اس معذور فقیر کے پاس سے گزرنے لگا تو وہ فقیر فوراً کھڑا ہو گیا اور اس سے

کہا' آپ پچھلی دفعہ آئے تھے' مجھے پیسے دیئے تھے اس کے بعد آپ بٹوا جیب میں ڈالنے لگے' تھوڑی دور آگے جاکر بٹوا گر گیا اور میں نے اٹھا لیا' یہ بٹوا میرے پاس آپ کی امانت ہے' یہ میں آپ کے حوالے کرتا ہوں۔ انگریز نے بٹوے کو کھول کر دیکھا تو پیسے بالکل پورے تھے۔ حیران ہو کر وہ سوچنے لگا کہ بٹوا تو دے دیتا مگر اس کے اندر کی کچھ رقم نکال سکتا تھا' مجھے امید تو یہی تھی' یہ کیا ہوا کہ سارے کے سارے پیسے مجھے من و عن واپس کر دیئے۔ اس نے اس فقیر سے پوچھا' آخر کیا بات ہے کہ تم نے کچھ بھی پیسے اپنے پاس نہ رکھے؟ وہ معذور فقیر کہنے لگا' بات یہ ہے کہ قیامت کے دن ہر آدمی اپنے نبی کے پیچھے ہوگا' جماعتوں کی صورت میں انبیائے کرام علیہم السلام کے پیچھے چل رہے ہوں گے۔ جب میں نے بٹوا اٹھایا تو میرا جی تو چاہتا تھا کہ میں اسے لے لوں مگر پھر مجھے خیال آیا کہ ہر کام اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے۔ اگر میں یہ پیسے رکھ لوں گا اور کل قیامت کے دن میں حضور ﷺ کے پیچھے کھڑا ہوں گا اور آپ حضرت عیسی علیہ السلام کے پیچھے کھڑے ہوں گے' اس وقت ایسا نہ ہو کہ آپ کے نبی میرے نبی ﷺ کو گلہ دیں کہ آپ کے امتی نے میرے امتی کے پیسے لے لیئے تھے۔ یہ سوچ کر میں نے اس میں کوئی خیانت نہ کی۔ اور آپ کے پیسے میں نے آپ کو لوٹا دیئے ہیں۔ کاش! ہمیں دہلی کے اس معذور فقیر جیسی محبت بھی حضور ﷺ سے ہو جاتی۔

قوت عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمد ﷺ سے اجالا کر دے

دل سوز سے خالی ہے، نگاہ پاک نہیں ہے
پھر اس میں عجب کیا کہ تو بیباک نہیں ہے

☆☆☆

قلب میں سوز نہیں، روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمد ﷺ کا تمہیں پاس نہیں!

سوز عشق اور کیف علم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْ آدَمَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ وَ اَشْھَدَھُمْ عَلٰی اَنْفُسِھِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْ بَلٰی شَھِدْنَا سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَ سَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○

اولاد آدم علیہ السلام کے دو گروہ: حدیث پاک میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا تو ان کی پشت پر ہاتھ مارا۔ اس ہاتھ کو ہم اپنے ہاتھ پر قیاس نہیں کر سکتے' وہ دست قدرت تھا۔ جب اللہ رب العزت نے اپنا دایاں ہاتھ ان کی پشت پر مارا تو آدم علیہ السلام کی اولاد نکل پڑی جن کے جسم بالکل انسان جیسے تھے۔ آنکھیں تھیں' زبان تھی' ساخت پوری تھی مگر جسم بالکل چھوٹے تھے۔ ان کے چہرے نورانی تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنا بایاں دست قدرت مارا تو اور اولاد نکل پڑی جو جسامت اور شکل و صورت میں تو ویسی ہی تھی مگر ان کے چہرے سیاہ تھے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے جب ان کی طرف دیکھا تو پوچھا' اے پروردگار! یہ کون ہیں؟ فرمایا گیا کہ یہ تیری اولاد ہے۔ جب اولاد کا لفظ سنا تو حضرت آدم علیہ السلام ان کی طرف دوبارہ متوجہ ہوئے۔ پہلی نگاہ اجنبیت کی تھی اور دوسری نگاہ اپنائیت کی تھی۔ جب دوبارہ نظر ڈالی تو دیکھا کہ کچھ نورانی چہروں والے اور کچھ سیاہ چہروں والے ہیں۔ چونکہ باپ کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ سب اولاد باکمال ہو۔ اس لئے جب آدم علیہ السلام نے کچھ چہروں کو نورانی دیکھا اور کچھ کو سیاہ دیکھا تو عرض کیا لَوْلَا سَوَّیْتَ یَا رَبِّی (اے میرے پروردگار! تو نے ان سب کو ایک جیسا کیوں نہ بنا دیا)۔ تو اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا' اَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ (میں نے اس بات کو پسند کیا میں پہچانا جاؤں)۔ گویا "فَرِیْقٌ فِی الْجَنَّۃِ وَ فَرِیْقٌ

فِی السَّعِیْرِ (سفید چہروں والے جنت میں اور سیاہ چہروں والے جہنم میں جائیں گے)۔ آدم علیہ السلام کی اولاد سے امتحان مقصود تھا۔ جو اس میں پاس ہونے تھے وہ سعید اور نورانی چہروں والے تھے اور جو امتحان میں فیل ہونے تھے وہ شقی اور سیاہ چہروں والے تھے۔ یہ دو طرح کی اولاد آدم تھی۔

اولاد آدم کی اللہ تعالی سے پہلی گفتگو:

اس کے بعد اللہ رب العزت نے اولاد آدم کو بھی مخاطب کر کے فرمایا۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ کَلَّمَهٗ عَیَانًا یعنی اللہ تعالی نے اولاد آدم پر بغیر پردوں کے تجلی فرمائی اور ہم کلامی کا شرف عطا فرمایا۔ اس ہم کلامی میں پوچھا" اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ " (کیا میں تمھارا پروردگار نہیں ہوں؟)۔ سب خاموش ہو گئے کیونکہ کبھی سوال نہیں پوچھا گیا تھا اس لئے حیران تھے کہ ہم سے یہ کیسا کلام ہوا؟ اس وقت معلم انسانیت سید الاولین والآخرین ﷺ نے اس کا جواب دیا "بَلٰی یَارَبِّ"۔ (اے میرے پروردگار! کیوں نہیں، آپ ہی تو ہیں)۔ جب آپ ؐ نے یہ جواب دیا تو اولاد آدم نے یہ جواب سن کر اسے دہرادیا۔ اسی لئے نبی علیہ الصلوۃ والسلام معلم انسانیت کہلاتے ہیں۔ اس وقت آپ ؐ کو نبوت مل چکی تھی۔ حدیث پاک میں آیا ہے کہ میں تو اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام ابھی پانی اور مٹی میں تھے۔

انسانیت کے لئے دو بیش بہا تحفے:

اس ہم کلامی کے موقع پر انسانوں کو دو تحفے عطا کئے گئے۔ ایک تو اللہ رب العزت نے اپنا جمال دکھا کر " سوز عشق " عطا کیا اور دوسرا سوال کر کے " کیف علم " عطا کیا۔ یہ بڑی نعمتیں ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ کوئی اور نعمتیں نہیں دیں۔ نعمتیں تو اتنی ہیں کہ انسان شمار ہی نہیں کر سکتا۔ دیکھئے! جب بارش ہوتی ہے تو بھلا کوئی آدمی بارش کے قطروں کو گن سکتا ہے؟ نہیں گن سکتا۔ کوئی سمندر کے پانی کے قطروں کو گن سکتا ہے؟ نہیں گن سکتا۔ کوئی انسان آسمان کے تمام ستاروں کو گن سکتا ہے؟ نہیں گن سکتا۔ کوئی انسان پوری دنیا کے ریت کے ذرات کو گن سکتا ہے؟ نہیں گن سکتا۔ کوئی انسان ساری دنیا کے درختوں کے پتوں کو گن

سکتا ہے؟ نہیں گن سکتا۔ سنو اور دل کے کانوں سے سنو! فقیر پھر بھی یہ کہتا ہے کہ بارش کے قطروں کو گننا ممکن ہے' سمندر کے قطروں کو گننا ممکن ہے' ساری دنیا کے ریت کے ذرات کو گننا ممکن ہے' درختوں کے پتوں کو گننا ممکن ہے' آسمان کے ستاروں کو گننا ممکن ہے مگر اللہ رب العزت کی نعمتوں کو گننا ممکن نہیں ہے۔ فرمایا وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا (اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو تم ان کو نہیں گن سکتے)۔ چنانچہ نعمتیں تو بے شمار ہیں لیکن ان میں دو بڑی نمایاں نعمتیں ہیں' ایک سوز عشق والی اور دوسری کیف علم والی۔

دل اور دماغ کی غذا:

اللہ رب العزت نے سوز عشق کے لئے دھڑکتا ہوا دل دیا اور کیف علم کے لئے پھڑکتا ہوا دماغ دیا۔ انسان کے جسم میں یہ دو برتن بنا دیئے۔ دل کی غذا عشق ہے اور دماغ کی غذا علم ہے۔ برتن بنا دیئے جاتے مگر غذا نہ دی جاتی تو یہ ناانصافی ہوتی۔ اسی لئے فرمایا لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ (اللہ تعالی اپنے بندوں پر ظالم نہیں ہے)۔ جیسے اللہ تعالی نے پیٹ لگا دیا تو اس کی ضروریات کیلئے زمین پر بھیجنے سے پہلے اس میں پھل' میوے اور غذائیں رکھ دیں اور اسے بچھونا بنا دیا۔ چنانچہ پیٹ بھرنے کے تمام انتظامات مکمل کر دیئے اسلئے کہ ایک ضرورت تھی جسے بالآخر پورا ہونا تھا۔ دل اور دماغ بھی بھوکے تھے۔ ان کو بھی غذا کی ضرورت تھی۔ اللہ تعالی نے اپنا جمال دکھا کر سوز عشق عطا فرمایا' دل کی غذا بنی اور سوال پوچھ کر کیف علم عطا فرمایا جو دماغ کی غذا بنی۔ عشق کا مقام دل ہے۔ گویا عشق کی آتش دل میں ہوتی ہے اور اس کا دھواں زبان پر تذکرہ کی صورت میں باہر نکلتا ہے۔ اس لئے دل کی غذا ذکر الہی اور دماغ کی غذا علم الہی۔

سوز عشق اور کیف علم کی حقیقت:

انسان کی زندگی تبھی کامیاب گزر سکتی ہے جب سوز عشق اور کیف علم والے دونوں پہلو متوازن ہوں گے۔ دنیا کے مفکرین نے کئی نظام بنائے مگر وہ اپنے بنانے والوں کی طرح فانی نکلے۔ وہ اپنی موت اس لئے مر گئے کہ ان میں کیف علم تو تھا مگر سوز عشق نہیں تھا۔ ڈنکے کی چوٹ پر کہا جا سکتا ہے کہ کوئی بھی نظام زندگی اس وقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا جب تک

کہ ان دونوں رنگوں سے رنگا ہوا نہ ہو۔

اللہ رب العزت نے جو نظام زندگی ہمیں عنایت فرمایا اس میں سوز عشق بھی ہے اور کیف علم بھی۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام تشریف لائے تو آپؐ نے اپنی بعثت کے دو مقاصد ارشاد فرمائے۔ ایک مقصد تو یہ بتایا کہ اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّمًا (میں معلم بن کر مبعوث ہوا ہوں)۔ یہ نہ کہا کہ میں عالم بن کر مبعوث ہوا ہوں اس لئے کہ عالم سے معلم کا رتبہ بلند ہوتا ہے۔ گویا اس حدیث میں کیف علم کی وضاحت ہے کہ میں انسانیت کو زیور علم سے آراستہ کرنے کیلئے بھیجا گیا ہوں۔ دوسری حدیث مبارکہ میں فرمایا اِنَّمَا بُعِثْتُ لاتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ (میں مکارم اخلاق کی تعلیم دینے کیلئے مبعوث کیا گیا ہوں)۔ یہ مکارم اخلاق کیا ہیں؟ انہی کا نام سوز عشق ہے۔

دیکھنا یہ ہے کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام اپنے ان مقاصد میں کس حد تک کامیاب ہوئے؟ اس سوال کے جواب کیلئے آپ ﷺ کے الوداعی خطبہ کا وہ نقشہ سامنے آجاتا ہے کہ جب آپ ﷺ نے سب کے سامنے کہہ دیا' لوگو! کیا جس مقصد کے لئے مجھے بھیجا گیا تھا میں نے اس مقصد کو پورا کر دیا ہے؟ لوگ اس بات کی شہادت دیتے ہیں اور تصدیق کرتے ہیں کہ یقیناً آپؐ نے اپنی بعثت کا مقصد پورا کر دیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا' اے اللہ! آپ گواہ رہنا کہ جس مقصد کے لئے آپ نے مجھے بھیجا تھا وہ میں نے پورا کر دیا ہے۔ کس مقصد کی تکمیل کی گواہی دیتے ہیں؟ سوز عشق کی اور کیف علم والے مقصد کی شہادت دیتے ہیں۔

دنیا کے مفکرین نے بہت کوششیں کیں' بہت محنتیں کیں لیکن ان دونوں پہلوؤں کو بیک وقت جمع نہ کر سکے۔

دعوت فکر و عمل روز نئی ملتی ہے
پھر بھی دنیا تیرے پیغام سے آگے نہ بڑھی

بہر حال آج چودہ سو سال گزرنے کے باوجود مدنی آقا ﷺ کا نظام زندگی ہی کامیاب ہے۔ جس میں کیف علم بھی ہے اور سوز عشق بھی ہے۔

دل کی فوقیت عقل پر: انبیائے کرام علیہم السلام جب دنیا میں تشریف لائے تو انہوں نے اپنی محنت کا میدان قلب کو بنایا۔ اس میں ایک خاص نکتہ ہے کہ علم کا تعلق ظاہر کے ساتھ ہوتا ہے اور عشق کا تعلق باطن کے ساتھ ہوتا ہے۔ چونکہ اللہ رب العزت کی محبت عالم غیب کا معاملہ تھا اس لئے قلب کو عقل پر مقدم کیا گیا۔ قرآن نے کہہ دیا لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَا (اے کاش! ان کے دل ہوتے جو انہیں عقل سکھاتے) کیونکہ خود عقل بھی دل کے تابع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیائے کرام تشریف لائے تو انہوں نے بھی محنت کا میدان انسان کے دلوں کو بنایا۔ یہ کہیں نہیں فرمایا کہ ہم نے عقل کو بدل کر رکھ دیا کیونکہ اس میدان میں عقل کے پاؤں لنگ ہیں۔ مشاہدہ تو دل کا کام ہے' ایمان کا تعلق دل سے ہے' غیب کا تعلق دل کے ساتھ ہے۔ ہم اللہ پر بغیر دیکھے ایمان لاتے ہیں اور اس کا تعلق عشق سے ہے' اس کا غیب سے تعلق ہے۔ علم چونکہ ظاہر سے تعلق رکھنے والی چیز ہے اس لئے دین اسلام میں قلب کو عقل پر مقدم کیا گیا۔

عشق اور علم کا باہمی تعلق: جہاں سوز عشق ضروری ہے وہاں کیف علم بھی ضروری ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ چولی دامن کا تعلق رکھتے ہیں۔ اگر فقط عشق ہو تو انسان بدعات کا مرتکب ہو جاتا ہے اور اگر فقط علم ہو تو انسان کبر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ علم عشق کو متوازن رکھتا ہے جبکہ عشق علم میں تواضع پیدا کرتا ہے۔ دونوں ضروری ہیں ایک چیز ہو گی تو بندہ مار کھا جائے گا۔

صرف عشق بدعات کا ماخذ ہے: صرف عشق ہو گا تو انسان کو بدعات میں مبتلا کر دے گا۔ اسی لئے آپ نے دیکھا ہو گا کہ جو زیادہ عشق کا دعوی کرتے ہیں' وہ کہتے ہیں "علموں بس کریں او یار" اس لئے کہ علم سے ان کا کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ بیچارے کہہ بیٹھتے ہیں "تہاڈی پنج ویلے ساڈی ہر ویلے"۔ استغفراللہ۔ یہ اندھا عشق ہی ہے جو قبروں کو سجدے کرواتا ہے۔ پیروں کی اتنی اتنی بڑی تصویریں گھروں میں لگواتا ہے اور صبح کے وقت کہلواتا ہے "بابا جی تہاڈا ای دتا کھاندے آں" ایسا کیوں؟ اس لئے کہ عشق کا کچھ حصہ ان کو ملا ہوتا ہے مگر علم سے خالی ہوتے ہیں۔ اسی وجہ سے ایسی

باتیں کرتے ہیں۔ جبکہ کامل صوفی وہ ہوتا ہے جس میں عشق بھی ہو اور علم بھی ہو۔

صرف علم تکبر پیدا کرتا ہے:

اگر فقط علم ہو تو یہ انسان کو متکبر بنا دیتا ہے حتی کہ انسان اپنے نفس کا پجاری بن جاتا ہے۔ اسی لئے اللہ رب العزت نے قرآن میں فرمایا اَفَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰاهُ (کیا دیکھا آپ نے اسے جس نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا لیا؟)۔ اور آگے کیا فرمایا' وَاَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰی عِلْمٍ (اور علم کے باوجود اللہ نے اسے گمراہ کر دیا)۔ یہاں علم کا تذکرہ اس لئے کیا کہ صرف علم ہو تو انسان کو خواہشات کا پجاری بنا دیتا ہے۔ پھر وہ بندہ اپنی مرضی کے اجتہاد کرتا پھرتا ہے۔ آپ دیکھئے! شیطان بڑا علم والا تھا۔ اللہ رب العزت نے جب حکم فرمایا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو تو فرشتوں نے سجدہ کیا مگر شیطان نے سجدہ نہ کیا۔ اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ نافرمانی کی اور تکبر کیا وَ کَانَ مِنَ الْکٰافِرِیْنَ اور کافروں میں سے ہوا۔ تو اللہ رب العزت نے شیطان سے پوچھا' سجدہ کیوں نہ کیا؟ چونکہ علم تھا لہٰذا اس نے دلائل دینے شروع کر دیئے۔ کہنے لگا اَنَا خَیْرٌ مِّنْهُ (میں اس سے بہتر ہوں) کیوں؟ اس لئے کہ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ (مجھے آگ سے پیدا کیا) اور آگ بلندی کی طرف جانے والی ہے۔ وَخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ (اور اسے آپ نے مٹی سے پیدا کیا) جبکہ مٹی میں تواضع ہے لہٰذا میں اس سے بہتر ہوں۔ ایک طرف اس نے یہ logic (دلیل) پیش کی اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے اسے راندہ درگاہ بنا دیا۔

میرے دوستو! یہ بات اپنے سینوں پر لکھ لیجئے کہ شیطان عالم تو تھا' عامل تو تھا' عابد تو تھا مگر عاشق نہ تھا جس کی وجہ سے وہ دھوکا کھا گیا۔ کاش! کہ عاشق بھی ہوتا تو پھر اسے سجدہ کرنے سے کوئی چیز پیچھے نہیں ہٹا سکتی تھی۔

اہل علم حضرات کیلئے مفید مشورہ:

اسی لئے اہل علم حضرات سے کہتے ہیں کہ آیئے! ذرا اپنے آپ کو مٹا کر تو دیکھئے۔ کسی کہنے والے نے کیا خوب کہا:

قال را بگزر مرد حال شو
پیش مرد کامل پامال شو

کہ تو اپنے قال کو کسی مرد حال کے قدموں پہ ڈال دے اور کسی کے سامنے اپنے آپ کو پامال کر دے پھر دیکھنا کہ خوش بختی کس طرح قدم چومتی ہے۔ مگر یہ بہت مشکل کام ہے۔ کیونکہ نفس بہانے ڈھونڈتا ہے' نفس حجتیں بناتا ہے' وہ اپنے اوپر پابندیاں برداشت نہیں کر سکتا حالانکہ اسی نفس کے مٹانے میں ہی انسان کی عافیت ہے۔ اسی تواضع میں انسان کی بلندی ہے۔ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَهُ اللّٰهُ (جو اپنے آپ کو اللہ کے لئے متواضع بنالیتا ہے' اللہ اس کو بلندی عطا فرما دیتے ہیں)۔

جو اہل وصف ہوتے ہیں ہمیشہ جھک کے رہتے ہیں
صراحی سرنگوں ہو کر بھرا کرتی ہے پیمانہ

صراحی سر نہ جھکائے تو کیا پیمانے کو بھر سکے گی؟ نہیں' پیمانے کو بھرنے کے لئے اسے سر جھکانا پڑے گا۔ اسی لئے کہنے والے نے کہا:

تواضع کا طریقہ سیکھ لو لوگو صراحی سے
کہ جاری فیض بھی ہے اور جھکی جاتی ہے گردن بھی

جو گردن کو جھکاتا ہے' اللہ اس کے فیض کو بڑھا دیا کرتا ہے۔ آپ بھی ذرا اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک کر دیکھئے' کسی عارف کے سامنے اپنے آپ کو پامال کر کے دیکھئے' پھر دیکھنا اللہ رب العزت کیسے قدردانی فرماتے ہیں۔ چنانچہ آگے فرمایا:

صد کتاب و صد ورق در نار کن
جان و دل را جانب دلدار کن

سو کتابوں اور سو ورقوں کو تو آگ میں ڈال دے اور جان و دل کو اپنے محبوب کے حوالے کر دے' پھر تمہیں محبوب حقیقی کے وصل کا جام نصیب ہو گا۔

مٹا دے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل و گلزار بنتا ہے

خاکی النسل بن کر رہنے کی فضیلت: انسان مٹی سے بنا ہے لہٰذا اسے خاکی النسل بن کے رہنا چاہئے۔ دیکھیں' مٹی کو اللہ نے یہ

عزت دی ہے کہ اس سے پھل پھول نکلتے ہیں، میوے اور غذائیں نکلتی ہیں، کبھی آگ سے بھی کوئی میوہ نکلا؟ نہیں کبھی نہیں۔ وہ تو الٹا میووں کو جلا دیتی ہے۔ مگر یاد رکھیں کہ مٹی کی قدر بھی اس وقت تک ہے جب تک یہ پاؤں کے نیچے ہے، جب وہ پاؤں کے نیچے سے نکلی اور کپڑوں پر پڑی تو ہر بندہ اسے جھٹک دے گا۔ کوئی بھی کپڑوں پہ مٹی لگی برداشت نہیں کرتا۔ آنکھوں میں پڑی تو ہر بندہ مسل کر نکال دے گا۔ اگر کسی چیز پر پڑی تو کہیں گے کہ اس کو یہاں سے جھاڑ دو۔ تو پاؤں کے نیچے سے اوپر گئی تو اس کی بیقدری ہوئی۔ جس طرح مٹی اڑ کر اپنی حیثیت سے بڑھنے کی کوشش کرتی ہے تو ہر بندہ اس سے نفرت کرنے لگ جاتا ہے۔ اسی طرح اگر انسان اپنی اوقات سے بڑھنے کی کوشش کرے گا تو اسے بھی معاشرہ میں عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جائیگا۔ ہمیں اللہ رب العزت نے خاکی النسل بنایا ہے اور تواضع ہماری سرشت میں رکھ دی ہے، اس لئے ہم متواضع بن کر رہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا:

زمیں کی طرح جس نے عاجزی و انکساری کی
خدا کی رحمتوں نے اس کو ڈھانپا آسماں ہو کر

آتشی النسل بن کر رہنے کی مذمت:

اس کے برعکس آگ کو دیکھئے، کہیں بھی ذرا آگ لگے تو ہر بندہ یہ کہے گا، بھاگو بھاگو! اس کمبخت کو بجھاؤ۔ گویا آگ کا اوپر اٹھنا کوئی بھی پسند نہیں کرتا۔ مگر کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں جو خاکی النسل بن کر رہنے کی بجائے آتشی النسل بن کر رہتے ہیں۔

ایک صاحب کسی آدمی کے پاس گئے، کہنے لگے "حضرت! تھوڑی سی آگ چاہئے۔ اس نے کہا، میرے پاس نہیں ہے۔ پھر کہنے لگا، حضرت! تھوڑی سی آگ لینے آیا ہوں۔ وہ غصے میں کہنے لگے، ارے! تو سنتا نہیں۔ کہنے لگا، حضرت! میں دھواں تو سلگتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ وہ کہنے لگے، میرے کہنے پر یقین نہیں ہے؟ کہنے لگا، حضرت! تھوڑی تھوڑی آگ جلتی بھی دیکھ رہا ہوں۔ کہنے لگے، تو بیوقوف ہے، تجھے میری بات سمجھ میں نہیں آتی؟ کہنے لگا، حضرت! اب تو انگارے بھی بننا شروع ہو گئے ہیں۔ وہ کہنے لگے، نکل یہاں، سے دفع ہو جا۔ کہنے لگا، حضرت! یہی تو آگ تھی جس کی میں آپ کو خبر دینے کیلئے آیا تھا۔ تو یہ غصہ ایک

آگ ہوتی ہے۔ جب تھوڑا سا ہوتا ہے تو آگ سلگ رہی ہوتی ہے' جب زیادہ ہوتا ہے تو آگ لگ جاتی ہے اور جب پورا غصہ میں آگیا تو غصہ کی آگ میں بھڑک اٹھا۔ جس بندہ کو غصہ زیادہ آئے وہ آتشی النسل ہوتا ہے۔ جب کہ یہ سلسلہ تو شیطان تک جا کر ملتا ہے۔ اللہ سے توبہ کرلو' ایسا نہ ہو کہ تمہارا اس کے ساتھ الحاق کردیا جائے۔ نعوذ باللہ۔

صحابہ کرام میں سوز عشق اور کیف علم:

انسان کو سوز عشق بھی حاصل کرنا چاہئے اور کیف علم بھی۔ اگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں کو دیکھا جائے تو ان میں یہ دونوں پہلو بہت نمایاں نظر آتے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کی زندگیاں مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ کا نمونہ تھیں۔ ان میں ایک طرف عشق الٰہی کا جذبہ تھا تو دوسری طرف علم الٰہی کا جذبہ تھا۔ انکے سینے ایک طرف معرفت الٰہی سے بھرے ہوئے تھے تو دوسری طرف عشق الٰہی سے۔ تو گویا انکے سینوں میں دو دریاؤں کا سنگم تھا۔ یہ دونوں نعمتیں ان کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے نصیب ہوئی تھیں۔ اور اللہ تعالیٰ کو بھی انسان سے وہی زندگی مطلوب ہے جس میں سوز عشق بھی ہو اور کیف علم بھی۔

سوز عشق میں سرمست شخصیت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ:

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا دل عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا گہوارہ تھا۔ صحابہ کرامؓ میں ان کو اللہ تعالیٰ نے بہت نمایاں مقام عطا فرمایا۔ دیکھئے! جب سورج طلوع ہوتا ہے تو سب سے پہلے اس کی کرنیں اس عمارت پر پڑتی ہیں جو سب سے زیادہ بلند ہوتی ہے۔ اسی طرح جب آفتاب نبوت طلوع ہوا تو اس کی کرنیں سب سے پہلے اس ہستی پر پڑیں جو اس امت میں سب سے بلند و بالا تھی۔ یہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ہستی ہی تھی۔ آپ ہی ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے سرخیل امام ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نسبت حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ کو ملی حدیث پاک میں ہے کہ مَا صَبَّ اللّٰهُ فِیْ صَدْرِیْ اِلَّا وَ قَدْ صَبَبْتُهٗ فِیْ صَدْرِ اَبِیْ بَكْرٍ (اللہ نے میرے سینے میں جو کچھ ڈالا وہ میں نے ابو بکرؓ کے سینے میں ڈال دیا)۔

میرے دوستو! وہ علم باطن تھا' وہ علم معرفت تھا' وہ ایک نور تھا جو سینۂ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم

سے سینۂ صدیق رضی اللہ عنہ میں منتقل ہوا تھا۔ چنانچہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ اگر میری امت کے ایمان کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایمان کے ساتھ تولا جائے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایمان بڑھ جائے۔ کیوں؟ اس لئے کہ بے حد سوز عشق نصیب تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے سوز عشق کی چند مثالیں عرض کی جاتی ہیں تاکہ پتہ چلے کہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں وہ واقعی سرمست تھے۔

مثال نمبر1:

ایک دفعہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام تشریف فرما تھے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا' "تمہاری دنیا میں سے صرف تین چیزیں مجھے محبوب ہیں۔ ایک خوشبو' دوسری نیک بیوی اور تیسری میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے"۔ یہ الفاظ زبان فیض ترجمان سے نکلے تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تڑپ اٹھے۔ ان کو بھی اپنا درد دل بیان کرنے کا موقع مل گیا۔ انہیں بھی اپنا فسانہ زبان پر لانے کا موقع مل گیا۔ چنانچہ تڑپ کر بولے' اے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے بھی تین چیزیں پسند ہیں۔ ایک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کو دیکھتے رہنا۔ دوسرا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے مال کو خرچ کرنا۔ تیسرا یہ کہ میری بیٹی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں ہے۔ دیکھیں' ان تینوں چیزوں کا مرکز اور محور ذات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ یہ ہے سچا عشق۔

مثال نمبر2:

ایک دفعہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اپنے گھر میں بیٹھے رو رہے تھے اور دعائیں مانگ رہے تھے۔ دعا کے دوران یہ بات دل میں آئی کہ یا اللہ! مجھے آپ نے مال عطا کیا' اب میں چاہتا ہوں کہ اپنا مال نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی خدمت میں پیش کروں مگر دینے والا ہاتھ اوپر ہوتا ہے اور لینے والا ہاتھ نیچے ہوتا ہے۔ جب میں مال دوں گا تو اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بے ادبی تو برداشت نہیں کر سکتا۔ اس لئے آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں خود ہی ڈال دیجئے کہ وہ میرے مال کو اپنے مال کی طرح استعمال کرنے لگ جائیں۔ چنانچہ حدیث پاک میں آیا ہے کہ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مال کو اپنے مال کی طرح استعمال فرمایا کرتے تھے۔

مثال نمبر3:

ہجرت کے وقت نبی علیہ الصلوۃ والسلام اپنے گھر سے باہر تشریف لائے اور صدیق

اکبر رضی اللہ عنہ کے دروازے پر پہنچے۔ ہلکی سی آواز میں سلام کیا۔ صدیق اکبرؓ فوراً باہر تشریف لائے جیسے پہلے ہی سے جاگ رہے ہوں۔ اس وقت رات کا کافی حصہ گزر چکا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لوگ سو رہے ہیں، کیا آپ جاگ رہے تھے؟ جواب میں صدیق اکبرؓ عرض کرتے ہیں، اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے کچھ دنوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ آپؐ کو ہجرت کا حکم ملے گا اور یہ بھی دل مانتا تھا کہ جب آپؐ ہجرت کیلئے روانہ ہونگے تو اس غلام کو اپنی غلامی میں اپنے ساتھ لے کر جائیں گے۔ پھر دل میں یہ خیال آیا کہ اگر یہ حکم رات کو ملا اور آپؐ تشریف لائے تو آپؐ کو جگانے کی تکلیف اٹھانی پڑے گی۔ چنانچہ جس دن سے خیال آیا اس دن سے ابوبکر نے رات کو سونا چھوڑ دیا ہے تاکہ ایسا نہ ہو کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوبکر کے دروازے پر آکر کھڑا ہونا پڑے۔

مثال نمبر4:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ایک خواب دیکھتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بارش ہو رہی ہے۔ جہاں آپؐ کے قدم مبارک ہیں وہاں پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سر ہے اور بارش کا پانی آپؐ پر سے ہوتا ہوا صدیق اکبرؓ پر پڑ رہا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے آپ کو بھی قریب کھڑے ہوئے دیکھا کہ ابوبکرؓ سے پانی کی چھینٹیں اڑ کر میرے اوپر پڑ رہی ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں نے ایسا خواب دیکھا ہے۔ فرمایا، یہ علوم نبوت ہیں جو وارد ہو رہے ہیں۔ میری اتباع کامل کی وجہ سے ابوبکرؓ سب سے زیادہ حصہ لے رہے ہیں اور ابوبکرؓ سے مناسبت کی وجہ سے تمہیں بھی حصہ مل رہا ہے۔

سلسلۂ نقشبندیہ میں علوم نبوت: یہ وہ علوم نبوت ہیں جو سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں آج بھی جاری و ساری ہیں۔ ہمارے سلسلے کے اندر کرامات زیادہ نظر نہیں آئیں گی، ہمارے سلسلہ میں آپکو بھوکے رہنے کے مجاہدے زیادہ نظر نہیں آئیں گے، چلہ کشی زیادہ نظر نہیں آئے گی۔ دوسرے سلاسل کے حضرات سب کاملین ہیں۔ ہمیں ان سے محبت اور عقیدت ہے۔ وہ فرماتے ہیں ہم ریاضت کے ذریعے سلوک طے کرواتے ہیں جبکہ ہمارے مشائخ اتباع سنت کے ذریعے سلوک طے کرواتے ہیں۔ دیکھا!

یہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا فیضان ہے جو اللہ رب العزت نے اس سلسلہ میں جاری فرما دیا۔

بے طلبی کی مذمت:

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو یہ مقام سوز عشق اور کیف علم کی وجہ سے نصیب ہوا۔ آج ہمیں بھی یہ دونوں نعمتیں اللہ رب العزت سے مانگنی چاہئیں۔ یہ اسے ملتی ہیں جس کے اندر طلب ہوتی ہے۔ میرے دوستو! بے طلب انسان کو تو عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی کچھ نہ ملا اب تو نبوت کو چودہ سو سال گذر گئے' ایک آدمی کو بے طلب بن کر بھلا آج کیا مل سکتا ہے۔ طلب پکی سچی ہونی چاہئے۔ آج لوگ بیعت تو ہو جاتے ہیں مگر رابطۂ شیخ نصیب نہیں ہوتا۔

رابطۂ شیخ کیا ہے؟:

پوچھتے ہیں' رابطہ شیخ کیا ہے؟ کوئی نعمت ہوتی ہے جو اللہ تعالی پیر اور مرید کے دل میں پیدا فرمادیتا ہے۔ ایسی محبت ہوتی ہے کہ انسان اس کی حرارت کو بے اختیار محسوس کرتا ہے۔ اس کے اپنے بس میں نہیں ہوتا۔ وہ محبت بے اختیار ان کے دلوں کو ایک دوسرے کے ساتھ نتھی کر دیا کرتی ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قلبی تعلق سب سے زیادہ تھا۔ ان کے قلب و نظر کا محور نبی علیہ الصلوۃ و السلام کی ذات مبارکہ بن چکی تھی۔ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں ڈوبے رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ فیضان نبوت میں سے ان کو سب سے زیادہ حصہ ملا۔ یہی رابطۂ شیخ ہوتا ہے۔ جو مرید اپنے شیخ سے اس طرح کا تعلق رکھتا ہے تو شیخ پر آنے والے فیوضات سے وہ بھی نوازا جاتا ہے۔ ایسی طلب ہو تو پھر اللہ رب العزت عطا بھی فرما دیتے ہیں۔

حضرت عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے کی سچی طلب:

حضرت عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے جیسی طلب ہونی چاہئے۔ خواجہ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے کئی خلفاء تھے۔ ان کا ایک پوتا جوان ہوا تو اس وقت دادی اماں حیات تھیں۔ انہوں نے کہا' بیٹا! ایک نعمت تیرے دادے کے پاس تھی اگر تو چاہتا ہے کہ وہ نعمت تجھے ملے تو ان کے صحبت یافتہ خلفاء کی خدمت میں جا' طلب صادق لے کر جا' تجھے وہ نعمت ملے گی۔ وہ نوجوان آمادہ ہو گیا۔ چنانچہ دادی اماں نے اسے ایک خلیفہ کی خدمت میں

روانہ کر دیا۔ جب خلیفہ صاحب کو پتہ چلا کہ میرے شیخ کے پوتے آ رہے ہیں تو وہ جماعت لے کر شہر سے باہر استقبال کیلئے آئے۔ بڑی دھوم دھام کے ساتھ استقبال کیا۔ تین دن مہمان نوازی فرمائی۔ اس کے بعد پوچھا کہ جی! کیسے تشریف لائے۔ عرض کیا' آپ کے پاس ایک نعمت ہے' اس کے حصول کیلئے حاضر ہوا ہوں۔ فرمایا' پھر تو تقاضے کچھ اور ہیں۔ پیر بن کر تو وہ نعمت نہیں ملے گی وہ تو مرید بن کر ملے گی۔ چنانچہ وہ گدیاں بھی گئیں وہ بستر بھی گئے۔ فرمایا' چٹائی پر رہنا پڑے گا اور یہ یہ کام کرنے پڑیں گے۔ عرض کیا' بہت اچھا۔ حضرتؒ نے ان کے ذمے کئی قسم کے کام لگا دیئے۔ ان کو ریاضت اور مجاہدے کی لائن پر لگا دیا۔ وہ نوجوان لگا رہا۔ ایک ایسا وقت آیا کہ جب شیخ نے دیکھا کہ کچھ بہتر ہو رہا ہے تو سوچا کہ چلیں آزماتے ہیں کہ طلب کتنی پکی ہے۔ کچھ لوگ شکار کیلئے جانے لگے تو شیخ نے خود بھی پروگرام بنا لیا کہ ہم بھی شکار کیلئے جائیں گے۔ اس دور میں شکار کو کتوں کے ذریعہ سے پکڑا جاتا تھا۔ سدھائے ہوئے کتوں کا شکار شریعت نے حلال گردانا ہے۔ حضرتؒ نے پلے ہوئے بڑے بڑے کتے ساتھ لے لیے اور نوجوان سے فرمایا کہ آپ نے ان کتوں کو پکڑنا اور سنبھالنا ہے۔ اس نے کہا' بہت اچھا۔ یہ بیچارہ مجاہدے کی وجہ سے سوکھ کر ہڈیوں کا ڈھانچہ بن چکا تھا۔ جبکہ آزمائش کیلئے کتے پکڑنے کی ڈیوٹی لگا دی گئی۔ بسا اوقات شیخ آزماتے ہیں' تکلیف دے کر بھی آزماتے ہیں۔ شیخ کو پتہ چل جاتا ہے کہ حقیقت کیا ہے' لیکن مرید کو پتہ نہیں چلتا۔ چنانچہ نوجوان نے رسی کو اپنی کمر سے باندھ لیا اور اپنے ہاتھوں سے اسے مضبوطی سے پکڑ بھی لیا۔ جب شکار سامنے آیا اور کتوں نے شکار کو دیکھا تو وہ بھاگے۔ چونکہ پلے ہوئے کتے تھے اور یہ اکیلے اور کمزور تھے اس لئے رسی کو اپنی ہمت سے پکڑا تو سہی مگر ساتھ کھنچتے چلے گئے۔ کتے تیز بھاگے اور یہ کھنچتے کھنچتے گر گئے۔ اب ساتھ گھسٹتے چلے جا رہے ہیں' جسم زخموں سے چور چور ہو رہا ہے مگر رسی کو نہ چھوڑا کیوں کہ شیخ نے وہ رسی پکڑائی تھی۔ اب جان تو جا سکتی ہے مگر ہاتھوں سے نہیں چھوٹ سکتی۔ یہ ہے سچی طلب۔ جب ان کو جسم پر زخم لگے تو شیخ بھی ساتھ تھے۔ شیخ کو اس وقت کشف میں حضرت خواجہ عبدالقدوس گنگوہیؒ کی زیارت ہوئی اور خواجہ صاحبؒ نے فرمایا کہ خلیفہ صاحب! ہم نے تو آپ سے اتنی محنت

نہیں کروائی تھی۔ چنانچہ اسی وقت شیخ نے اس نوجوان کو سینے سے لگایا اور وہ نعمت ان کے سینے میں القا فرما دی۔

عشق کے تیشے سے دریا کا رخ بدل دیا:

حضرت مرشد عالم رحمت اللہ علیہ سائیں فتح علی کا ایک واقعہ سنایا کرتے تھے کہ حضرت خواجہ سراج الدین ؒ کی خانقاہ میں ایک آدمی تھا جس کا نام تھا "**بھتو**"۔ ان پڑھ جاہل تھا۔ قرآن پاک بھی پڑھنا نہیں آتا تھا مگر حضرت ؒ کے ساتھ جب بیعت کی تو گویا بک گیا۔ اپنے آپ کو شیخ کے سپرد کر دیا۔ یہ سب سے مشکل کام ہے۔ حضرت ؒ کی خدمت میں رہنے لگ گیا۔ حضرت ؒ کو وہاں پر کئی ایکڑ زمین ملی ہوئی تھی۔ پہاڑی پانی پوری زمین پر پھیل جاتا تھا جس سے وہ زمین قابل کاشت نہیں بن سکتی تھی۔ **بھتو** کہنے لگا' حضرت! اگر پہاڑ کو فلاں جگہ سے کاٹ دیا جائے تو یہ پانی رخ بدل لے گا اور آپ کی زمین کار آمد بن جائے گی۔ حضرت ؒ نے فرمایا' یہ تو مشکل کام۔ کہنے لگا' حضرت! بس اجازت دے دیجئے۔ حضرت ؒ نے جب **بھتو** کی طلب سچی دیکھی تو اجازت دے دی۔ چنانچہ **بھتو** نے کدال ہاتھ میں لیا اور وہاں جا کر چٹانوں کو توڑنا شروع کر دیا۔ لوگ آ کر پوچھتے' **بھتو**! کیا کر رہے ہو؟ وہ کہتا' پہاڑ کاٹ کر دریا کا رخ موڑنا چاہتا ہوں۔ لوگ ہنس کے چل دیتے اور کہتے کہ لوگ ایسے ہی کہتے ہیں کہ بیوقوف مر گئے ہیں دیکھو وہ وہ سامنے موجود ہے۔ **بھتو** کسی کی بات پر کان نہ دھرتا۔ بس اپنے کام میں لگا رہتا۔ میرے دوستو! پہاڑوں کو توڑنا آسان نہیں ہوتا' دریاؤں کا رخ موڑنا آسان نہیں ہوتا مگر جب عشق کا جذبہ ساتھ شامل ہوتا ہے تو پھر پہاڑ بھی موم بن جایا کرتے ہیں۔ پھر اللہ رب العزت راستے نکال دیا کرتے ہیں۔

ہر ضرب تیشہ ساغر کیف وصال دوست

(تیشے کی ہر ضرب ایسی ہوتی ہے جیسا کہ وہ دوست کے وصل کا جام پی رہا ہو)۔

وہ تیشے مار رہا تھا اور محبت کی لذتیں اٹھا رہا تھا۔ ایک وقت آیا کہ پہاڑ کا حصہ کٹ گیا۔ دریا کا رخ بدلا اور حضرت ؒ کی زمین قابل کاشت بن گئی۔ حضرت مرشد عالم ؒ اس عاجز کو اس جگہ پر لے گئے اور اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ وہ جگہ ہے جس جگہ کو **بھتو** نے عشق کے تیشے سے کاٹ

کر رکھ دیا تھا۔ فقیر نے وہاں عشق کو بازی جیتتے دیکھا، عشق کو وہاں سرخرو ہوتے دیکھا۔ فقیر نے کہا، بھتو! میں تیرے عشق کو سلام کرتا ہوں، میں تیری عظمتوں کو سلام کرتا ہوں، میں تیرے دل کی اس کیفیت کو سلام کرتا ہوں جس میں سرمست ہو کر تو نے تاریخ میں ان مٹ نقوش چھوڑے ہیں۔

بھتو کی سچی طلب کے ثمرات:

اس واقعہ کے کچھ دن بعد حضرتؒ نے مکانات بنوانے تھے کیونکہ خانقاہ پر مہمانوں کی آمد و رفت زیادہ تھی اور رہائش کا انتظام کم تھا۔ چنانچہ مستری کام پر لگا دیئے گئے۔ مستری تو دوپہر کے وقت آرام کرتے مگر بھتو سوچتا کہ مستری اٹھیں گے اور میں اس وقت گارا بناؤں گا تو اس سے تو وقت ضائع ہو جائے گا۔ مستری تو بیٹھے رہیں گے انتظار میں اور کام بھی میرے حضرت کا ہے۔ چنانچہ جب مستری سو جاتے، تو اس وقت بھتو گارا بنایا کرتا تھا اور کسی کو پتہ بھی نہیں ہوتا تھا۔ جی ہاں، محبت اظہار تو نہیں چاہتی، محبت تو اخفا چاہتی ہے۔

وہ جن کا عشق صادق ہو وہ کب فریاد کرتے
لبوں پر مہر خاموشی دلوں میں یاد کرتے ہیں

چنانچہ بھتو اسی طرح روزانہ گارا بناتا رہا۔ حضرت خواجہ صاحبؒ ایک دن دوپہر کے وقت اٹھے، بالکونی سے باہر دیکھا، دھوپ کی وجہ سے سب لوگ سوئے ہوئے ہیں اور اکیلا عاشق گارا بنا رہا ہے۔ پسینے میں شرابور مگر عشق و محبت کے ساتھ وہ اپنی کسی چلا رہا ہے۔ حضرتؒ نے جب دیکھا تو آپ کو طلب صادق نظر آئی۔ چنانچہ ایک آدمی کو بھیجا کہ بھتو کو بلا کر لاؤ۔ اس آدمی نے جب جا کر کہا تو بھتو ڈر گیا کہ شاید مجھ سے کوئی کوتاہی ہوئی ہے۔ کہنے لگا، اچھا میں ابھی ذرا بدن دھو لوں اور کپڑے پہن لوں پھر حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہو جاتا ہوں۔ حضرتؒ کو پتہ چلا تو فرمایا، نہیں، اسے کہو کہ اسی حالت میں میرے پاس آئے۔ چنانچہ بھتو اسی حالت میں آپ کے پاس آیا۔ آپ نے اسی وقت سینے سے لگایا اور نسبت کو القا فرما دیا۔

اب بھتو رونے بیٹھ گیا۔ کہنے لگا، حضرت! میں تو جاہل مطلق ہوں، مجھے بالکل کچھ

نہیں آتا' قرآن بھی پڑھا ہوا نہیں ہوں اور آپ فرماتے ہیں کہ میں نے تجھے خلافت دے دی مگر میں تو اس کا مستحق نہیں ہوں۔ حضرت خواجہ صاحبؒ نے فرمایا' نعمت دینا اللہ کا کام۔ اس نے دل میں ڈالا اس لئے ہم اب اسے روک نہیں سکتے تھے۔ ہم نے دیکھا کہ برتن صاف ہے لہٰذا ہم نے نعمت برتن میں ڈال دی۔ اب اللہ تعالی خود مہربانی فرمائے گا۔

خیر پھتو کو نسبت ملی تو نسبت نے اپنے پھل پھول نکالنے شروع کر دیئے۔ اس نے قرآن پاک پڑھنا شروع کر دیا۔ کچھ اور وقت گزرا تو سائیں فتح علی بن گیا' حتی کہ بڑے بڑے علماء اس سے بیعت ہونے لگ گئے۔ حضرت مرشد عالمؒ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے حج کیا۔ اسی دوران میں سائیں فتح علی بھی مکہ مکرمہ میں تھا۔ ایک جگہ علماء کا مجمع تھا' میں نے دیکھا کہ علماء تو زمین پر چٹائیاں بچھا کر سوئے ہوئے ہیں جبکہ انکے درمیان میں سائیں فتح علی کیلئے چارپائی بچھائی گئی ہے۔ یہ نعمت ایسی چیز ہے کہ یہ پھتو کو سائیں فتح علی بنا دیا کرتی ہے۔

سوز عشق اور کیف علم حاصل کرنے کے ذرائع:

میرے دوستو! سوز عشق اور کیف علم حاصل کرنے کیلئے اس طرح کی طلب پیدا کرنی چاہئے۔ سوز عشق کیلئے اللہ رب العزت نے انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے اور کیف علم کیلئے اللہ رب العزت نے کتاب عطا فرمائی جس کو کتاب اللہ کہتے ہیں۔ گویا رجال اللہ اور کتاب اللہ عطا فرمائے۔ رجال اللہ کے ذریعے سوز عشق کی خواہش کا پورا ہونا تھا اور کتاب اللہ کے ذریعے کیف علم کی خواہش کا پورا ہونا تھا۔ یا یوں سمجھئے کہ سوز عشق کیلئے سنت رسول ﷺ اور کیف علم کیلئے اللہ کا قرآن ملا۔ گویا جس انسان کے ایک ہاتھ میں کتاب اللہ ہو اور دوسرے ہاتھ میں سنت رسول ﷺ ہو تو اس کے پاس سوز عشق بھی ہے اور کیف علم بھی ہے۔ یہ ہے زندگی جسے کامیاب زندگی کہتے ہیں۔

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نہ داند جام و سندان باختن

ہر ہوسناک جام و صراحی سے کھیلنا نہیں جانتا۔ یہ اللہ تعالی کی رحمت ہوتی ہے کہ کچھ

ہستیوں کو سوز عشق بھی عطا فرما دیتا ہے اور کیف علم بھی عطا فرما دیتا ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ: یاد رکھیں، اللہ رب العزت نے اس نسبت کو ہر زمانے میں جاری رکھنا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ آج جنید اور شبلی نظر نہیں آتے، ہم نسبت کس سے حاصل کریں؟ جی ہاں، اگر جنید اور شبلی کو ڈھونڈو گے تو وہ نہ تو دن میں نظر آئیں گے اور نہ رات میں نظر آئیں گے اور نتیجہ یہ نکلے گا کہ جیسے خالی آئے تھے ویسے ہی خالی چلے جائیں گے۔ البتہ سچی طلب سے نسبت کو تلاش کرو گے تو نسبت آپ کو آج بھی مل جا۔ ں۔ نسبت آپ کو آج بھی اپنے انوارات دکھائے گی۔ دیکھیں کہ اگر کسی آدمی کی آنکھوں پر پٹی ہو اور وہ کہے کہ مجھے تو نظر ہی نہیں آتا تو بھلا اس میں کس کا قصور ہوگا؟ ہاں اپنی آنکھوں سے تکبر اور نفسانیت کے پردہ کو ہٹا کر خالص اللہ کیلئے صاحب نسبت کو ڈھونڈیئے، آپ کو نسبت والے آج بھی مل جائیں گے۔ کیونکہ اللہ نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہوا ہے۔

دل کی حسرت: میرے دوستو! جن کے پاس یہ نسبت ہوتی ہے یہ نسبت ان کے گھر کی باندی نہیں ہوتی، یہ نسبت ان کی جاگیر نہیں ہوتی، یہ نسبت ان کی ملکیت نہیں ہوتی۔ یہ اوپر سے ملتی ہے آگے پہنچانے کیلئے۔ ہاں برتن نظر نہیں آتے اگر برتن نظر آجائیں تو اس نعمت کو ڈالنے کیلئے ہر وقت تیار ہوتے ہیں۔ ہم کیوں اِد۔ اُدھر گھومتے پھرتے ہیں؟ کیوں دنیا کے چکر کاٹتے پھرتے ہیں؟ اس لئے کہ کہیں سوز عشق اور کیف علم کا طالب نظر آئے مگر افسوس نفس کے طالب نظر آتے ہیں اور خواہشات کے بندے نظر آتے ہیں:

ؔ حال دل جس سے میں کہتا کوئی ایسا نہ ملا
بت کے بندے تو ملے اللہ کا بندہ نہ ملا

میرے دوستو! کوئی اللہ کا بندہ نظر آجائے تو یہ اپنے بس کی بات نہیں ہوتی، پھر وہ پروردگار اس نسبت کو القا کرنے کیلئے راستے ہموار کر دیا کرتا ہے اور اگر کوئی شیخ اس وقت نسبت کو منتقل نہیں کریگا تو اللہ تعالی کے سامنے مجرم بنا کر کھڑا کر دیا جائے گا۔ کیونکہ اللہ

رب العزت کا فرمان ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰی اَھْلِھَا (بے شک اللہ تعالی تمہیں اس بات کا حکم دیتا ہے کہ تم امانتوں کو ان کے اہل کے سپرد کردو)۔ اللہ تعالی ہمیں نور نسبت سے مستفیض فرمائے اور روز محشر بخشش کئے ہوئے گنہ گاروں کی قطار میں شامل فرمائے۔

وَ آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ

مثبت اور منفی سوچ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ○ سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○

زندگی گزارنے کے دو انداز:

کائنات میں موجود ہر چیز کو دیکھنے اور اس کے متعلق سوچنے کے دو انداز ہوتے ہیں' ایک مثبت انداز اور ایک منفی انداز۔ اسی بنیاد پر زندگی گزارنے کے بھی دو انداز ہیں مثبت انداز زندگی اور منفی انداز زندگی۔ ہر انسان کے اندر مثبت سوچ بھی موجود ہوتی ہے اور منفی سوچ بھی۔ زندگی کے معاملات میں کوئی انسان اپنی مثبت سوچ کے ذریعہ معاملات کے مثبت پہلو پر نگاہ رکھتا ہے اور کوئی اپنی منفی سوچ کے باعث منفی پہلو پر نگاہ رکھتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ جو انسان مثبت سوچ رکھنے والا ہوتا ہے وہ مثبت فیصلہ کرکے اچھے اور بہتر نتائج اخذ کرلیتا ہے اور منفی زاویہ سے دیکھنے والا منفی فیصلہ کرکے نقصان اٹھاتا ہے۔ ایک انگلش رائٹر کا مقولہ ہے:

The life is ten percent how to make it,

and ninty percent how to take it.

یعنی دس فیصد آپ کی وہ زندگی ہے جسے آپ اپنی محنت اور ہاتھ سے بناتے ہیں اور نوے فیصد زندگی وہ ہے جسے آپ اپنے ماحول اور معاشرے سے قبول کرتے ہیں۔ اب انسان ماحول سے نوے فیصد زندگی کس انداز سے قبول کرتا ہے؟ یہ اس کی اپنی سوچ پر منحصر ہے۔ چاہے تو مثبت سوچ کے ذریعہ زندگی میں پیش آنے والے معاملات کے مثبت پہلو

پر نگاہ رکھے اور فائدہ حاصل کرلے چاہے منفی پہلو پر نگاہ رکھ کر غلط نتائج اخذ کرلے۔

ایک اشکال کا جواب: اگر کوئی شخص یہ اعتراض کرے کہ مثبت سوچ کا پیدا کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہے اور منفی سوچ کا خالق بھی اللہ تعالیٰ ہے تو پھر انسان کا کیا قصور؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ شخص اپنی کم علمی کے باعث نظام کائنات کے فطرتی اصول اور قاعدہ سے ناواقف ہے۔ ایسا شخص گویا یہ اعتراض کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دن کو پیدا کیا' دن کا تو فائدہ ہے کہ اس میں کام کاج ہوتے ہیں رات کو بنانے کی کیا ضرورت تھی؟ کہ سونے میں انسان کی آدھی زندگی ضائع ہو جاتی ہے۔ نہ رات بنائی جاتی اور نہ ہی انسان کی زندگی ضائع ہوتی۔ ایسا شخص گویا یہ اعتراض کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے چھری کے اندر پھل کاٹنے کی صلاحیت رکھی ہے' اس کا تو فائدہ ہے لیکن انسانوں کی گردن کاٹنے کی صلاحیت کیوں رکھی گئی؟ نہ ہی یہ صلاحیت رکھی جاتی اور نہ ہی قتل کا جرم ہوتا۔

اس ضمن میں عربی کا ایک مقولہ ذہن میں رکھنا چاہیے۔ تُعْرَفُ الْاَشْیَاءُ بِاَضْدَادِھَا ہر چیز اپنی ضد (مخالف چیز) سے پہچانی جاتی ہے۔ مثلاً دن کی پہچان رات کی وجہ سے ہے۔ اگر رات نہ ہوتی تو' صرف دن ہی دن ہوتا تو کون کہتا کہ دن ہو گیا ہے۔ محبت کی پہچان نفرت کی وجہ سے ہے۔ اسی طرح ایمان کی پہچان کفر کے باعث ہے۔ اگر کفر کا وجود ہی نہ ہوتا سب ہی ایمان والے نیک اور صالح ہوتے تو پھر انبیاءؑ کی بعثت کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔ انبیاءؑ کی ضد شیطان ہے۔ گویا کہ ایمان اور غلبہ اسلام کے محرک اور محافظ انبیاءؑ ہیں اور کفر کا محرک اور محافظ شیطان ہے۔ اللہ رب العزت خود فرماتے ہیں کہ "میں نے ہر چیز کا جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے" اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ہر چیز کا جوڑا جوڑا ہونا نظام کائنات کا بنیادی اصول ہے۔

جدید سائنس کی بنیاد: آج سائنس کی دنیا اسی اصول پر تحقیقات کر رہی ہے۔ یہ اصول گویا جدید سائنس کی بنیاد نظر آتا ہے۔ کمپیوٹر جو موجودہ دور کی جدید ترین اور مفید ترین ایجاد ہے اس کا سارا Function (عمل) دو Bits پر ہے۔ صفر (0) اور ایک (1) پر۔ یہ زیرو اور ایک' یہ بھی ایک جوڑا ہے۔ بلکہ آج

کے سائنس دان صدیوں کی تحقیقات اور ہزاروں تجربات کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ Matter (مادہ) ایک چیز ہے تو اس کا بھی کوئی جوڑا ہونا چاہیے۔ اور اس جوڑے کو انہوں نے Anti-matter کا نام دیا ہے۔ اب وہ اس anti-matter کی دریافت کیلئے محنت کر رہے ہیں۔

روح کی فوقیت مادے پر: اب دیکھتے ہیں کہ روح کے مقابلے میں مادہ کی کیا حیثیت ہے؟ مادہ کا خمیر خاک سے ہے اور روح کا خمیر افلاک سے بھی اوپر عالم ارواح سے ہے۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں' وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ (میں نے اس میں اپنی روح پھونک دی)۔ مادہ کا کوئی نہ کوئی مقام ہوتا ہے مگر روح لامکانی شے ہے۔ مادہ کسی چیز سے ٹکرا کر رک جاتا ہے مگر روح آسمان سے بھی آگے نکل جاتی ہے۔ مادہ کو بلندی کی طرف پھینکیں تو Gravity (کشش ثقل) کے باعث پستی کی طرف لوٹتا ہے مگر روح عرش الٰہی کی طرف پرواز کر جاتی ہے تو کئی ہزار سال کی بلندیوں اور رفعتوں کو طے کر جاتی ہے۔ مادیت کے شہسواروں کی معراج یہ ہے کہ وہ صدیوں کی کاوشوں اور محنتوں کے بعد چاند' مشتری اور ثریا تک بمشکل پہنچ سکے ہیں لیکن روحانیت کے شہسوار اعظم سید البشر ﷺ کی معراج یہ ہے کہ آپ ﷺ رب ذوالجلال کے اتنا قریب پہنچے جیسے تیر کمان کے نزدیک ہوتا ہے۔ اور کہکشاں اور ثریا تو نبی ﷺ کی قدمین شریفین کی گرد راہ ہے۔

نازاں جس پہ حسن ہے وہ حسن رسول ؐ ہے
یہ کہکشاں تو آپ ؐ کے قدموں کی دھول ہے

مادیت تو یہ ہے کہ انسان کھربوں ڈالر لگا کر چاند پر پہنچا اور روحانیت یہ ہے کہ محبوب خدا ﷺ کی انگشت مبارک کے اشارہ سے چاند دو ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ مادی دنیا کے پوپ کہتے ہیں کہ Water maintain its surface (پانی اپنی سطح برقرار رکھتا ہے) لیکن میدان روحانیت میں عصائے موسوی کی ایک ضرب سے طغیانی لہریں اور طوفانی موجیں سمٹ کر بارہ راستے بنا دیتی ہیں۔

سوچنے کے دو انداز: بات ہو رہی تھی کہ سوچ کے زاویے دو ہی ہیں۔ مثبت سوچ دل میں فرحت اور خوشی پیدا کرتی ہے اور منفی سوچ تکلیف کا باعث بنتی ہے۔ مثال کے طور پر دو شاعر باغ میں گئے' ان میں سے ایک خوش تھا اور دوسرا غمگین۔ دونوں کی نگاہ ایک کھلے ہوئے پھول پر پڑی۔ شعراء حضرات بڑی حساس طبیعت کے مالک ہوتے ہیں اور Nature (فطرت) کو Study (مطالعہ) کرتے رہتے ہیں۔ دونوں نے پھول کے متعلق اپنے اپنے تاثرات بیان کئے۔ جو غمگین تھا اس نے کھلا ہوا پھول دیکھ کر کہا کہ اس مظلوم لالہ کو بھی کسی نے زخمی کر دیا ہے۔ دیکھئے! اس کا بھی میری طرح سینہ چاک ہے۔ بقول شخصے:

آ ملے ہیں سینہ چاکان چمن سے سینہ چاک

دوسرا شاعر کہنے لگا کہ یہ پھول بھی میری طرح خوش ہے اور ہنس رہا ہے' دیکھئے کیسے کھلا ہوا ہے۔ بقول شخصے:

یہ سن کر کلی نے تبسم کیا

غور کیجئے! پھول ایک ہی ہے لیکن دونوں کی سوچ کا زاویہ مختلف ہونے کے باعث تاثرات مختلف ہیں۔

ایک جیل میں سے دو قیدیوں نے کھڑکی سے باہر دیکھا۔ ایک کی نظر کیچڑ پر پڑی اور دوسرے کی نظر پھول پر پڑی۔ جس کی نگاہ کے سامنے کیچڑ تھا اس نے کہا کہ باہر تو ہر طرف کیچڑ ہی کیچڑ ہے۔ اور جس کی نگاہ کے سامنے پھول تھے اس نے کہا کہ جیل کے باہر تو ہر طرف پھول ہی پھول ہیں۔ ارے! لوگ شاکی ہیں کہ پھولوں کے ساتھ کانٹے ہوتے ہیں اور میں شاکر ہوں کہ کانٹوں کے ساتھ پھول بھی [illegible] ہیں۔

میز پر آدھا گلاس پانی پڑا تھا۔ دو آدمیوں نے اسے دیکھا۔ ایک نے کہا کہ گلاس آدھا خالی ہے۔ دوسرے نے کہا' الحمد للہ آدھا بھرا ہوا ہے۔ ثابت ہوا کہ سوچنے کے انداز دو ہی ہیں۔ مثبت انداز پریشانیوں کو آسان کر دیتا ہے اور منفی انداز پریشانیوں کو اور مشکل بنا دیتا ہے۔ اس وجہ سے لوگ دو حصوں میں تقسیم ہو جاتے ہیں۔ مثبت سوچ رکھنے والے

لوگ حالات کو لے کر چلتے ہیں اور منفی سوچ والے حضرات کو حالات لے کر چلتے ہیں۔ وہ کٹھ پتلی بن کر زندگی گزارتے ہیں۔

Some people drive the situation and some are driven by situation.

(کچھ لوگ حالات کو لے کر چلتے ہیں اور کچھ لوگوں کو حالات لے کر چلتے ہیں)

اختلاف رائے: انسانوں میں کئی دفعہ اختلاف رائے بھی ہو جاتا ہے۔ ہم لوگ اختلاف رائے کو دشمنی بنا لیتے ہیں۔ حالانکہ قدرت نے ہر آدمی میں مختلف دماغ رکھا ہے، ہر ایک کی سوچ کا انداز مختلف ہوتا ہے۔ وہ اپنے انداز سے ہی سوچتا اور بات کرتا ہے۔ اس لئے اختلاف رائے ایک فطری چیز ہے نہ صرف یہی بلکہ اختلاف رائے ایک نعمت بھی ہے۔ جب اختلاف رائے ہوگا تو معاملہ کے کئی پہلو سامنے آئیں گے اور ان میں سے بہترین حل کا انتخاب آسانی سے کر لیا جائے گا۔ مشورہ کرنا ایک مستقل سنت نبوی ﷺ ہے اور اس کی روح ہے ہی اختلاف رائے۔ مشورہ کرنے میں زیادہ ذہن جمع ہو جاتے ہیں۔ ہر ذہن ایک الگ زاویہ سے معاملہ فہمی کر کے مشورہ دیتا ہے۔ اس طرح معاملہ کے خفیہ پہلو بھی منظر عام پر آجاتے ہیں۔ پلاننگ میں اس پہلو کو Alternatives (متبادل صورتیں) کی اصطلاح سے موسوم کیا جاتا ہے۔ انجینئرز اور منیجرز جب کسی مسئلہ کے حل کیلئے مشورہ کرنے بیٹھتے ہیں تو وہ مسئلہ کی نوعیت اور متعلقہ حالات کو مدنظر رکھ کر مشورہ کرتے ہیں۔ اب جتنے زیادہ ذہن اکٹھے ہوتے ہیں اتنے زیادہ حل اور متبادل صورتیں زیر غور آتی ہیں۔ مثال کے طور پر دس آدمی مشورہ کرتے ہیں ان سب کی رائے مختلف ہوتی ہے۔ ان میں تین چار بہتر صورتوں کا انتخاب کر لیا جاتا ہے۔ بعد میں ان تین چار سورتوں کا حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے آپس میں موازنہ کیا جاتا ہے اور اس کے بعد ان میں سے بہترین صورت کا انتخاب کر لیا جاتا ہے۔ جس کے خوشگوار نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ بہر حال اختلاف رائے فائدہ کی چیز ہے۔

اختلاف رائے کی مثالیں: ایک بھائی کہتا ہے کہ مکان ابھی تعمیر کرنا ہے۔ دوسرا

کہتا ہے کہ دو ماہ ٹھہر کر تعمیر کریں گے۔ یہ اختلاف رائے ہے لیکن اس کو دشمنی بنا لینا بیوقوفی ہے کیونکہ سوچ میں فرق ہونے کی وجہ سے دونوں نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔ ایک نے اپنی سوچ کے زاویے سے دیکھا تو اسے مکان کی تعمیر کرنا آسان نظر آیا اور دوسرے نے اپنی سوچ کے زاویہ سے دیکھا تو اس کو مشکل لگا۔

بیوی ایک جگہ بیٹی کا رشتہ کرنا چاہتی ہے' خاوند دوسری جگہ اپنے رشتہ داروں میں کرنا چاہتا ہے تو اس وجہ سے عام طور پر میاں بیوی میں بات بڑھ جاتی ہے جو کہ گھر کی ناچاقی کا باعث بنتی ہے حالانکہ یہ صرف اختلاف رائے ہے۔ اگر وہ مثبت سوچ کے ساتھ افہام و تفہیم سے کام لیں تو مسئلہ بڑی آسانی سے حل ہو سکتا ہے اور دونوں میں سے جس کی رائے بہتر ہو اس کے مطابق فیصلہ کر لیا جائے۔

بہترین اصول زندگی:

میاں بیوی میں بعض معاملات میں اختلاف رائے ہو کر بحث و تکرار کی نوبت تو آ ہی جاتی ہے۔ اگر اس دوران فریقین حقیقت پسندی سے کام لیں اور ایمانداری سے ذرا یہ غور کر لیں کہ ان میں سے حق پر کون ہے۔ ظاہر ہے دونوں میں سے حق پر تو ایک ہی ہے' دونوں تو نہیں ہو سکتے۔ تو جو حق پر نہیں ہے وہ ہمت کر کے خاموشی اختیار کر لے اور دوسرے فریق کی کڑوی کسیلی سنتا رہے' صبر و ضبط سے کام لے اور جواب ہرگز نہ دے۔ اس طرح وہ دوسری طرف صبر و تحمل دیکھ کر جلد ہی ٹھنڈا ہو جائے گا بلکہ مثبت اثر لے گا اور بحث و تکرار بڑھنے کی نوبت نہیں آئے گی اور تھوڑے وقت کے بعد پھر دونوں شیر و شکر ہو جائیں گے۔ تو میاں بیوی کو شروع سے ہی ذہن بنا لینا چاہئے کہ جب کبھی ایسی نوبت آئے تو دونوں غور کر لیا کریں گے کہ حق پر کون ہے۔

ساس بہو کے جھگڑوں کا بہترین حل:

زوجین کے درمیان جھگڑے عموما ساس بہو سے ہی جنم لیتے ہیں۔ اور ایسے جھگڑوں کا ایک بہترین حل ہے۔ اگر وہ طریقہ اختیار کر لیا جائے تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ ساس بہو کی بنیاد پر جھگڑے کھڑے ہوں۔ وہ طریقہ یہ ہے کہ میاں بیوی شروع ہی سے یہ

Compromise(سمجھوتہ) کرلیں کہ میاں اپنی بیوی کے والدین کی خدمت کرے اور ضروریات کا خیال رکھے اور بیوی اپنے خاوند کے والدین کی خدمت کرے اور ضروریات پوری کرنے کیلئے تیار رہے۔ یعنی دونوں اپنے اپنے سسرال کی خدمت اور معاونت کیلئے عملی طور پر تیار رہیں۔ ویسے بھی حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ شادی سے پہلے ایک والد اور ایک والدہ اور شادی کے بعد دو والد اور دو والدہ ہوتی ہیں۔ یعنی ساس سسر کے حقوق اپنے ہی والدین کی طرح ہیں۔

ذاتی واقعہ: میرے پاس ایک خاتون آئی جو کافی پڑھی لکھی لگتی تھی۔ شاید ایم-اے کیا ہوا تھا۔ اس نے پردہ کے پیچھے بیٹھ کر بات کی۔ اپنی ساس کے بڑے گلے شکوے کیے کہ ناک میں دم کر رکھا ہے' بات بات پر نوک جھونک کرتی ہے۔ غرض اس نے ساس کا خوب رونا رویا۔ تقریباً آدھا گھنٹہ ساس کے شکوے کرتی رہی۔ اور اس دوران وہ رو پڑی۔ لیکن ساتھ ہی بتایا کہ خاوند میرے ساتھ بہت اچھا ہے' بہت پیار سلوک رکھنے والا ہے۔ اس کے خاوند کی ایک فیکٹری ہے' بڑا کھاتا پیتا گھرانہ ہے' کار کوٹھی اس کے پاس ہے لیکن ساس کی وجہ سے بہت پریشان تھی۔ جب اس نے بتایا کہ خاوند اس کے ساتھ بہت اچھا ہے' اس سے اسے کوئی شکوہ نہیں تو میں نے اس سے ایک سوال کیا' کیا آپ کو خاوند اور گھر اچھا لگا؟ کہنے لگی' جی ہاں۔ میں نے پوچھا کہ آپ اس گھر میں کیسے آئیں؟ کہنے لگی' وہ تو میری ساس میرے گھر آئی' مجھے دیکھا اور پسند کیا' اور مجھے بیاہ کر لے آئی۔ اس پر میں نے کہا کہ اس نے تو آپ پر احسان کیا کہ اتنے اچھے گھر میں آپ کو لے آئی جس میں آپ کو خاوند بھی اچھا ملا۔ اس بڑے احسان پر تو آپ کو عمر بھر اپنی ساس کا شکر گزار رہنا چاہیے تھا' لیکن یہ شکوے کیسے؟ میں نے کہا اب بتائیں کہ اتنے بڑے احسان کے مقابلہ میں تمہاری یہ باتیں کیسی ہیں؟ کہنے لگی' آپ نے تو میرا مسئلہ حل کر دیا۔ اس احسان کے مقابلے میں تو یہ باتیں واقعی کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتیں۔

ایک انجینئر اور اس کے بیٹے کی سوچ: سوچ کا زاویہ ہر ایک کا اپنا اپنا ہوتا ہے۔ ایک انجینئر صاحب ہیں ان کا ایک

ہی بیٹا تھا۔ ایک دن وہ گھر پر ڈرائنگ بنا رہے تھے۔ ان کا چھوٹا سا بیٹا ساتھ بیٹھا تھا اور چیزوں کو آگے پیچھے کر رہا تھا جس سے ان کے کام میں رکاوٹ آ رہی تھی۔ انہوں نے بیٹے کو الگ کرنے کی کوشش کی مگر وہ ضد کر گیا۔ انجینئر صاحب رحمدل آدمی تھے۔ وہ بیٹے کو مار کر یا سختی سے دور بھی نہیں کر. چاہتے تھے۔ بیٹے کو مصروف کرنے کی ایک ترکیب ان کے ذہن میں آئی۔ ان کے پاس اخبار کا ایک صفحہ پڑا تھا جس پر دنیا کا نقشہ بنا ہوا تھا۔ انہوں نے اخبار کے کئی ٹکڑے کر دیئے اور ٹکڑے اپنے بچے کو دیئے کہ اگر اس نقشہ کو ٹھیک طرح سے جوڑ لے تو میں دس روپے کا نوٹ انعام میں دوں گا۔ اب اپنی طرف سے انجینئر صاحب نے بڑا پکا انتظام کر دیا تھا کہ میرا بیٹا دو تین گھنٹوں تک مصروف رہے گا۔ بیٹا بہت خوش ہوا کہ دس روپے کا نوٹ انعام میں ملے گا۔ وہ اخبار کے ٹکڑے لے کر دوسرے کمرے میں چلا گیا جبکہ انجینئر صاحب مطمئن ہو کر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ بیٹا تقریباً پندرہ منٹ بعد وہ نقشہ بالکل ٹھیک جوڑ کر آ گیا۔ باپ بہت حیران ہوا کہ اس نقشے کا جوڑنا تو بہت ہی مشکل تھا' بیٹے نے کیسے جوڑا؟ بیٹا مسکرایا اور اخبار کو الٹ دیا۔ دوسری طرف ایک عورت کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ بچے نے اس تصویر کو دیکھ کر ٹکڑے ترتیب سے جوڑ دیئے تو نقشہ خود بخود بن گیا۔ سوچئے کہ باپ اس کام کو ایک زاویے سے دیکھ رہا تھا تو وہ کام مشکل لگ رہا تھا لیکن بیٹے نے دوسرے زاویے سے دیکھا تو مشکل کام بالکل آسان ہو گیا۔

قراء حضرات کیلئے چند اصلاحی مشورے:

ایک انجینئر صاحب نے تو یوں حکمت عملی کے ساتھ بچے کو متبادل کام پر لگا دیا اور بچے پر سختی نہ کی مگر ہمارے ہاں قاری صاحبان تو بچوں کو بہت مارتے ہیں۔ یہ بچوں پر ظلم کرتے ہیں' روز محشر ان سے پوچھ ہوگی۔ مارنے والے ظالم ہیں اور جن کو مارا جا رہا ہے وہ مظلوم ہیں۔ قیامت کے دن دونوں ظالم اور مظلوم بن کر پیش کئے جائیں گے۔ شریعت میں اس طرح مارنے کی قطعا اجازت نہیں ہے۔ ہم نے بڑے بڑے علماء اور مفتی حضرات سے اس مسئلہ کی تحقیق کی ہے۔ البتہ شریعت یہ کہتی ہے کہ اگر بچے کو سزا دینا ضروری بھی ہو تو اوسط درجہ کے تین تھپڑ لگائے جا سکتے ہیں' تین سے زیادہ نہیں اور وہ بھی

چہرہ کے علاوہ کسی اور جگہ پر کیونکہ چہرہ پر مارنے کی ممانعت آئی ہے لیکن ہمارے ہاں تو بچہ تھوڑا سا بھول جائے تو ڈنڈا دے ماریں گے۔ نہیں دیکھتے کہ سر پر لگ رہا ہے' ناک پر لگ رہا ہے یا کہاں لگ رہا ہے۔ ارے اللہ کے بندے! وہ بچہ ہے' تم نہیں بھولتے؟ اگر اسی قاری صاحب سے وہی پارہ سنا جائے تو دس دفعہ بھولیں گے۔ اور بچے نے تو بھولنا ہی ہوتا ہے۔ اس نے کونسی چوری کرلی ہے یا کوئی اور جرم کرلیا ہے جو اس قدر سزا دی جاتی ہے۔ اس طرح تو بچے سنورنے کی بجائے الٹا بگڑ جاتے ہیں اور دین اور مدارس سے باغی ہو جاتے ہیں۔ قاری صاحب تو سمجھتے ہیں کہ وہ اچھا کر رہے ہیں اور ثواب کا کام ہے لیکن یہ گناہ ہے جس کا جواب آخرت میں دینا پڑے گا۔ دراصل جو لوگ بچوں کو مارتے ہیں عموماً اپنے نفس کی وجہ سے مارتے ہیں اور گویا اپنی شکست تسلیم کرتے ہوئے مارتے ہیں کہ ہم اس بچے کو سمجھانے سے عاجز ہیں' اس کو اچھے طریقہ سے سمجھانے سے قاصر ہیں مگر انہیں یاد رکھنا چاہیئے کہ شریعت اس بات کی قطعاً اجازت نہیں دیتی کہ بچے کی ہڈیاں پسلیاں توڑ دی جائیں۔

میرے دوستو! بچوں کو تعلیم میں چلانے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ان کو وقتاً فوقتاً ترغیب دے کر محنت کا شوق دلایا جائے۔ بچے معصوم دل ہوتے ہیں۔ اچھی اچھی باتوں کا اثر بہت جلدی قبول کر لیتے ہیں اور ذوق شوق سے محنت کرنے لگتے ہیں۔ یہ ذہن سازی ہے اور بچوں کی ذہن سازی کرنا مستقل ایک کام ہے۔ اس سے بچوں کی شروع ہی سے ذہنی نشوونما ہونے لگتی ہے اور بڑے اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ لیکن بات بات پر بچوں کو ڈانٹنا اور ہر معمولی غلطی پر سزا دینا منفی رویہ ہے۔ اس طرح بچہ ڈانٹ ڈپٹ اور مار سہنے کا آہستہ آہستہ عادی ہو جاتا ہے اور پڑھائی سے دل چرانے لگتا ہے کیونکہ وہ یہی سمجھتا ہے کہ استاد کی ڈانٹ اور مار کٹائی ایک لازمی چیز ہے۔

اس منفی رویہ کا ایک اور بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ بچوں کے دل میں استاد کی عقیدت اور ادب نہیں رہتا بلکہ استاد سے بغض' نفرت اور وحشت جنم لیتی ہے۔ اور یہی چیزیں آہستہ آہستہ پختہ ہو کر اس کو مستقل باغی بنا دیتی ہیں اور وہ جوان ہو کر بھی مسجد' مدرسہ اور مولوی سے متنفر رہتا ہے اور اعمال صالحہ سے خالی ہی دنیا سے چلا جاتا ہے۔ اب

دیکھئے، کتنی بڑی خرابی پیدا ہوئی اور ان خرابیوں کے ذمہ دار مسجد کے قاری صاحب اور مدرسے کے استاد ہیں۔ جہاں تک بھولنے کا تعلق ہے تو یہ ایک فطری چیز ہے۔ کیا انبیاء علیھم السلام سے سہو سرزد نہیں ہوئیں؟ حالانکہ انبیاءؑ پر تو جاکر انسانیت کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ یہ اس لئے کہ بھول اور لغزش تو آدم کے خمیر میں رکھ دی گئی ہے جو ایک مفید چیز ہے بشرطیکہ اصلاح مناسب طریقہ سے کر دی جائے۔

بھول اور لغزش پر یہی مثبت سوچ ہے اور بھول پر لال پیلا ہو کر سزا دینا منفی سوچ ہے۔ اگر سزا دینا ضروری ہی ہو تو درد اور چوٹ والی سزا دینے کی بجائے ایسی سزا دی جائے جو تھکا دینے والی ہو مثلاً دیر تک کھڑا رکھنا، دونوں ہاتھ اوپر کروا دینا، ایک پاؤں اوپر کروا دینا، دونوں ہاتھوں میں معمولی وزن پکڑا کر دونوں بازوؤں کو متوازی کر دینا وغیرہ۔ اور ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ غلطی پر سزا دینے کی بجائے اچھا سبق سنانے والوں کو انعام دیا جائے تاکہ دوسرے بچے بھی ذوق و شوق کے ساتھ سبق یاد کریں۔

ایک اور بات بھی ضمناً عرض کردوں کہ بعض مدارس میں اساتذہ اپنے طلبا سے بات کرتے وقت بڑی بے احتیاطی سے کام لیتے ہیں۔ بعض بچوں کو خواہ مخواہ ہی شیطان، خبیث، خنزیر، بدمعاش جیسے ناموں سے پکارتے ہیں۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ برے ناموں سے بلاتے ہیں۔ اور بعض کو ان کے اصل ناموں کو بگاڑ کر پکارتے ہیں۔ حالانکہ ان کے منصب اور مرتبہ کے اعتبار سے یہ بات بالکل مناسب نہیں ہے۔ ویسے بھی اللہ رب العزت کا ارشاد ہے وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ایک دوسرے کو برے نام مت دو۔ لہٰذا ان کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیئے کہ جن بچوں کو آج ہم اس طرح تربیت دے رہے ہیں آخر آگے جا کر جب یہی بچے استاد بنیں گے اور پھر اپنے شاگردوں سے بات کرتے وقت یہی منفی رویہ اپنائیں گے تو اس کا گناہ کس کو ہوگا؟ خدارا! اللہ کے مہمانوں سے یہ سلوک کر کے اپنی آخرت خراب نہ کیجئے۔

سوچ کا اثر عملی زندگی پر: دنیا کی یونیورسٹیوں کا یہ جاننے کیلئے سروے کیا گیا کہ امتحانوں میں فرسٹ آنے والے طالب علم کس ذہن کے

مالک ہوتے ہیں۔ کئی طرح سے Analyze (تجزیہ) کیا گیا اور مختلف وجوہات پر غور کیا گیا تو ایک بات سب میں Common (مشترک) نکلی کہ فرسٹ آنے والے طلباء مثبت سوچ کے حامل ہوتے ہیں جس کی وجہ سے ان میں Confidence (اطمینان) بھی زیادہ تھا۔

حقیقت یہی ہے کہ اگر سوچ Positive (مثبت) ہو تو انسان کے اندر کا سسٹم بھی ٹھیک کام کرتا ہے کیونکہ انسان کی سوچ Internal system (اندرونی نظام) کو کنٹرول کرتی ہے۔ اگر انسان کی سوچ Negative (منفی) ہو جائے تو اندر کا سسٹم بھی غلط چلتا ہے کیونکہ انسانی دماغ بدن میں Head Controller کی حیثیت رکھتا ہے۔ انسانی دماغ بڑے پیچیدہ Nervous system (نظام عصبی) کے ذریعے جسم کے تمام نظاموں کو کنٹرول کرتا ہے اور وہ سارا نظام نہایت ہی حساس اور متاثر ہونے والا ہوتا ہے۔ جس کے باعث سوچ کا مثبت یا منفی رخ بہت ہی آسانی سے Internal System (اندرونی نظام) کو متاثر کرتا ہے۔ صرف سوچ کے بدلنے سے اندر کا سسٹم بالکل بدل جاتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر کمرے سے بلی کو بھگاتا ہو اور دروازہ کھلا ہو تو وہ آسانی سے بھاگ جائے گی اور اگر دروازہ بند کر کے اسے مارنے کی کوشش کریں گے تو وہ گلے پڑ جائے گی۔ کیوں؟ اس لیے کہ اس کی سوچ حالات کے مطابق بدل گئی۔ نئی صورت حال سے نمٹنے کیلئے اس نے اپنے آپ کو تیار کر لیا اور لڑنے کیلئے کمربستہ ہو گئی۔ وہی بلی جو معمولی حرکت یا آواز کے ڈر سے بھاگ جاتی، صرف سوچ بدل جانے سے اپنے سے سینکڑوں گنا قوی انسان سے مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہو گئی۔

آج طلبا امتحان کیلئے کیوں تیار نہیں ہوتے؟ حالانکہ وقت ہوتا ہے، صحت ہے، ذہانت ہے لیکن پڑھنے کو جی نہیں چاہتا۔ کیوں دل نہیں چاہتا؟ اس لئے کہ سوچ منفی ہو گئی ہے۔ جس کے باعث ذہنی طور پر تیار نہیں ہو سکتے۔ اس طرح اندر کا سسٹم ڈاؤن ہونے سے انسان کے اندر Will Power (قوت ارادی) نہیں رہتی۔ یہ چیز اللہ کو ناپسند ہے۔ حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ اللہ تعالی بلند ہمتی کو پسند فرماتے ہیں اور بلند ہمت لوگ ہی زندگی میں کامیاب ہوتے ہیں کیونکہ ان کے ساتھ اللہ کی مدد شامل ہوتی ہے۔

God helps those who help themselves

(خدا ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں)

اس سے ثابت ہوا کہ عملی زندگی میں شاندار کامیابی حاصل کرنے کیلئے اور اپنے اچھے مقاصد کے حصول کیلئے انسان کے اندر خود اعتمادی اور مضبوط قوت ارادی کا موجود ہونا بہت ضروری ہے۔ اور ان اعلی صفات کے حصول کیلئے آدمی کی سوچ کا مثبت ہونا ضروری ہے کیونکہ منفی سوچ کے ساتھ ان صفات کا پیدا کرنا ناممکن ہے۔

ایک باکسر (Boxer) کی مثال: مائیک ٹائی سن دنیا کا بڑا باکسر تھا۔ کسی مقدمہ میں ملوث ہونے کی وجہ سے جیل میں بند رہا۔ جیل میں اسے باقاعدہ Practice (ورزش) کرنے کا موقع نہ ملا لیکن پھر بھی کسی نہ کسی درجہ میں وہ پریکٹس کرتا رہا اور اپنے آپ کو فٹ رکھا۔ اسی دوران اس نے اسلام قبول کرلیا تو اسکا نیا نام عبدالعزیز رکھا گیا۔ جب وہ جیل سے باہر آیا تو اسے چیمپئن باکسر نے چیلنج کیا۔ اس نے قبول کرلیا۔ مقابلہ سے پہلے دونوں کا انٹرویو اخبار میں شائع ہوا۔ اس عاجز نے بیرون ملک میں ان کا انٹرویو خود پڑھا ہے۔ مخالف باکسر نے لمبا چوڑا انٹرویو دیا کہ میں اس کی ناک توڑ دوں گا' بازو توڑ دوں گا اور اتنا ماروں گا کہ اسے چھٹی کا دودھ یاد آجائے گا۔ اور جب انہوں نے مائیک ٹائی سن (عبدالعزیز) سے انٹرویو لیا تو اس نے ایک ہی بات کہی کہ "یہ تو پپو ہے"۔ بس اس نے ایک ہی جواب دیا اور اپنے ذہن کو Tension (تناؤ) سے فارغ رکھا اور ایسے ہی ہوا کہ ٹائی سن نے اپنے حریف کو دو تین منٹ میں شکست دے دی۔

حضرت داؤدؑ کا ایک دلچسپ واقعہ: بائبل میں ایک واقعہ لکھا ہے۔ قرآن پاک میں بھی اسکا مختصر ذکر ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت طالوت علیہ السلام وقت کے بادشاہ جالوت کے مقابلے کیلئے گئے۔ جالوت بڑا لحیم و شحیم' جسیم اور طاقتور تھا۔ اس کی شکل و صورت ہی ایسی تھی کہ دیکھنے سے ہیبت طاری ہو جاتی تھی۔ طالوتؑ ضعیف العمر تھے اور حضرت داؤدؑ جوان العمر تھے اور ماشاء اللہ اٹھتی جوانی تھی۔ جب دونوں حضرات نے جالوت کو دیکھا تو حضرت طالوت علیہ السلام

نے فرمایا:

It is very dificult to kill him because he is very big.

(اسے مارنا تو بہت مشکل ہے کیونکہ یہ تو بہت بڑا ہے)

ادھر حضرت داؤد علیہ السلام فرمانے لگے

It is very easy to kill him because he is very big,

I never miss him.

(اسے مارنا تو بہت آسان ہے کیونکہ یہ تو بہت بڑا ہے۔ میرا نشانہ کبھی خطا نہ ہو گا) اور ایسے ہی ہوا کہ حضرت داؤدؑ نے پتھر جالوت کی پیشانی پر مارا اور ختم کر دیا۔ تو جو بھی آدمی مضبوط قوت ارادی سے کام کرتا ہے اللہ تعالی بھی اس کی مدد کرتے ہیں۔

خیر خواہی مثبت سوچ میں ہے: آدمی کی سوچ مثبت ہونی چاہیئے۔ مثبت سوچ سے اپنا بھی فائدہ ہوتا ہے اور دوسروں کا بھی کیونکہ خیر خواہی مثبت سوچ میں پوشیدہ ہے۔ اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃ (دین سراسر خیر خواہی ہے) مومن اپنا بھی خیر خواہ ہوتا ہے اور دوسروں کا بھی خیر خواہ ہوتا ہے۔ ایمان کی یہ لازمی شرط ہے کہ ایمان والا دوسروں کا خیر خواہ ہوتا ہے۔ بد خواہی ایمان کے کمزور ہونے کی علامت ہے۔ بدخواہ اپنے ایمان کی دھجیاں اڑا دیتا ہے۔ ایک آدمی نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو گالی دی لیکن آپؑ نے اسے جواب میں دعا دی۔ آپ نے فرمایا' کُلُّ اِنَاءٍ یَتَرَشَّحُ بِمَا فِیْہِ (ہر برتن سے وہی کچھ نکلتا ہے جو کچھ کہ اس میں ہوتا ہے)۔ جو کچھ اس میں تھا اس نے باہر نکالا اور جو کچھ مجھ میں تھا میں نے وہی باہر نکالا۔ قرآن پاک میں اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ اچھائی اور برائی برابر نہیں ہو سکتی اور فرمان ہے کہ برائی کو اچھائی سے دور کردو' برائی کا بدلہ اگر اچھائی سے دیا جائے تو دشمن بھی یار بن جاتا ہے۔

مقصد کے تعین میں مثبت سوچ کا کردار: مثبت سوچ رکھنے والا آدمی دنیا میں کچھ کر کے جاتا ہے' ذکر کرنے والا ہمیشہ مثبت سوچ کا حامل ہوتا ہے۔ آپ بھی دل میں پختہ ارادہ کرلیں کہ دنیا میں کچھ کر کے

مرنا ہے۔ عزم صمیم کرنے کیلئے کوئی مقصد متعین کریں کہ میں نے اس مقام تک پہنچنا ہے۔ مقصد متعین کرلینے سے آدمی کو کام کرنے کا ایک میدان مل جاتا ہے۔ جب تک انسان کے سامنے کوئی مقصد نہ ہو تو زندگی میں کامیابی مشکل ہے۔ اس طرح تو جیسے دنیا میں آئے تھے ویسے ہی گزر جائیں گے۔ لیکن یاد رکھیں کہ مقصد متعین کرنے کیلئے سوچ کا مثبت ہونا اور مضبوط قوت ارادی بنیادی شرط ہے۔ اگر منفی سوچ کے ذریعے مقصد کا تعین کیا جائے گا تو بجائے فائدہ کے الٹا نقصان ہو گا۔ مثبت سوچ اور Will Power (قوت ارادی) کے ذریعے ناممکن کام بھی ممکن بن جایا کرتے ہیں۔

ایک یورپی مصنف کی دلچسپ مثال:

اٹلی کا ایک ڈاکٹر بڑا محنتی آدمی تھا۔ وہ عربی جانتا تھا اور اس نے عرب حکماء کی عربی کتابوں کا ترجمہ اطالوی زبان میں کیا۔ اسے اس کام میں دو سال لگے۔ اس کے بعد وہ بیمار ہوگیا۔ ڈاکٹروں نے تشخیص کی کہ کینسر کا مرض ہے اور یہ بھی بتایا کہ زیادہ سے زیادہ دو سال تک یہ زندہ رہے گا۔ دو سال کے بعد اس کی Death (موت) متوقع ہے۔ اب وہ بستر پر آرام کی حالت میں تھا۔ اس کے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ کاش! میں عرب حکماء کی باقی کتابوں کا ترجمہ بھی اپنی اطالوی زبان میں کردوں تاکہ مخلوق کا فائدہ ہو۔ چنانچہ اس نے Decide (فیصلہ) کرلیا کہ ترجمہ کرنا ہے۔ اس نے لائبریری میں سے عرب حکما کی بہت سی کتابیں منگوالیں جو کہ طب و حکمت سے متعلق تھیں۔ جب ان کی Sorting (چھان بین) کی کہ کونسی کتابیں اہم ہیں جن کا ترجمہ ہونا چاہیئے تو وہ کتابیں اس نے الگ کرلیں اور انہیں گنا تو وہ اسی (80) کتابیں تھیں۔ اب وہ ترجمہ کرنے کیلئے ذہنی طور پر تیار ہو گیا۔ حالانکہ وہ بیمار تھا' کینسر کا شدید مریض تھا' اس سے بڑھ کر یہ کہ اسے موت سر پر منڈلاتی نظر آ رہی تھی لیکن اس سب کے باوجود وہ اس عظیم مہم کیلئے بالکل تیار ہوگیا۔ اس نے ترجمہ کرنا شروع کردیا۔ اسے ہر دن وقت کے کم ہونے کا احساس بھی دامن گیر تھا لیکن وہ اپنے کام میں لگا رہا۔ آپ حیران ہوں گے کہ اس نے پورے دو سالوں کے اندر 80 کتابوں کا ترجمہ اطالوی زبان میں مکمل کرلیا۔

آج اس ڈاکٹر کو دنیا کا سب سے بڑا Translator (ترجمان) مانا جاتا ہے۔ اور "Genns book of world record." میں آج بھی اس شخص کا نام لکھا ہوا ہے۔ اسے یہ اعزاز اسلئے ملا کہ اس کے پیچھے "مثبت سوچ" کی قوت کار فرما تھی۔ اس نے سوچا کہ چلے تو جانا ہی ہے تو یہ دو سال کیوں ضائع ہوں' فارغ رہنے سے مصروف رہنا ہی بہتر ہے۔ اور پھر اس کے سامنے ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اگر عرب حکماء کی ان اہم ترین تصانیف کا ترجمہ ہو گیا تو علم کا ایک بیش بہا خزانہ اطالوی زبان میں آجائے گا۔ چنانچہ اس کی جوان ہمتی نے ناممکن کام کو بھی ممکن بنا دیا۔

موت کی علامات پانے پر ڈاکٹر کی ذمہ داری:

یورپی ممالک میں ڈاکٹر حضرات قریب الموت لوگوں میں یوں وقت کا احساس پیدا کر دیتے ہیں۔ لیکن ہمارے ہاں Third World (تیسری دنیا) میں Death expected (قریب الموت) مریضوں کو بتاتے ہی نہیں کہ اتنے دنوں میں اس کی موت واقع ہو جائے گی۔ بلکہ اس سے یہ بات چھپائی جاتی ہے یہ بات ٹھیک نہیں ہے۔ یورپ میں تو بالکل کھلے لفظوں میں بتا دیتے ہیں تاکہ مریض ذہنی طور پر اس کیلئے تیار ہو سکے اور جن سے لین دین وغیرہ کرنا ہے وہ کر لے اور گھر والوں کو نصیحت وصیت کر سکے۔ اسی طرح یہاں بھی ڈاکٹروں کو چاہیے کہ بتا دیا کریں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ توبہ کر لے اور اس کی برکت سے ایمان کی حالت میں چلا جائے اس لئے کہ مومن کا عقیدہ ہے کہ یہاں کا مقام عارضی ہے اور ایک دن تو مرنا ہی ہے اس لیے اگر بتا دیا جائے کہ اتنے وقت تک Death ہو جائے گی تو وہ نصیحت وصیت کر سکے گا' لین دین نمٹا لے گا اور کچھ اللہ توبہ کر کے راضی برضا ہو کر تیار ہو جائے گا۔ اس میں زیادہ فائدہ ہے۔ اسی لئے حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ مرتے وقت کوئی نیک آدمی پاس ہونا چاہیے تاکہ وہ اسے ذکر و اذکار کی ترغیب دے۔ ویسے بھی عمر جتنی بھی کم ہو حساب کم دینا پڑے گا۔ حدیث پاک میں کہیں نہیں آیا کہ رسول پاک ﷺ نے درازی عمر کیلئے دعا فرمائی ہو۔ یہ دعائیں تو فرمائی ہیں کہ علم میں اضافہ فرما' صحت و عافیت کیلئے دعا مانگی لیکن یہ دعا نہیں مانگی ہو گی کہ عمر طویل ہو۔

شاید ایک آدھ مرتبہ عمر میں برکت کی دعا فرمائی ہو۔

حضرت خواجہ بایزید بسطامیؒ کو جب کسی کی موت کی خبر ملتی تو فرماتے' اچھا ہوا چھوٹ گیا۔ یعنی اچھا ہوا جو آزاد ہو گیا۔ کیونکہ دنیا تو مومن کیلئے قید خانہ ہے اور قید خانے سے رہائی ہوتے ہوئے غم نہیں ہوتا بلکہ خوشی ہوتی ہے۔ جو دنیا کی اس جیل سے آزاد ہو کر اپنے اصلی گھر آخرت میں پہنچ گیا وہ رہائی پا گیا۔

بلند ہمتی.... اللہ کی مدد کا محور!!!:

لیکن اس قید خانہ سے رہائی پانے کیلئے انسان کو بلند ہمتی سے رہنا پڑے گا۔ اللہ تعالی بلند ہمتی کو پسند فرماتے ہیں' بلند ہمت انسان کے ساتھ اللہ کی مدد ہوتی ہے بلکہ خود اللہ تعالی بلند ہمت مرد مومن کے ساتھ ہوتے ہیں۔

God helps those who help themselves.

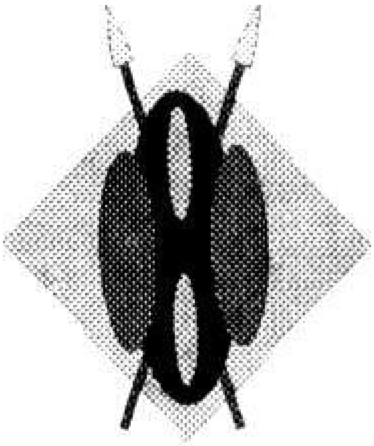
(خدا ان کی مدد کرتا ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں)

جب انسان بلند ہمتی کا مظاہرہ کرتا ہے تو پھر بدر میں مٹھی بھر جماعت مسلح لشکر جرار کو خاک آلود کر دیا کرتی ہے' سینکڑوں من وزنی دروازہ ایک نیزہ کی نوک سے اکھڑ جایا کرتا ہے' نعرہ تکبیر کی گونج سے قیصر و کسری کے بلند و بالا قلعے زمین بوس ہو جایا کرتے ہیں۔ جب مرد مجاہد اللہ کی مدد کے ساتھ اٹھتا ہے تو دریاؤں اور طوفانی موجوں کو راستہ دینا پڑتا ہے۔ میرے آقا ﷺ کے سپاہیوں کیلئے درندوں کو بھی جنگل خالی کرنا پڑا۔ حضرت شرحبیل رضی اللہ عنہ ایک دبلے پتلے صحابی ہیں۔ ایک جنگ کے موقع پر ایک قلعہ کئی دن سے فتح نہیں ہو رہا تھا۔ ایک دن اس مرد قلندر کا جذبہ ایمانی جوش میں آتا ہے' اپنا گھوڑا دوڑا کر اکیلے اس قلعہ کے پاس جاتے ہیں اور تین مرتبہ بلند آواز سے نعرہ تکبیر بلند کرتے ہیں اللہ اکبر' اللہ اکبر' اللہ اکبر! پورے کا پورا قلعہ زمین بوس ہو جاتا ہے۔ یہ قلبی جمعیت تھی' تعلق باللہ تھا' قوت ایمانی تھی کہ قوی ہیکل اور ناقابل تسخیر قلعہ بھی مجاہد کے نعرہ تکبیر کے سامنے نہ ٹھہر سکا۔ جی ہاں ایسا ہوتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ بندہ کی طرف سے قوت ایمانی کے ساتھ ساتھ ہمت' عزم و ارادہ اور محنت بھی ہو۔

زندگی کی مہلت اور سالکین کی ذمہ داری:

سالک کو چاہیئے کہ وہ پختہ ارادے کے ساتھ کمربستہ ہو جائے۔ اس کا مقصود حقیقی اور محبوب حقیقی سامنے ہے' اگر محبوب سامنے ہو تو پھر جان کی بازی لگا کر بھی اس کے قدموں تک پہنچ جایا کرتے ہیں۔ محبوب کے سامنے ہوتے ہوئے سستی اور دیر کا کیا مطلب؟ یہ مناسب نہیں ہے۔ دنیا کے محبوبوں کے ساتھ یہ معاملہ ہوتا ہے کہ عاشق اپنی جان محبوب فانی کے قدموں پر نچھاور کر دیتا ہے تو محبوب حقیقی جو تمام حسن و جمال کا خالق و مالک ہے اس کے ساتھ عشق و محبت کا انداز کیا ہونا چاہیئے۔ زندگی کی تھوڑی سی مہلت کی قدر کرلیں۔ جس طرح کوئی دریا کو تیر کر عبور کر رہا ہو تو کنارے کے قریب آکر وہ ہاتھ پاؤں تیزی سے مارتا ہے اگرچہ وہ تھکا ہوا ہو پھر بھی سوچتا ہے کہ کنارہ تو سامنے ہی ہے۔ اسی طرح سالک کو چاہیئے کہ وہ دریائے زندگی کے کنارے یعنی موت کو سامنے سمجھ کر جلدی جلدی ہاتھ پاؤں مارلے' ذکر و عبادت کرلے اور اپنے محبوب کو راضی کرلے تاکہ موت کے وقت ندا آرہی ہو' یَآ اَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّۃُ ○ اِرْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَۃً مَّرْضِیَّۃً ○ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ○

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ○



ان الله يحب الذين يقاتلون فى سبيله صفا كانهم بنيان مرصوص

بے شک اللہ تعالیٰ محبت کرتے ہیں ان لوگوں سے جو لڑتے ہیں اس کے راستے میں صف باندھ کر صف باندھ کر گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں

☆☆☆

صوفیائے کرام اور جہاد

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ كَفٰى وَ سَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى اَمَّا بَعْدُ!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ○

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ○

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ وَ سَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○

سلوک کسے کہتے ہیں؟:

سلوک کہتے ہیں راستے کو اور سالک کہتے ہیں اس راستے پر چلنے والے کو۔ گویا سالک وہ بندہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستے پر چل رہا ہو۔ جس کی منزل اللہ کی رضا اور اللہ کی لقا ہو۔ سالکین اپنی تمناؤں کا مرکز اور محور اللہ رب العزت کی ذات کو بنا لیتے ہیں۔ ان کو اس راستہ پر چلتے ہوئے کچھ رکاوٹیں پیش آتی ہیں۔ سب سے بڑی رکاوٹ انسان کی اپنی سستی ہے۔ حضرت خواجہ محمد معصومؒ فرماتے ہیں کہ اسمیں منزل تک پہنچنے کے لئے سالک کی سستی کے علاوہ کوئی اور چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی۔

انقلابی نظریۂ حیات:

جس سالک کے دل میں یہ جذبہ جم جائے کہ میں نے اپنے آپ کو بدلنا ہے، اللہ رب العزت کے رنگ میں اپنے آپ کو رنگنا ہے، محبت الٰہی سے اپنے دل کو بھرنا ہے تو اس کیلئے اوراد و وظائف کا ایسا راستہ متعین کر دیا گیا ہے کہ جس پر چل کر وہ اپنی منزل پر پہنچ جائے گا۔ حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند بخاریؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اللہ رب العزت سے ایک ایسا طریقہ مانگا جو موصل ہے۔ اس راستے پر لاکھوں انسان چلے۔ ان کے دن بدلے، راتیں بدلیں، صبح بدلی، شام بدلی، گویا ان کی زندگی کے اندر ایک انقلاب آگیا۔

• آج کا کوئی سالک یہ سمجھے کہ مجھے بیعت ہوئے اتنا عرصہ ہو چکا ہے مگر مجھے اپنے اندر

کوئی کیفیت اور تبدیلی محسوس ہی نہیں ہوئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دوا ہی استعمال نہیں کر رہا' یا دوا استعمال کر رہا ہے تو ساتھ بدپرہیزی بھی کر رہا ہے۔ اگر دنیا کے سب سے بڑے طبیب سے نسخہ لکھوا کر اسے جیب میں ڈال لیا جائے تو کبھی شفاء نصیب نہیں ہوگی۔ اگر وہ ڈاکٹر سے شکایت کرے کہ فائدہ نہیں ہوا تو وہ کہے گا کہ اسے جیب میں ڈالنے کی ضرورت نہیں بلکہ اسے پیٹ میں ڈالنے کی ضرورت ہے۔ یہ کوئی ایسا نسخہ نہیں ہے کہ ہم اور آپ اسے پہلی دفعہ استعمال کر رہے ہیں' بلکہ اسے امت کے کروڑوں انسان استعمال کر چکے ہیں اور ان کی زندگیوں میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں۔ چنانچہ ہمیں بھی چاہئے کہ ہم ان اوراد و وظائف کو پابندی سے کریں تاکہ ہمارے دلوں میں بھی محبت الٰہی کی آگ روشن ہو۔ پھر دیکھنا اللہ رب العزت اس دنیا میں ہمیں کیسے معرفت نصیب فرما دیتے ہیں۔ ٹھیک ہے ہماری ہمتیں کم ہیں' آج ہمارے اندر جذبہ کی کمی ہے مگر دل میں تمنا تو ہو۔

سینے میں دل آگاہ جو ہو کچھ غم نہ کرو نا شاد سہی
بیدار تو ہے' مشغول تو ہے' نغمہ نہ سہی فریاد سہی

دل کی گرہ کیسے کھلتی ہے؟

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ تصوف اضطراب کا دوسرا نام ہے۔ اضطراب نہ رہا تو تصوف ختم ہو گیا۔ جو آدمی اپنے قلب میں اللہ رب العزت کی محبت کی حرارت محسوس نہیں کرتا وہ سمجھ لے کہ مجھے ابھی طریقت سے کچھ حاصل نہیں ہوا۔ یہ ممکن نہیں کہ اللہ والوں کے ساتھ نسبت بھی ہو پھر اس کے دل میں محبت کی چنگاری نہ بھڑکے' یہ کیسے ممکن ہے؟ اللہ والوں نے ایسے اوراد و وظائف متعین کر دیئے ہیں کہ جیسے ہی انسان سلسلۂ عالیہ میں داخل ہوتا ہے اور مراقبہ کرنا شروع کر دیتا ہے تو اللہ رب العزت اس کے دل کی گرہ کو کھول دیتے ہیں۔

اللہ سے ملنے کا شارٹ کٹ راستہ:

مشائخ عظام نے اللہ رب العزت سے ملنے کیلئے شارٹ کٹ (مختصر) راستہ اختیار کیا ہے اور وہ ہے دل میں محبت الٰہی کا بھر دینا۔ دل میں جب محبت الٰہی بھر جاتی ہے تو پھر انسان کیلئے راستے

کو ہموار کر دیتی ہے۔

عقل عیار ہے سو بھیس بنا لیتی ہے
عشق بیچارہ نہ ملا ہے نہ زاہد نہ حکیم
عقل کو تنقید سے فرصت نہیں
عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ

مشائخ عظام عشق کے پروں سے ایسا اڑاتے ہیں' محبت الٰہی کا جذبہ دل میں ایسا بھر دیتے ہیں کہ آدمی ساری دنیا کی چیزوں سے منقطع ہو کر ایک اللہ رب العزت کے ساتھ واصل ہو جاتا ہے۔ یہ مال اور دنیا کی چیزوں کی محبت بہت معمولی باتیں ہیں۔ اللہ والوں کے راستے میں یہ مکڑی کے جالے کی طرح کمزور بن جایا کرتی ہیں کیونکہ جب دل کے اندر جذبہ ہوتا ہے اور انسان اس جذبہ سے قدم اٹھاتا ہے تو پھر اس قسم کی رکاوٹیں دور ہو جایا کرتی ہیں۔ اصول کی بات بھی یہی ہے کہ جس آدمی کے دل میں منزل پر پہنچنے کی تمنا ہو تو وہ راستے میں چٹان دیکھ کر پیچھے نہیں ہٹا کرتا بلکہ چٹان پر قدم رکھ کر اس راستے کو پار کر جایا کرتا ہے۔

اللہ والوں کا زہد: اللہ والوں کو اللہ کی محبت کی وجہ سے دنیا کی سب چیزیں معمولی نظر آتی ہیں۔ وہ ہر ایک سے بے نیاز ہو کر ایک اللہ کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ یقین کیجئے کہ دنیا میں مالدار آدمی جب ایک دوسرے پر فخر کرتے ہیں تو اللہ والوں کے نزدیک یونہی ہوتا ہے کہ جیسے بھنگی اپنے پاس گندگی کے ٹوکرے زیادہ ہونے پر فخر کر رہے ہوں۔ مثال کے طور پر اگر کوئی بھنگی دوسرے بھنگی پر فخر کرے کہ میرے پاس گندگی کے تین ٹوکرے ہیں اور دوسرا کہے کہ نہیں' میرے پاس چار ٹوکرے ہیں تو ہمیں کتنا عجیب لگے گا کہ یہ کونسی فخر کرنے والی بات ہے۔ اسی طرح جن لوگوں کے دلوں میں محبت الٰہی سما چکی ہوتی ہے ان کی نظر میں مال و دولت پر فخر کرنے والوں کی حیثیت بھنگی سے زیادہ نہیں ہوتی۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہیدؒ ہمارے سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے ایک بزرگ ہیں۔ ایک دفعہ بادشاہ وقت نے ان سے کہا کہ میں بہت خوش ہوں کہ آپ نے اتنے لوگوں

کی اصلاح فرمائی ہے' میں چاہتا ہوں کہ اپنی سلطنت میں سے ایک علاقے کی گورنری آپ کے سپرد کردوں۔ مگر حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ نے عجیب جواب دیا۔ فرمایا' قرآن پاک میں اس پوری دنیا کو اللہ رب العزت نے قلیل کہا ہے' قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ (بتا دیجئے کہ دنیا کی یہ متاع تھوڑی سی ہے) جب اللہ نے اس پوری دنیا کو تھوڑا کہا ہے تو اس تھوڑی سی دنیا میں سے تمہیں تھوڑا سا حصہ ملا ہے اور اس میں سے اگر تم مجھے تھوڑا سا حصہ دو گے تو اتنا تھوڑا لیتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔ لہٰذا میں معذور ہوں اور میں آپ کی یہ پیش کش قبول نہیں کر سکتا۔

اللہ کی محبت میں فنا ہونے کا مقام:

دوستو! اگر ہمیں پتہ چل جائے کہ اللہ رب العزت کی معرفت میں کیا مزہ ہے تو پھر ہمیں اپنے آپ پر افسوس ہونے لگے کہ ہم اس کے مقابلے میں دنیا کی چیزوں کو ترجیح دیتے پھرتے ہیں۔ جس کو ذکر میں فنائیت نصیب ہو جاتی ہے تو پھر محبت الٰہی اس کے دل میں ایسی رچ بس جاتی ہے کہ دنیا کی چیزیں اس کی نظر میں ہیچ ہو جایا کرتی ہیں۔ یقین کیجئے کہ اللہ والوں کی نظر میں زلف فتنہ گر بھی دم خر بن جایا کرتی ہے۔ اللہ رب العزت جس سالک کو فنائیت کا مقام عطا فرماتے ہیں وہ دنیا کے حسینوں کی طرف تھوکنا بھی پسند نہیں کرتے۔ جی ہاں! محبت الٰہی دل میں سما چکی ہوتی ہے' سینہ روشن ہو چکا ہوتا ہے اور دل میں ایسی آگ لگ چکی ہوتی ہے جو دنیا سے انسان کو بے زار کر دیتی ہے۔

مشائخ کرام نے فرمایا ہے کہ اَلْفَانِي لَا يُرَدُّ (جو فانی ہو جاتا ہے وہ واپس نہیں آتا)۔ مطلب یہ ہے کہ جس کو ایک دفعہ فنا فی اللہ کا مقام نصیب ہو جاتا ہے پھر وہ اس راستے سے واپس نہیں ہٹتا۔ اس کی تشریح مشائخ کرام نے اس طرح کی ہے کہ اگر کوئی آدمی بالغ ہو جائے تو کیا وہ دوبارہ نابالغ بن سکتا ہے؟ یا اگر پھل پک جائے تو کیا وہ دوبارہ کچا ہو سکتا ہے؟ جس طرح یہ نہیں ہو سکتا اسی طرح فنا فی اللہ کا مقام نصیب ہونے کے بعد وہ انسان دنیا کی محبت کی طرف نہیں بھاگ سکتا کیونکہ اس کے دل میں محبت الٰہی ایسی غالب آچکی ہوتی ہے کہ وہ اللہ کے نام پر اپنا مال' اپنی جان بلکہ سب کچھ قربان کر دیا کرتا ہے۔

سیدنا صدیق اکبرؓ کا انداز محبت: سیدنا رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دلوں میں محبت الٰہی کا ایسا جذبہ بھر دیا تھا کہ جب ان کو اللہ کے نام پر خرچ کرنے کا حکم دیا جاتا تو وہ سب کچھ لا کر نبی اکرم ﷺ کے قدموں میں ڈھیر کر دیتے تھے۔ غزوہ تبوک کے موقع پر جب مالی قربانی دینے کا وقت آیا تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سب کچھ سمیٹ کر نبی اکرم ﷺ کے قدموں میں لا کر رکھ دیا۔ حتیٰ کہ دیواروں پر ہاتھ پھیر کر دیکھا کہ کہیں کوئی سوئی تو نہیں رہ گئی۔ نبی اکرم ﷺ نے پوچھا کہ پیچھے کیا چھوڑ آئے ہو؟ بتایا کہ میں پیچھے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو چھوڑ آیا ہوں۔ اپنا لباس بھی دے دیا' اس کی جگہ ٹاٹ کا لباس پہن لیا۔ حضرت شیخ الحدیثؒ کہتے ہیں کہ جس محفل میں انہوں نے سب مال کی قربانی دی اسی محفل میں ٹاٹ کا لباس پہن کر بیٹھے تھے کہ اتنے میں جبرئیلؑ تشریف لے آئے۔ حضور ﷺ نے دیکھا تو فرمایا جبرئیل! آج تم کس لباس میں آئے ہو؟ تم نے ٹاٹ کا لباس کیوں پہنا ہوا ہے؟ جبرئیلؑ عرض کرنے لگے' اے اللہ کے نبی ﷺ! آج ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اس عمل پر اللہ تعالیٰ اس قدر خوش ہوئے ہیں کہ آسمان کے سب فرشتوں کو حکم دے دیا ہے کہ تم بھی ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرح ٹاٹ کا لباس پہن لو۔ مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ابو بکرؓ کی طرف سلام بھیجا ہے۔ سبحان اللہ۔ اللہ رب العزت کتنے قدر دان ہیں۔ ہم واقعی بے قدرے ہیں۔ اسی لئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا' وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ (اور انہوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جیسی کرنی چاہئے تھی)۔

محبت والوں کی راتیں: سلف صالحین کے حالات زندگی میں لکھا ہوا ہے کہ وہ رات کے اندھیرے کا اس طرح انتظار کرتے تھے جس طرح کوئی دولہا اپنی دلہن سے ملنے کیلئے رات کے اندھیرے کا منتظر ہوا کرتا ہے۔ یہ انتظار کس لئے ہوتا تھا؟ اسلئے کہ ہم اللہ کے ساتھ بیٹھ کر راز و نیاز کی باتیں کریں گے۔ وہ اللہ کی محبت میں سسکیاں لے لے کر روتے تھے۔ آج ایسے چہرے بہت کم نظر آتے ہیں جو رات کے آخری پہر میں اٹھیں اور اللہ کی محبت میں سسکیاں لے لے کر رو رہے ہوں' ان کے دل میں محبت الٰہی اتنی رچ بس چکی ہو کہ انہیں یاد الٰہی کے سوا اور کسی چیز کے اندر لطف اور سکون ہی نہ

آتا ہو۔

آج سالکین طریقت کا یہ حال ہے کہ رات کو اٹھنا تو دور کی بات' ان سے اگر پوچھا جاتا ہے کہ مراقبہ کرتے ہیں؟ جواب ملتا ہے کہ ٹائم نہیں ملتا۔ کیا تہجد پڑھتے ہیں؟ جواب ہوتا ہے کہ سستی ہو جاتی ہے۔ یاد رکھیں کہ اللہ کی محبت حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ تہجد میں اٹھنے کا معمول بنایا جائے اور نفل پڑھ کر مراقبہ کیا جائے۔ مراقبہ میں بیٹھتے وقت کبھی کبھی یہ شعر پڑھا کریں۔ اس شعر سے خود ذاتی طور پر مجھے بہت فائدہ ہوا۔ مراقبہ میں بیٹھتے وقت اگر آدمی ایک دو دفعہ اسے پڑھ لے تو بہت لطف آتا ہے۔ کہنے والے نے عجیب بات کہی:

؎ مجھے اپنی پستی کی شرم ہے تیری رفعتوں کا خیال ہے
مگر اپنے دل کو میں کیا کروں اسے پھر بھی شوق وصال ہے

محبت الٰہی کی برکت: میرے دوستو! رات کے آخری پہر میں اللہ رب العزت کے حضور اپنی جبین نیاز جھکانے کی بہت زیادہ برکات ہیں۔ روایات میں آتا ہے کہ روز محشر ابھی حساب کتاب قائم نہیں ہوا ہو گا کہ ایک گروہ جنت کے دروازے پر پہنچا ہوا ہو گا۔ وہاں رضوان سے جو کہ جنت کا داروغہ ہے کہیں گے' اے رضوان! جنت کے دروازے کھول دے' ہمیں جنت میں جانے دے۔ رضوان حیران ہوں گے اور کہیں گے' یا اللہ! ابھی تو حساب کتاب بھی نہیں ہوا اور یہ لوگ جنت میں جانے کا مطالبہ کر رہے ہیں۔ اللہ رب العزت فرمائیں گے' رضوان! میرے یہ وہ بندے ہیں جو دنیا میں میری محبت میں سرشار تھے' یہ میرے لئے اداس رہتے تھے' رات کو میرے ساتھ راز و نیاز کی باتیں کرتے تھے' ان کے پہلو ان کے بستروں سے جدا رہتے تھے' ان کو دنیا کی رنگینیاں مجھ سے غافل نہیں کر سکتی تھیں' یہ ہر چیز سے ہٹ کٹ کر میرے چاہنے والے تھے' یہ مجھے چاہتے تھے اور میں انہیں چاہتا تھا' آج یہ یہاں آئے ہیں' جنت کے دروازے کھول دے اور ان کو بغیر حساب کتاب کے اس میں داخل کر دے۔

تصوف پر اعتراض کا جواب: آج کل لوگ تصوف پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ

لوگ مصلے پر بیٹھے رہتے ہیں' تسبیح پھیرنی سکھاتے ہیں' اللہ کی محبت کا دم تو بھرتے ہیں مگر اللہ کی راہ میں جہاد نہیں کرتے۔ فقیر نے تصوف کی تاریخ کا پچھلے دنوں اس لئے مطالعہ کیا کہ پتہ چلے کہ کیا جہاد میں بھی صوفیائے کرام کا کچھ کردار رہا ہے یا نہیں؟ یقین کیجئے کہ ایسی ایسی باتیں سامنے آئیں کہ حیران ہوگیا اور اس نتیجہ پر پہنچا کہ جو کوئی یہ کہتا ہے کہ اللہ والے جہاد نہیں کرتے وہ شخص جاہل ہے یا متجاہل' گویا اسے اسلام کی تاریخ کا پتہ ہی نہیں ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص یہ کہے کہ صوفیاء جہاد نہیں کرتے تو آپ جواب دیجئے کہ ہاں' امن کی حالت میں اپنے نفس سے جہاد کرتے ہیں اور جب دین اسلام کیلئے جانی قربانی دینے کا وقت آتا ہے تو پھر ان کے ہاتھ میں تسبیح نہیں ہوتی بلکہ تلواریں ہوتی ہیں۔ پھر وہ مصلے پر نہیں بیٹھتے بلکہ گھوڑوں کی پیٹھ پر بیٹھا کرتے ہیں۔ وہ راتوں کو جاگنے اور بھوکا پیاسا رہنے کے عادی تو ہوتے ہی ہیں لہٰذا ان اللہ والوں کیلئے اللہ کے راستے میں جان یا مال قربان کرنا کوئی بڑی بات نہیں ہوتی۔ اللہ کی قسم! اللہ کے نام پر اگر کوئی انہیں سولی پر لٹکائے تو یہ سولی کو بوسہ دے کر سولی پر چڑھ جایا کرتے ہیں اور زبان حال سے کہتے ہیں۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

تاتاری فتنے کا توڑ کس نے کیا؟

ساتویں صدی ہجری میں جب علم کلام کی ٹھنڈی ہواؤں نے مسلمانوں کے سینوں کو بالکل یخ کر دیا تھا' اس وقت تاتاری فتنہ اٹھا اور ہلاکو خان نے اسلامی سلطنت مسلمانوں کے ہاتھوں سے کھینچ لی۔ ہر جگہ انہوں نے مسلمانوں کو اپنا محکوم بنا لیا۔ یہ بے دین لوگ تھے جو تقریباً سارے عالم اسلام پر غالب آگئے۔ اس وقت تمام مسلمان غلام بن گئے۔ تخت و تاج کفر کے ہاتھوں میں چلا گیا۔ حکومت ان کی تھی' قانون ان کا تھا اور مسلمان رعایا بن کر زندگی گزار رہے تھے۔ اس وقت مسلمان تلوار کے ساتھ مقابلہ کرنے کی جرات نہیں رکھتے تھے۔ دلوں میں اتنی بزدلی آچکی تھی کہ تاتاریوں نے جب جلال الدین خوارزم شاہ کی واحد اسلامی سلطنت اور عباسی خلافت کا چراغ گل کر دیا تو یہ ضرب المثل بن گئی کہ اِذَا قِیْلَ لَکَ اِنَّ

التَّاتَارَ اِنْهَزَمُوْا فَلاَ تَصَدَّقْ (اگر کوئی کہے کہ تاتاریوں نے شکست کھائی تو یقین نہ کرنا)۔

اس وقت کون لوگ تھے جنہوں نے اس ڈوبتی کشتی کو سہارا دیا؟ یہ مشائخ صوفیا ہی تھے۔ کہیں مولانا روم ؒ نے بیٹھ کر اسی دور میں مثنوی شریف لکھی اور لوگوں کے دلوں کو گرمایا اور کہیں حضرت محمد در بندی ؒ نے انہی تاتار شہزادوں کے سینوں پر توجہات ڈالیں۔ ان کے سینوں پر نگاہیں گاڑ کر ان کے دل کی دنیا کو بدلا۔ حتی کہ تیس سال کے بعد انہی شہزادوں میں سے ایک شہزادہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوا۔ اس کے بعد باری باری سب شہزادے مسلمان ہوتے گئے۔ بالآخر وہ تخت و تاج جو عالم اسلام کے ہاتھوں سے نکل چکا تھا دوبارہ اسلام کو نصیب ہوا۔

یہ کس کی برکت تھی ؟ کونسی تلوار چلی؟ ظاہری تلوار نہیں چلی تھی بلکہ قلب و نظر کی تلوار نے وار کیا تھا' جس نے ان کے سینوں سے پار ہو کر ان کے دلوں کو بدل دیا تھا۔ چنانچہ وہ وقت بھی آیا کہ یہ تاتار خود اسلام کا جھنڈا لے کر پوری دنیا میں کھڑے ہوئے اور سلطنت دوبارہ اسلام کے ہاتھوں میں آئی۔ یہ انہی مشائخ صوفیاء کا فیضان تھا۔ علامہ اقبال نے لکھا ہے:

ہے عیاں آج بھی یورش تاتار کے افسانے سے
پاسبان مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

یہ مشائخ صوفیاء ہی تھے جنہوں نے صنم خانوں سے بت پرستوں کو اور ظلمت کدوں سے ان فتنہ انگیز لوگوں کو نکال کر ان کے دلوں کو گرما کر انہیں موحد بنایا اور اسلام کا جھنڈا ان کے ہاتھوں میں تھمایا۔

شیخ احمد شریف ؒ اور ان کے مریدین کا جہاد: صحرائے اعظم افریقہ میں ایک خانقاہ سنوسیہ تھی۔ اس خانقاہ میں ایک بزرگ شیخ احمد شریف ؒ گزرے ہیں۔ جب افریقہ پر اطالویوں نے حملہ کیا تو انہوں نے اپنے مریدین کو اکٹھا کر کے فرمایا' آج اسلام کیلئے جان دینے کا وقت ہے لہٰذا دشمن کے خلاف

سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاؤ۔ چنانچہ ان کے مریدین اطالویوں کے خلاف جنگ لڑنے لگ گئے۔ ظاہری طور پر تو وہ بے سرو سامان تھے مگر ان کے دلوں میں توکل اور محبت الٰہی کا بیش بہا خزانہ تھا جس کی وجہ سے 15 سال تک انہوں نے اطالوی فوجوں کو ناکوں چنے چبوائے۔ آج لوگ ان کو طعنہ دیتے ہیں کہ طرابلس کی جنگ میں خانقاہ سنوسیہ کے بے سرو سامان لوگوں نے 15 سال تک تمہارا کیا حشر کیا۔

امیر عبدالقادر کا جہاد:

الجزائر میں ایک شیخ طریقت امیر عبدالقادر" قیام پذیر تھے۔ 1832ء میں فرانس نے الجزائر پر حملہ کر دیا تو وہ اپنے مریدین کو لے کر دشمن کے سامنے صف آراء ہو گئے۔ 1847ء تک انہوں نے فرانسیسی فوجوں کے ساتھ جنگ کی اور ان کو آرام سے نہ بیٹھنے دیا۔

روس میں مشائخ صوفیاء کا جہاد:

امام منصور" نقشبندی پہلے صوفی شیخ تھے جنہوں نے روسیوں کے خلاف جہاد کا آغاز کیا۔ 1785ء میں ان کے مریدین نے دریائے سون زا کے پل پر ایک روسی فوجی دستے کو گھیر کر تباہ کر دیا۔ روسی ملکہ کیتھرین دوم کی فوج کو اس سے بدترین شکست کا سامنا اس سے پہلے کبھی نہ کرنا پڑا تھا۔ چھ سال کی مسلسل جنگ اور مجاہدین کی بے سروسامانی کی وجہ سے امام منصور" قیدی بنا لئے گئے۔ اور دو سال بعد وہ وفات پا گئے۔ اس کے بعد تیس برس تک نقشبندیوں کی مجاہدانہ سرگرمیاں موقوف رہیں۔

شیخ محمد آفندی" دوسرے نقشبندی شیخ تھے جنہوں نے روسیوں کے خلاف جہاد کا دوبارہ آغاز کیا۔ یہ امام شامل" کے مرشد تھے۔ اس مرتبہ جنگ چھڑی تو 35 سال جاری رہی۔ اگرچہ امام شامل" کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا مگر جانبازی کے اس شاہکار کی یاد مدتوں لوگوں کے دلوں میں محفوظ رہی۔ امام شامل" کی شکست کے بعد سلسلہ قادریہ کے ایک شیخ نے شمالی قفقاز میں روسیوں کے خلاف جہاد شروع کیا۔ 1860- کی پہلی دہائی میں روسی فوج نے ان کے خلاف بڑا آپریشن کیا۔ تاہم 1877ء میں نقشبندی صوفیاء اور قادری حضرات نے مل کر داغستان میں روسیوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا۔

کیمونسٹ انقلاب اور قفقاز کی خانہ جنگی کو روسی حکومت سے نجات پانے کا موقع سمجھتے ہوئے امام نجم الدین" اور شیخ ازون حاجی" نے پہلے روس کی سفید فوج اور بعد میں سرخ فوج کے خلاف مزاحمت کا آغاز کیا۔ یہ بغاوت بالشویکوں کیلئے سب سے بڑا خطرہ ثابت ہوئی۔ امام نجم الدین" نے 1925ء تک جہاد جاری رکھا بالآخر گرفتار ہوئے اور تختہ دار پر لٹکائے گئے۔ انکی ناکامی کے بعد شمالی قفقاز کے مسلمان طویل مدت تک سرکاری سطح پر قتل وغارت گری کا شکار رہے۔ مگر 1928ء میں نقشبندی اور قادری حضرات دوبارہ روسی حکومت کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور 1940ء تک اپنی کاروائیاں جاری رکھیں۔

اس سے قبل ازبکستان کی ریاست فرغانہ میں نقشبندی صوفیاء نے روسی حکومت کے خلاف جہاد کا اعلان کیا' مگر ناکام رہے۔ ان کے قائد ایشاں ملالی" نقشبندی تھے۔ انقلاب روس کے ایک سال بعد 1918ء میں سرزمین فرغانہ سے ایک اور تحریک جہاد اٹھی جسے سماجی تحریک کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جنید خان نقشبندی" اس کے قائدین میں شامل تھے۔ 1928ء میں سرخ فوج نے طویل کاروائیوں کے بعد اس پر قابو پالیا۔

قصہ کوتاہ' بارہویں اور تیرہویں صدی عیسوی میں مشائخ صوفیاء نے فراختائی اور منگول کافروں کی موثر مزاحمت کی۔ اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں وہ زار شاہی سے برسرپیکار رہے اور 1920ء میں انہوں نے سوویت حکومت کے خلاف جدوجہد کی۔ اس سب کچھ کے باوجود اگر کوئی کہے کہ صوفیاء جہاد نہیں کرتے تو اسے جاہل یا متجاہل نہ کہا جائے تو کیا کہیں۔

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے

سید جمال الدین افغانی کا جہاد: جب افغانستان میں جہاد کا مسئلہ پیش آیا تو سید جمال الدین افغانی" نے دشمنوں کے خلاف ہراول دستے کے طور پر کام کیا' وہ شیخ طریقت ہی تو تھے۔

برصغیر کے صوفیاء کا جہاد میں کردار: برصغیر میں جب اکبری دین الہی کی آندھی اٹھی تو اس کو روکنے کے لئے سلسلہ عالیہ

نقشبندیہ کے امام حضرت مجدد الف ثانیؒ کھڑے ہوئے جنہوں نے بڑے بڑے فوجی جرنیلوں مثلاً شیخ فرید اور خان خاناں کے دلوں پر توجہات ڈالیں اور اس آندھی کو دنیا سے اس طرح ختم کیا کہ بدعات و رسومات کا جنازہ نکل گیا۔ گویا رحمت کی بارش برسی اور یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا کے مصداق اسلام کے احکام پھر لاگو کر دیئے گئے۔

اس وقت مجھے شاملی کے میدان کا نظارہ تصور کی آنکھ سے نظر آ رہا ہے۔ حاجی امداد اللہ مکیؒ، سید ضامنؒ شہید وغیرہم حضرات نے انگریز کے خلاف جہاد کیا یہ صوفیا ہی تھے۔ ان کے علاوہ کہیں شیخ محمود الحسنؒ اسیر مالٹا' مالٹا کی جیل میں زنجیریں پہنے ہوئے نظر آتے ہیں تو کہیں ہمیں بالاکوٹ کی وادیوں میں سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ اپنے خون سے سنگریزوں کو سرخ کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ان حضرات نے جہاد میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا۔ حسن البناء جنہوں نے الاخوان کی بنیاد رکھی وہ سلسلہ شاذلیہ کے صاحب نسبت بزرگ تھے۔

سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کے شیخ حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہیدؒ نے اپنے مریدین میں ایسا جذبہ جہاد بھر دیا کہ ایک خاتون اپنے دو بیٹوں کو مخاطب ہو کر کہنے لگی:

بولی اماں محمد علی کی
جان بیٹا خلافت پہ دے دو

اب بتایئے! حضرت مولانا محمد علی جوہرؒ اور مولانا شوکت علیؒ کے دلوں میں جہاد کا جذبہ کس نے بھرا تھا؟ اسی شیخ طریقت نے جنہوں نے خود بھی ایک ظالم کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا۔ ان کی قبر مبارک پر یہ شعر اب بھی لکھا ہے:

بہ لوح تربت من یافتند از غیب تحریرے
کہ ایں مقتول را جز بے گناہی نیست تقصیرے

میری قبر پر غیب سے یہ تحریر پائی گئی کہ اس مقتول کا بے گناہی کے سوا کوئی جرم نہیں۔

حضرت مولانا محمد علی جوہرؒ مسلمانوں کو انگریز کے پنجۂ استبداد سے نجات دلانے کیلئے لندن تشریف لے گئے تاکہ وہاں اخبارات کے ذریعہ مسلمانوں کے جذبات انگریزوں

تک پہنچا سکیں۔ اس دوران میں انہیں جیل میں ڈالا گیا' طرح طرح کی تکلیفیں دی گئیں۔ حتی کہ جب انگریز نے آپ کو جان سے مار دینے کی دھمکی دی تو آپ نے "افضل الجھاد من قال کلمۃ حق عند سلطان جائر" کے مصداق کفر کی آنکھ میں آنکھ ڈال کر کہا:

تم یوں ہی سمجھنا کہ فنا میرے لئے ہے
پر غیب میں سامان بقا میرے لئے ہے
پیغام ملا تھا جو حسین ابن علیؓ کو
خوش ہوں کہ وہ پیغام قضا میرے لئے ہے
اللہ کے رستے کی جو موت آئے مسیحا
اکسیر یہی ایک دوا میرے لئے ہے
توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لئے ہے

اہل اللہ یوں شہادت کے جذبہ سے سرشار ہو کر اللہ کے نام پر جان کی بازی لگا دینے کو سعادت سمجھتے ہیں۔

محبت الٰہی کیسے پیدا ہوتی ہے؟

میرے پیارے دوستو! ان مشائخ صوفیاء نے ذکر اور رابطۂ شیخ کے ذریعے ہی اپنے دلوں میں محبت الٰہی پیدا کی تھی۔ آج بھی ان اوراد و وظائف اور رابطۂ شیخ کو اپنا قیمتی سرمایا سمجھیئے۔ چند دن اس کے مطابق گزار کر دیکھیں کہ انسان کے دل میں اللہ کی محبت کیسے پیدا ہوتی ہے۔

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

یہ عقل کی باتیں نہیں بلکہ عشق کی باتیں ہیں۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

نالہ ہے بلبل شوریدہ تیرا خام ابھی
اپنے سینے میں ذرا اور اسے تھام ابھی

پختہ ہوتی ہے اگر مصلحت اندیش ہو عقل
عشق ہو مصلحت اندیش تو ہے خام ابھی
عشق فرمودہ قاصد سے سبک گام عمل
عقل سمجھی ہی نہیں معنی پیغام ابھی
بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

عقل بیچاری دیکھتی رہ جاتی ہے اور عشق قدم آگے بڑھا چکا ہوتا ہے۔

؎ عشق کی دیوانگی طے کر گئی کتنے مقام
عقل جس منزل پہ تھی اب تک اسی منزل پہ ہے

کتنی عجیب بات ہے کہ آج معمولی معمولی باتیں راستے کی رکاوٹیں بنی ہوئی ہیں۔ کوئی اپنی بد نظری کی وجہ سے پیچھے ہٹا ہوا ہے' کوئی اپنے دفتر کے غلط کام کی وجہ سے پیچھے ہٹا ہوا ہے' کوئی اپنے گھر کے کسی معاملے کیوجہ سے پیچھے ہٹا ہوا ہے' کوئی اپنی طبعی سستی کی وجہ سے پیچھے ہٹا ہوا ہے' کتنی معمولی باتیں راستے کی رکاوٹ بنی ہوئی ہیں۔ ایسے چہرے بہت کم ہیں جو ہر غیر سے ہٹ کٹ کر اللہ کو چاہنے والے بن چکے ہوں۔ میرے پیرو مرشد عجیب شعر پڑھا کرتے تھے:

؎ حال دل جس سے میں کہتا کوئی ایسا نہ ملا
بت کے بندے تو ملے اللہ کا بندہ نہ ملا

یقیناً آج بہت تھوڑے لوگ ہیں جو اپنے پاؤں کے نیچے نفس کو دے کر اللہ کے راستے پر قدم اٹھالیں اور دل میں عہد کرلیں کہ ہم اللہ کی خاطر ہر چیز کی قربانی دینے کے لئے تیار ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے دیدار کی کیفیت: جنت میں جنتی آدمیوں کو ایسی حسین حوریں ملیں گی کہ اگر ان میں سے کوئی ایک حور اپنے دامن کو آسمان دنیا سے نیچے ڈال دے تو سورج کی روشنی ماند پڑ جائے' اگر کسی کھاری پانی میں

تھوک ڈال دے تو وہ میٹھا ہو جائے' اگر کسی مردے سے کلام کرے تو وہ مردہ زندہ ہو جائے۔ وہ ایسا لباس پہنے گی جس میں ستر ہزار رنگ جھلکتے ہونگے۔ جنتی کو اس کے دل کے اٹھتے ہوئے جذبات نظر آئیں گے۔ جنتی جنت میں داخل ہو کر حوروں کے حسن و جمال کو دیکھیں گے تو وہ اتنا زیادہ ہو گا کہ پانچ سو سال تک حیران ہو کر ان کی طرف متواتر دیکھتے رہ جائیں گے اور وقت گزرنے کا پتہ بھی نہیں چلے گا۔

پھر ایک وقت ایسا آئے گا کہ اللہ تعالیٰ جنتیوں سے فرمائیں گے' اے اہل جنت! میں نے تمہارے ساتھ ایک عہد کیا تھا اب وہ وعدہ پورا کرنے کا وقت آگیا ہے۔ جنتی حیران ہوں گے کہ جنت مل گئی' ہر کام ہماری مرضی سے ہوتا ہے' آخر وہ کونسی چیز ہے جو نہیں ملی۔ پھر بتایا جائے گا کہ میں نے اپنے دیدار کا وعدہ کیا تھا۔ چنانچہ جنت عدن کے اندر اس کیلئے انتظام کیا جائے گا۔ جنتیوں کیلئے بازار لگائے جائیں گے۔ اس بازار کے اندر جنتی جو شکل پسند کریں گے وہی شکل ان کی بن جائے گی۔ ریشم کے بنے ہوئے عجیب و غریب لباس ہونگے۔ یہ اپنے آپ کو سجا کر اللہ رب العزت کے دیدار کے لئے جائیں گے۔ وہاں سب سے پہلے حضرت داؤد علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی کتاب (قرآن مجید) سنائیں گے۔ پھر اللہ رب العزت خود اپنا قرآن پاک سنائیں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنا دیدار کروائیں گے۔ کیسا دیدار ہو گا؟ اللہ کا دیدار بے شبہ ہو گا' بےمثال ہو گا' بے کیف ہو گا' بے جہت ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں کہ اس دیدار کی کیا کیفیت ہو گی۔ یہی کہہ سکتے ہیں کہ اے حسن کے پیدا کرنے والے! تیرے اپنے حسن کا کیا عالم ہو گا!!!۔ جب اللہ تعالیٰ دیدار کروائیں گے تو انوارات کی بارش ہو گی اور جنتیوں کے چہروں پر پڑے گی۔ جنتیوں کے چہروں پر اتنا حسن آ جائے گا کہ جب وہ لوٹ کر اپنے گھروں میں آئیں گے تو ان کی حوریں ان کے حسن کو دیکھ کر اتنی فریفتہ ہونگی کہ پانچ سو سال تک ان کے حسن کو دیکھتی رہ جائیں گی۔ جی ہاں' خادم تو خادم ہی ہوتا ہے مالک مالک ہوتا ہے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ حوروں کی خوبصورتی اگر اتنی زیادہ ہے تو اہل جنت کی خوبصورتی کیا کم ہو گی؟ ہرگز نہیں۔ جب دیدار الٰہی ہو گا تو اہل جنت کا حسن بڑھا دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کو اپنی آرزو بنالیں: اللہ رب العزت اس نقشبندی اجتماع کی برکت سے' اس بڑے مقام کی برکت سے' حضرت مرشد عالمؒ کی برکت سے اور خلفائے کرام کے فیضان کی برکت سے ہمیں اپنی سچی پکی محبت عطا فرمائے آمین۔ ثم آمین۔

اللہ وہ دل دے کہ تیرے عشق کا گھر ہو
دائم رحمت کی تری اس پہ نظر ہو
دل دے کہ تیرے عشق میں یہ حال ہو اس کا
محشر کا اگر شور ہو تو بھی نہ خبر ہو

ہر کوئی مست مئے ذوق تن آسانی ہے
تم مسلماں ہو؟ یہ انداز مسلمانی ہے؟
حیدری فقر ہے، نہ دولت عثمانی ہے
تم کو اسلاف سے کیا نسبت روحانی ہے

سلف صالحین کے سبق آموز واقعات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ کَفٰی وَ سَلاَمٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْد!

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰہَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَ ○ سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّتِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَ سَلاَمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ○

دو عظیم نعمتیں: امت محمدیہ ﷺ کو اللہ رب العزت نے دو نعمتیں عطا کیں' ایک کلام اللہ اور دوسری سنت رسول اللہ ﷺ' ایک علم کامل دوسری عمل کامل۔ آپ ﷺ خلق عظیم کے حامل تھے۔ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ نبی اکرم ﷺ کے اخلاق کے بارے میں بتائیں؟ فرمایا' کَانَ خُلُقُہُ الْقُرْآن نبی علیہ الصلوۃ و السلام کے اخلاق قرآن ہیں۔ گویا جو قرآن کو مجسم شکل میں دیکھنا چاہے تو وہ میرے محبوب ﷺ کو دیکھ لے۔ شیخ الاسلام حضرت قاری محمد طیبؒ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن کی عملی تفسیر حیات نبوی ﷺ' ذات و صفات کی آیتیں عقائد نبوی ﷺ' احکام کی آیتیں اعمال نبوی ﷺ' مہر و رحمت کی آیتیں جمال نبوی ﷺ' قہر و غضب کی آیتیں جلال نبوی ﷺ' توجہ الی اللہ کی آیتیں فنائیت نبوی ﷺ' دعوت الی اللہ کی آیتیں بقائیت نبوی ﷺ' نفی غیر کی آیتیں خلوت نبوی ﷺ اور اثبات حق کی آیتیں جلوت نبوی ﷺ' گویا جس طرح قرآن کے علمی عجائبات کی انتہا نہیں اسی طرح سنت کے عملی عجائبات کی انتہا نہیں۔ اللہ اکبر کبیرا۔

عظمت صحابہ رضی اللہ عنہم: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی علیہ الصلوۃ و السلام کے کمالات کا نمونہ ہیں کیونکہ استاد کے کمالات ہمیشہ شاگردوں کے ذریعے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ ہر صحابی رضی اللہ عنہ نبوت کی دلیل بنا۔ اس دنیا سے جب نبی اکرم

ﷺ تشریف لے گئے تو کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہؓ موجود تھے۔ اور اتنے ہی انبیائے کرام علیہم السلام دنیا میں گزرے' ان صحابہؓ میں سے 313 بدری صحابہؓ اور انبیاءؑ میں سے جو رسول گزرے وہ بھی 313 تھے۔ ان صحابہ کرامؓ میں سے چار خلفائے راشدین بنے جبکہ انبیائے کرام علیہم السلام میں سے صاحب کتاب انبیاءؑ بھی چار تھے۔ تو معلوم ہوا کہ جب نبی اکرم ﷺ اس دنیا سے تشریف لے جانے لگے تو آپؐ نے سوا لاکھ انبیائے کرام علیہم الصلوۃ و السلام کے کمالات کو صحابہ کرامؓ میں منتقل کر دیا۔ اس لیے ہر صحابی کسی نہ کسی ایک نبیؑ کے کمالات کا وارث بنا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا' اَلصَّحَابِیْ کَا لنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں تم ان میں سے جس کی بھی پیروی کرو گے' ہدایت پا جاؤ گے۔ فرمایا اَلصَّحَابَةُ کُلُّهُمْ عُدُوْلٌ سب کے سب صحابہ عدل کرنے والے تھے۔ یہ وہی حضرات تھے جن کے سراپا کے بارے میں تورات اور انجیل میں بھی علامات آئی ہیں۔ اللہ رب العزت نے دنیا ہی میں ان حضرات کو جنت کی بشارتیں عطا فرمادیں۔ یہ ایسے ہی نہیں ہوا بلکہ ان کا اللہ تعالیٰ نے باقاعدہ امتحان لیا جس کے بعد انہیں اپنی رضامندی کا سرٹیفکیٹ عطا فرمایا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰی یہ وہ لوگ تھے جن کا امتحان اللہ نے لیا۔ پیپر کونسا تھا؟ فرمایا تقویٰ کا۔ پھر پروردگار نے خود نتیجہ نکالا' کہ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا وہ پکے سچے مومن ہیں۔

صحابہ کرامؓ کا فقہی اختلاف ہمارے لیے رحمت ہے:

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ایک ہی استاد جب اپنے شاگردوں کو ٹریننگ دیتا ہے ان کے اعمال ایک جیسے ہونے چاہئیں' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بھی ایک ہی استاد تھے' ان کے اعمال میں کیوں فرق ہے؟ حکمت اس میں یہ ہے کہ اعمال کے فرق کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں فائدہ دیا ہے کہ ہم اپنی صورتحال کے مطابق ان میں سے کسی ایک کی پیروی کریں۔ مثال کے طور پر نبی ﷺ نے اللہ کے راستے پر خرچ کرنے کا حکم دیا۔ اب اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی چار صورتیں ممکن ہیں۔

پہلی صورت یہ کہ آدمی عشق الٰہی میں اتنا مست ہو کہ جو کچھ ہو سب کا سب اللہ کے راستے میں خرچ کر دے' اگر یہ صورت ہے تو وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نقش قدم پر ہے۔ اور اگر کبھی یہ صورتحال ہوتی ہے کہ اس کی زندگی میں توازن ہے یعنی دین و دنیا دونوں میں اس نے توازن رکھا ہوا ہے تو وہ آدھا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرے اور بقیہ آدھا اپنے اہل و عیال کی ضروریات کے لئے رکھے۔ ایسے شخص کیلئے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے راستے کے قدم موجود ہیں۔ تیسری صورت یہ کہ بعض اوقات انسان کو اللہ تعالی اتنا غنی بنا دیتے ہیں کہ وہ جتنا بھی خرچ کرے' اس کے مال میں کچھ فرق نہیں پڑتا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی زندگی میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں موجود ہیں۔ چوتھی صورت یہ کہ کبھی انسان پر فقر و فاقہ کا ایسا معاملہ ہوتا ہے کہ اس کے پاس دینے کے لئے کچھ بھی نہیں ہوتا تو سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی زندگی اس کے لئے مینارہ نور ہے' کیونکہ ان پر پوری زندگی میں کبھی زکوۃ فرض ہی نہیں ہوئی' کبھی کچھ جمع ہی نہیں کیا۔

اب ان چاروں صورتوں میں سے انسان جس حال میں بھی ہو اس کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں نمونے موجود ہیں۔ پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات میں اللہ تعالی نے امت کیلئے وسعت پیدا کر دی۔

خلفائے راشدین کی بلندیوں کی ترتیب:

جو حضرات خلفائے راشدین بنے وہ اپنے مقام کی بلندیوں کی ترتیب سے بنے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے خلیفہ ہیں اور اسلام بھی سب سے پہلے انہوں نے قبول کیا۔ یاد رکھئے' جب سورج نکلتا ہے تو اس کی روشنی سب سے پہلے اس عمارت پر پڑتی ہے جو سب سے بلند و بالا ہوتی ہے۔ اسی طرح جب نبوت کا سورج طلوع ہوا تو اس کی روشنی سب سے پہلے اس شخصیت پر پڑی۔ جو امت میں سب سے بلند و بالا تھی۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرابت اور رشتہ داری کا معیار سامنے رکھا جائے تو بھی خلفائے راشدین کی ترتیب آسانی سے سمجھ آسکتی ہے۔ شرعاً و عرفاً سسر کا مرتبہ داماد کے مرتبے سے زیادہ ہوتا ہے۔ کیونکہ سسر باپ کی مانند اور داماد بیٹے کی مانند ہوتا ہے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

اسلام میں بھی پہلے داخل ہوئے اور نبی اکرم ﷺ کے سسر بھی بنے لہٰذا پہلے خلیفہ بنے۔ سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ دونوں داماد تھے مگر عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے نصیبے میں حضور اکرم ﷺ کی دو بیٹیاں آئیں۔ اس لئے ذی النورین کہلائے۔ پس وہ تیسرے خلیفہ بنے جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ چوتھے خلیفہ بنے۔

خلفائے راشدین کا تکیہ کلام:

سیدنا صدیق اکبر ؓ کا تکیہ کلام لا الہ الا اللہ تھا۔ یعنی زبان پر اکثر اوقات یہ الفاظ رہتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ مشاہدہ حق میں اس قدر استغراق نصیب تھا کہ ان کی نگاہ ماسوا کی طرف اٹھتی ہی نہیں تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تکیہ کلام اللّٰہ اکبر تھا۔ گویا نظر غیر کی طرف اٹھتی تو تھی مگر تحقیق کی نظر تھی، نظر پہچانتی تھی کہ یہ سب ہیچ ہیں، عظمتوں والی ذات تو صرف اللہ کی ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا تکیہ کلام تھا الحمد للّٰہ ان کو مقام تحمید نصیب تھا گویا اللہ رب العزت کی طرف توجہ کامل تھی مگر جب کبھی غیر کی طرف اٹھتی تھی تو غیر کے نقائص پر ہی پڑتی تھی۔ سوچتے تھے کہ مخلوق میں تو عیوب ہیں اور عیوب سے پاک فقط ایک ہی ذات ہے اس لئے بے اختیار زبان پر الحمد للہ آجاتا تھا۔ اور سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا تکیہ کلام سبحان اللّٰہ تھا۔ کیوں؟ اس لئے کہ ان کو مشاہدۂ حق میں کمال تو حاصل تھا لیکن اگر مخلوق کی طرف نظر اٹھتی بھی تھی تو مخلوق کے کمالات پر پڑتی تھی تو وہ بے اختیار سبحان اللّٰہ کہتے تھے کہ اے کمال والے! تو خود کتنی عظمتوں والا ہے کہ تو نے مخلوق میں بھی ایسی صفات پیدا کردی ہیں۔

صحابہ کرام ؓ کے دو بہترین اوصاف:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں دو باتیں بہت خاص تھیں۔ ایک تو عشق نبوی ﷺ میں ان کو نکتۂ کمال حاصل تھا اور دوسرا اتباع رسول ﷺ میں ان کو انتہا کا مقام نصیب تھا۔

سیدنا صدیق اکبر ؓ کا عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

جب سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ہجرت کیلئے روانہ ہوئے تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا سارا گھرانہ نبی اکرم ﷺ کی خدمت کرنے میں مشغول ہو گیا۔

غور کیجئے کہ ابو بکرؓ خود ساتھ تشریف لے جا رہے ہیں' بیوی سے کہہ دیا کہ ہمارے لئے کھانا بنا دینا' بیٹے سے کہہ دیا کہ سرداران قریش کی سب باتیں رات کو ہمیں پہنچا دینا' غلام سے کہہ دیا کہ ریوڑ چرانے کے بہانے دودھ پہنچا دینا اور بیٹی اسماء رضی اللہ عنہا سے کہہ دیا کہ تمہاری امی کھانا بنائے گی تم وہ کھانا ہمیں پہنچا دینا' چنانچہ اسماء بنت ابو بکرؓ غار ثور میں پہنچاتی رہیں۔ سیدہ اسماءؓ ایک دفعہ کھانا لے کر حاضر ہوئیں تو اللہ کے محبوبؐ نے دیکھا کہ پیشانی پر زخم کا نشان پڑا ہوا ہے' مرجھائی ہوئی سی طبیعت ہے۔ پوچھا' اسماءؓ! کیا ہوا؟ اسماءؓ کہنے لگی' اے اللہ کے محبوب ﷺ! کل جب میں کھانا دے کر واپس جا رہی تھی تو راستے میں ابو جہل مل گیا۔ وہ کہنے لگا' ابو بکر کی بیٹی! تجھے تو پتہ ہو گا کہ تمہارا باپ کدھر ہے اور جہاں تیرا باپ ہو گا وہیں مسلمانوں کے پیغمبر (ﷺ) ہوں گے بتا کہ کیا تجھے پتہ ہے؟ میں نے کہا' ہاں مجھے پتہ ہے۔ پھر پوچھا یہ بھی پتہ ہے کہ تمہارے پیغمبر کہاں ہیں؟ میں نے کہا' ہاں یہ بھی پتہ ہے۔ جب سچ کہہ دیا تو ابو جہل نے پکڑ لیا اور کہنے لگا' بتا کہ وہ دونوں کہاں ہیں؟ نہیں بتاؤ گی تو ماروں گا۔ میں نے کہا' نہیں بتاتی۔ چنانچہ میں ڈٹی رہی۔ اس نے اچانک ایک زوردار تھپڑ میرے چہرے پر لگایا' جس کی وجہ سے میرے دانتوں سے خون نکل آیا۔ آقا ﷺ میں نیچے گری! پتھر پہ میری پیشانی لگی اور خون نکل آیا۔ اس نے مجھے بہت مارا کہ بتا دے مگر میں نے اس کی مار برداشت کی۔ بالآخر میں نے کہا' ابو جہل! تیرا جتنا جی چاہے تو مجھے مار لے' میری جان تو تیرے حوالے مگر محمد عربی ﷺ کو تیرے حوالے نہیں کروں گی۔ سیدہ اسماءؓ کی یہ بات سن کر نبی ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور آپ ﷺ نے اس وقت یہ تاریخی جملے ارشاد فرمائے۔ ابو بکر! میں نے دنیا میں سب کے احسانات کا بدلہ دے دیا ہے لیکن تیرے احسانات کا بدلہ اللہ دے گا۔

غار ثور سے آگے چلے۔ راستے میں نبی ﷺ کو بھوک لگتی ہے۔ کھانے کی کوئی چیز نہیں ہے کیونکہ غار ثور تک تو پیچھے سے کھانا آتا تھا لیکن آگے کچھ نہیں تھا۔ ایک جگہ ایک عورت کے پاس بکری تھی جو دودھ نہیں دیتی تھی۔ ابو بکر صدیقؓ اس کے پاس پہنچے اور پوچھا' کیا میں اس کا دودھ نکال سکتا ہوں؟ اس نے کہا کہ یہ تو دودھ ہی نہیں دیتی۔ کہنے

لگے' اجازت دے دیں۔ اس نے اجازت دے دی۔ یہ نبی اکرم ﷺ کا معجزہ تھا کہ اس کے تھنوں میں دودھ آگیا۔ سیدنا صدیق اکبرؓ دودھ لے کر خدمت میں حاضر ہوئے۔ نبی ﷺ نے دودھ پیا۔ ابوبکر صدیقؓ نے تاریخی جملہ کہا' فرمایا فَشَرِبَ حَتّٰی رَضِيتُ کہ نبی ﷺ نے اتنا پیا اتنا پیا یہاں تک کہ میرا دل خوش ہوگیا۔ سبحان اللہ 'یوں کہا کہ نبی اکرم ﷺ نے اتنا پیا کہ میرا دل خوش ہوگیا۔ یہ نہیں کہا کہ نبی ﷺ نے اتنا پیا کہ ان کا دل خوش ہوگیا۔ یہ عشق و مستی کی بات ہے!!!

ایک مرتبہ سیدنا صدیق اکبرؓ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کی' اے اللہ کے نبی ﷺ! مجھے اپنے والد ابو قحافہ رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کی اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کی ہوئی ہے۔ پوچھا' وہ کیوں؟ عرض کیا' ابو قحافہ اگرچہ میرے باپ ہیں اور ان کے ایمان لانے سے مجھے خوشی ہوئی مگر حضرت عباسؓ آپ ﷺ کے چچا ہیں اور ان کے ایمان لانے سے آپ ﷺ کو خوشی ہوئی۔ مجھے اپنی خوشی سے آپ کی خوشی زیادہ محبوب ہے۔

یہ اس لئے تھا کہ سیدنا صدیق اکبرؓ کو نبی علیہ الصلوۃ والسلام کے ساتھ نسبت اتحادی نصیب تھی۔ اسی لئے نبی علیہ السلام نے فرمایا مَا صَبَّ اللّٰهُ فِيْ صَدْرِيْ اِلَّا وَقَدْ صَبَبْتُهٗ فِيْ صَدْرِ اَبِيْ بَكْرٍؓ اللہ رب العزت نے میرے سینے میں جو ڈالا میں نے اسے ابوبکرؓ کے سینے میں ڈال دیا۔ یہ اتباع کامل کی وجہ سے تھا۔ اس کی دو دلیلیں ہیں۔

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ اور اتباع رسول ﷺ:

1 - سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اتباع سنت میں کمال حاصل تھا حتی کہ ان کا سراپا' ان کا لباس' ان کی گفتار' رفتار' کردار ہر چیز کو نبی اکرم ﷺ سے مشابہت حاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہجرت کے موقع پر ابوبکر صدیقؓ نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ مدینہ طیبہ پہنچے اور وہاں کے لوگوں نے دیکھا تو انہیں دونوں میں سے یہ پہچان کرنی مشکل ہوگئی کہ اللہ کے رسول ﷺ کون ہیں؟ سبحان اللہ۔ اتباع میں کیسا کمال حاصل کیا کہ لوگوں کیلئے تابع اور

متبوع میں پہچان کرنا مشکل ہو گیا۔

2 ۔ نبی اکرم ﷺ پر جب پہلی دفعہ وحی نازل ہوئی تو آپ ﷺ گھر تشریف لائے اور سیدہ خدیجہ الکبری رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں ہلاک نہ ہو جاؤں۔ انہوں نے تسلی دی اور نبی اکرم ﷺ کی تین صفات گنوائیں۔ اِنَّكَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَ تَكْسِبُ الْمَعْدُوْمَ وَ تُعِيْنُ عَلٰى نَوَائِبِ الْحَقِّ پھر کہا کہ اللہ آپ کو ہرگز ضائع نہ کریگا۔ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو کسی نے ان کے غلام سے پوچھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق اپنے تاثرات بیان کرو۔ اس نے وہی تین صفات گنوائیں جو خدیجہ الکبری رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم ﷺ کی گنوائی تھیں۔ یہ نسبت اتحادی کی ٹھوس دلیلیں ہیں۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا عشق رسول ﷺ:

سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا دور خلافت ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کا مشاہرہ زیادہ متعین کیا اور اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا مشاہرہ تھوڑا مقرر کیا۔ حالانکہ وہ علم و فضل میں بڑھے ہوئے تھے۔ ایک دن بیٹے نے پوچھ لیا' ابا جان! اس کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا' زید اور ان کے بیٹے اسامہ رضی اللہ عنہ کو اللہ کے نبی ﷺ کے ساتھ تجھ سے اور تیرے باپ سے زیادہ قرب کی نسبت نصیب تھی اس لئے میں نے اس کا مشاہرہ زیادہ مقرر کیا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اجتہاد:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم من حیث الجماعت تقوی و طہارت اور ایمان و یقین کی بلندیوں پر فائز تھے تاہم جو حضرات علم و دانش اور تجربہ میں ممتاز تھے فقہی احکام کے استنباط کا بوجھ انہی کے کندھوں پر تھا۔ پس خلفائے اربعہ' سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا' حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا' حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ' حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ' حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ' حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ' حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ' حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ' حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ' حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ' حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ' حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ' حضرت عبادہ بن

صامت ؓ، حضرت معاویہ بن ابی سفیان ؓ، حضرت معاذ بن جبل ؓ، حضرت ابی بن کعب ؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ اور حضرت ابو بکرہ ثقفی ؓ یہ سب مجتہد حضرات تھے۔ اسی جماعت کے فیصلے پر فتوے دیئے جاتے تھے۔ مصنف ابن ابی شیبہ میں اس قسم کے فتوے منقول ہیں۔

تابعین کا دور: تابعین کا دور بھی خیر کا زمانہ تھا کیونکہ اللہ کے محبوب ﷺ نے تاکید فرمائی تھی۔ خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ {سب سے بہتر میرا زمانہ ہے پھر ان لوگوں کا جو ساتھ ملے ہوئے ہیں پھر ان کا جو ان کے ساتھ ملے ہوئے ہیں}۔ تابعین نے اگرچہ نبی اکرم ﷺ کو تو نہ دیکھا مگر ان ہستیوں کو ضرور دیکھا جو نبی ﷺ کو دیکھ چکی تھیں۔ انہوں نے ان سے دین سیکھا، ان سے نبی ﷺ کی باتیں سنیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی ﷺ کی باتوں کا ایسا نقشہ کھینچتے تھے کہ تابعین یوں محسوس کرتے تھے جیسے وہ خود اپنی آنکھوں سے حضور ﷺ کو دیکھ رہے ہیں۔ حدیث پاک میں آیا ہے "طُوْبٰی لِمَنْ رَآنِیْ وَمَنْ رَأی لِمَنْ رَآنِیْ" {مبارک ہو اس کو جس نے مجھے دیکھا پھر اس کو جس نے انہیں دیکھا}

فقہائے سبعہ مدینہ:

تابعین مجتہدین میں زیادہ مشہور مدینہ کے فقہائے سبعہ تھے۔

(۱) ابو بکر بن حارث ؒ (۲) سلیمان بن یسار ؒ (۳) خارجہ بن زید ؒ (۴) قاسم بن محمد ؒ (۵) سعید بن المسیب ؒ (۶) عبد اللہ بن عتبہ ؒ (۷) سالم بن عبد اللہ ؒ۔

ائمہ اربعہ کا احسان: پھر اللہ رب العزت نے اپنے اور بندے پیدا فرمائے جو قرآن اور حدیث کے حامل بن گئے۔ امام ابو حنیفہ ؒ 80ھ میں پیدا ہوئے، امام مالک ؒ 95ھ میں پیدا ہوئے، امام شافعی ؒ 150ھ میں پیدا ہوئے اور امام احمد بن حنبل 166ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ چاروں حضرات علم کے آفتاب و ماہتاب تھے۔ انہی سے اللہ رب العزت نے کام لیا کہ انہوں نے قرآن و حدیث کو پڑھ کر لاکھوں سے زیادہ مسائل اخذ کئے اور امت کے لئے اس کو پکی پکائی کھیر بنا دیا تاکہ آنے والے لوگ آسانی سے ان پر

عمل کر سکیں۔ ان حضرات کا امت پر بڑا احسان ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کی تقلید عہد صحابہؓ میں: امام ابو حنیفہؒ نے 115ھ سے فتوی دینا شروع کیا۔ 120ھ میں اپنے استاد کے جانشین بنے۔ اس وقت سے ان کے مقلدین و متبعین میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ صاحب ارشاد الساری نے لکھا ہے کہ حضرت طارق بن شہاب بجلیؓ نے 123ھ میں وفات پائی۔ اس قول کے مطابق یہ کہا جا سکتا ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کی تقلید عہد صحابہ سے ہی شروع ہو گئی تھی۔

محدثین اور فقہاء کے فرائض منصبی: پھر ایک جماعت محدثین کی بنی جس نے حدیثوں کو اکٹھا کیا۔ ان کی مثال صیدلیہ (میڈیکل سٹور) والوں کی مانند تھی، جن کے پاس ساری دوائیاں پڑی ہوتی ہیں۔ محدثین کے پاس اسی طرح احادیث کا ذخیرہ ہوتا تھا۔ فقہاء کی مثال اطباء کی مانند تھی۔ جس طرح صرف اطباء ہی دوائی دے سکتے ہیں اسی طرح فقہاء ہی مسئلہ بتا سکتے تھے۔ امام ترمذی نے کتاب الجنائز میں لکھا ہے کہ اَلْفُقَهَاءُ اَعْلَمُ بِمَعَانِي الْاَحَادِيْثِ کہ فقہاء ہی احادیث کے معانی کو بہتر سمجھنے والے ہیں۔

سلیمان بن مہران جو رجال بخاری میں سے ہیں، انہوں نے ایک مرتبہ امام ابو یوسفؒ سے مسئلہ پوچھا جو انہوں نے بتا دیا۔ سلیمان بن مہران بہت حیران ہوئے کہ آپ نے کہاں سے سیکھا۔ امام ابو یوسف نے کہا، حضرت! آپ ہی سے تو میں نے یہ حدیث سنی ہے۔ کہنے لگے، تیرے ماں اور باپ ابھی ایک بستر پر جمع بھی نہیں ہوئے تھے کہ اس وقت سے مجھے یہ حدیث یاد تھی مگر آپ کے بتانے سے میں نے اس حدیث کے مفہوم کو صحیح طور پر سمجھا۔ فرمایا، نَحْنُ الصَّيَّادُ وَ اَنْتُمْ الْاَطِبَّاءُ کہ ہم تو میڈیکل سٹور والوں کی مانند ہیں اور تم اطباء کی مانند ہو۔ ہم نے یہ سب احادیث پرکھ کر اپنے پاس اکٹھی کر رکھی ہیں مگر کس میں سے کونسا فائدہ لینا ہے تو یہ کام تم لوگ بہتر جانتے ہو۔

امام اعظمؒ اور شجرہ محدثین: یہ عجیب بات ہے کہ محدثین کا سلسلہ امام اعظم ابو حنیفہ پر منتہی ہوتا ہے۔ چند مثالیں دے دیتا

ہوں۔

(1) ۔ امام ابو حنیفہ ← امام ابو یوسف ← شیخ یحیٰ بن معین محدث ← **امام بخاری**

(2) ۔ امام ابو حنیفہ ← امام ابو یوسف ← شیخ یحیٰ بن معین محدث ← **امام مسلم**

(3) ۔ امام ابو حنیفہ ← امام ابو یوسف ← شیخ یحیٰ بن معین محدث ← **امام ابو دائود** ← **امام نسائی**

(4) ۔ امام ابو حنیفہ ← امام ابو یوسف ← شیخ یحیٰ بن معین محدث ← **ابو یعلی موصلی** (صاحب مسند)

(5) ۔ امام ابو حنیفہ ← محدث عبداللہ بن مبارک ← محدث یحیٰ بن اکثم ← **امام ترمذی** ← **امام ابن ماجہ**

(6) ۔ امام ابو حنیفہ ← امام محمد ← **امام شافعی** ← **امام احمد بن حنبل**

(7) ۔ امام ابو حنیفہ ← شیخ مسعر بن کدام محدث ← امام بخاری ← امام ابن خزیمہ ← **دارقطنی**

(8) ۔ امام ابو حنیفہ ← شیخ مسعر بن کدام محدث ← امام بخاری ← امام ابن خزیمہ ← **حاکم** ← **امام بیہقی**۔

(9) ۔ امام ابو حنیفہ ← شیخ مکی بن ابراہیم محدث ← شیخ ابو عوانہ ← **طبرانی**۔

(10) ۔ امام ابو حنیفہ ← شیخ مکی بن ابراہیم محدث ← شیخ ابو عوانہ ← **ابن عدی**۔

(11) ۔ امام ابو حنیفہ ← شیخ فضل بن رکین محدث ← **امام دارمی**۔

(12) ۔ امام ابو حنیفہ ← شیخ فضل بن رکین محدث ← **امام ذہبی**

(13) ۔ امام ابو حنیفہ ← شیخ فضل بن رکین محدث ← **شیخ اسحاق**۔

امام ابو حنیفہؒ کا خلیفہ منصور کو لاجواب کرنا:

امام اعظم ابو حنیفہؒ کو اللہ تعالیٰ نے بڑا کمال عطا فرمایا تھا۔ امت میں ایسے کمال دکھانے والے شاید بہت ہی کم حضرات گذرے ہوں گے۔

ایک مرتبہ وقت کے بادشاہ نے امام ابو حنیفہؒ، امام شعبیؒ امام ثوریؒ اور ایک اور

فقیہ کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ وہ چاہتا تھا کہ ان چاروں میں سے کسی ایک کو چیف جسٹس (قاضی القضاۃ) بنائے لیکن چاروں نہیں بننا چاہتے تھے۔ چنانچہ پولیس والوں نے ان کو گرفتار کرلیا۔ راستے میں جب ایک جگہ پہنچے تو جو چوتھے فقیہ تھے وہ بیٹھے بیٹھے اس طریقے سے اٹھے جیسے قضائے حاجت کی ضرورت ہو۔ پولیس والے انتظار میں رہے اور وہ تو گئے تو چلے ہی گئے۔ یہ حیلہ تھا۔ اب باقی تین رہ گئے۔ امام ابو حنیفہؒ فرمانے لگے، میں قیافہ لگاؤں کہ ہوگا کیا؟ دوسروں نے کہا، ہاں لگائیں۔ کہنے لگے، میں وہاں جاکر ایسی بات کہوں گا کہ خلیفہ منصور کے پاس اس کا جواب ہی نہیں ہوگا۔ لہٰذا میں چھوٹ جاؤں گا۔ امام شعبیؒ بھی کوئی حیلہ کرلیں گے البتہ سفیان ثوریؒ پھنس جائیں گے۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ جب تینوں حضرات کو دربار میں پہنچایا گیا تو امام شعبیؒ ذرا آگے بڑھے اور جاکر خلیفہ منصور سے کہنے لگے، خلیفہ صاحب! آپ کا کیا حال ہے؟ آپ کے بیوی بچوں کا کیا حال ہے؟ آپ کے محل کا کیا حال ہے؟ آپ کے اصطبل کا کیا حال ہے؟ آپ کے گھوڑوں کا کیا حال ہے؟ آپ کے گدھوں کا کیا حال ہے؟ خلیفہ منصور کو عجیب لگا کہ میں جس شخص کو چیف جسٹس بنانا چاہتا ہوں وہ سب کے سامنے میرے گھوڑوں اور گدھوں کا حال پوچھ رہا ہے۔ دل میں سوچا کہ یہ شخص اس اہم منصب کے قابل نہیں۔ چنانچہ امام شعبیؒ سے کہنے لگا کہ میں آپ کو قاضی القضاۃ نہیں بنا سکتا۔ امام شعبیؒ اس طرح بچ گئے۔ پھر خلیفہ امام ابو حنیفہؒ کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا، ابو حنیفہ! میں نے آج کے بعد آپ کو چیف جسٹس بنا دیا۔ امام ابو حنیفہ آگے بڑھے اور فرمایا، میں چیف جسٹس بننے کے قابل نہیں ہوں۔ خلیفہ منصور نے کہا، نہیں نہیں آپ اس قابل ہیں۔ امام ابو حنیفہ نے کہا۔ خلیفہ صاحب! اب دو باتیں ہیں۔ میں نے جو کچھ کہا، یا تو وہ ٹھیک ہے یا وہ غلط ہے۔ اگر تو وہ غلط ہے تو جھوٹ بولنے والا شخص چیف جسٹس نہیں بن سکتا۔ اور اگر وہ سچ ہے تو میں تو کہہ ہی رہا ہوں کہ میں چیف جسٹس بننے کے قابل نہیں ہوں۔ اب خلیفہ حیران، اگر کہے کہ ابو حنیفہ! تو نے ٹھیک کہا تو بھی ابو حنیفہ چھوٹتے ہیں، اگر کہے کہ تو نے غلط کہا تو بھی ابو حنیفہؒ چھوٹتے ہیں۔ امام اعظم ابو حنیفہ نے وقت کے خلیفہ کو بھرے دربار میں لاجواب کردیا۔

امام ابوحنیفہؒ کی معاملہ فہمی کا واقعہ: ایک دفعہ دو میاں بیوی آپس میں خلوت کے لمحات میں تھے۔ خاوند بات کرنا چاہتا تھا' مگر بیوی کچھ ناراض ناراض سی تھی۔ حتی کہ خاوند نے غصہ میں کہہ دیا' اللہ کی قسم! جب تک تو نہیں بولے گی تو میں تیرے ساتھ نہیں بولوں گا۔ جب خاوند نے قسم اٹھائی تو بیوی نے بھی قسم اٹھا دی کہ اللہ کی قسم! جب تک تو پہلے نہیں بولے گا میں بھی نہیں بولوں گی۔ اب وہ بھی چپ یہ بھی چپ۔ رات تو گذر گئی۔ صبح کو دماغ ذرا ٹھنڈے ہوئے تو سوچنے لگے کہ کوئی تو حل ہونا چاہئے۔ چنانچہ وہ سفیان ثوریؒ کے پاس گئے۔ انہیں سارا واقعہ سنایا اور پوچھا کہ اب اس کا کیا حل ہے؟ فرمایا' دونوں میں سے جو پہل کرے گا وہ حانث بن جائے گا۔ اس دور میں جو حانث بن جاتا تھا اس کی گواہی قبول نہیں کی جاتی تھی کیونکہ وہ معاشرے میں اعتبار کے قابل نہیں رہتا تھا۔ لہٰذا دونوں کی خواہش تھی کہ قسم ہماری نہ ٹوٹے۔ اب دونوں پریشان۔ خاوند کو خیال آیا کہ امام ابوحنیفہؒ سے پوچھنا چاہئے۔ چنانچہ ان کے پاس پہنچا تو حضرتؒ نے پوچھا' کیا ہوا؟ کہنے لگا' حضرت! میں بیوی کو بلا رہا تھا مگر وہ بولتی نہیں تھی . مانتی نہیں تھی' میں نے غصہ میں کہہ دیا کہ اللہ کی قسم! جب تک تو مجھ سے نہیں بولے گی میں تجھ سے نہیں بولوں گا۔ وہ تو لڑنے کیلئے پہلے ہی تیار تھی' اس نے بھی قسم اٹھالی کہ جب تک تو نہیں بولے گا میں بھی نہیں بولوں گی' اب ہم پھنسے ہوئے ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا' جاؤ تم اس کے ساتھ بات کرو تمہاری بیوی ہے' میاں بیوی بن کر رہو۔ خاوند ہنستا مسکراتا گھر آیا اور کہنے لگا' میڈم! کیا حال ہے؟ ہیلو' آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟ بیوی نے کہا بس تو حانث بن گیا۔ کہنے لگا' میں تو حانث نہیں بنا۔ اس نے کہا' وہ کیوں؟ کہنے لگا' میں امام ابوحنیفہ سے پوچھ کر آیا ہوں۔ اس دور میں علمی ذوق بہت زیادہ تھا۔ بیوی کہنے لگی' اچھا میں ابھی جا کر مسئلہ پوچھتی ہوں۔ میاں بیوی پہلے سفیان ثوریؒ کے پاس پہنچے' ان کو جا کر بتایا تو وہ کہنے لگے' ابوحنیفہ تو حرام کو حلال کرتا پھر رہا ہے' چلو میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں' انہوں نے کیسے یہ مسئلہ بتا دیا۔

جب یہ سب امام ابوحنیفہؒ کے پاس پہنچے تو سفیان ثوریؒ نے کہا' ابوحنیفہ! تم نے

حرام کو حلال کیسے کر دیا؟ امام ابو حنیفہ ؒ مسکرا کر کہنے لگے، حضرت! میں نے تو حرام کو حلال نہیں کیا، حلال کو حلال کہا ہے۔ آپ ان سے سنیں تو سہی وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ حضرت سفیان ثوری ؒ نے ان سے پوچھا کہ کیا کہہ رہے ہیں؟ امام ابو حنیفہ ؒ نے کہا، حضرت! پہلے خاوند نے کہا کہ جب تک تو نہیں بولے گی میں تجھ سے نہیں بولوں گا اس کے جواب میں بیوی نے بھی قسم اٹھا دی، آپ دیکھیں تو سہی وہ کس سے بات کرتے ہوئے قسم اٹھا رہی ہے، خاوند ہی سے تو بات کر رہی ہے۔ لہٰذا خاوند کی قسم پوری ہو گئی۔ اب بیوی کی قسم باقی تھی، اس لئے میں نے خاوند سے کہا کہ جاؤ تم اس سے بولو گے تو اس کی بھی قسم پوری ہو جائے گی، تم دونوں میاں بیوی بن کر زندگی گذارو۔ سفیان ثوری ؒ اس نکتہ سنجی اور معاملہ فہمی کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔

امام ابو حنیفہ ؒ کے علمی کمالات:

ایک آدمی امام ابو حنیفہ ؒ کے پاس آیا اور آکر ایک عجیب و غریب سوال کیا۔ کئی آدمی الٹے سیدھے سوال کرنے والے بھی ہوتے ہیں۔ اعتراض کرنے والے تو ہر جگہ ہی ہوتے ہیں۔ اگر اہل علم حضرات اعتراض کریں تو کوئی حرج نہیں ہوتا جیسے ابن ابی شیبہ نے 125 ایسے مسائل لکھے اور کہا کہ ابو حنیفہ نے ان مسائل میں حدیث کے خلاف کام کیا ہے۔ مگر ہمارے علماء نے مستقل کتابیں لکھ دیں کہ جناب! آپ سمجھ ہی نہیں پائے کہ امام ابو حنیفہ ؒ نے قرآن و حدیث سب کو سامنے رکھ کر یہ نچوڑ نکالا کیسے تھا؟ قصور آپ کی عقل کا ہے جو یہ سمجھنے سے قاصر ہے۔

بہرحال ایک آدمی آکر کہنے لگا، آپ اس شخص کے بارے میں کیا کہتے ہیں جو (۱) بن دیکھے گواہی دیتا ہو۔ (۲) یہود و نصاری کے قول کی تصدیق کرتا ہو۔ (۳) اللہ کی رحمت سے دور بھاگتا ہو۔ (۴) مردار کھالیتا ہو۔ (۵) جس کی طرف اللہ نے بلایا ہو اس کی پرواہ نہ کرتا ہو۔ (۶) جس سے اللہ نے ڈرایا ہو اس کا خوف نہ کرتا ہو۔ (۷) فتنے کو محبوب رکھتا ہو؟

امام ابو حنیفہ ؒ نے فرمایا، وہ شخص مومن ہے۔ سوال پوچھنے والا بڑا حیران ہوا۔ کہنے لگا، جی وہ کیسے؟ فرمایا، دیکھو، تم نے پہلی بات کی کہ بن دیکھے گواہی دیتا ہو، تو مومن اپنے

پروردگار کی بن دیکھے گواہی دیتا ہے۔ دوسری بات تم نے یہ کہی کہ یہود و نصاریٰ کے قول کی تصدیق کرتا ہے۔ تو قرآن پاک میں آیا ہے کہ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصَارٰى عَلٰى شَيْءٍ وَقَالَتِ النَّصَارٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ تو مومن ان دونوں کے اس قول کی تصدیق کرتا ہے۔ کہنے لگا یہ بھی ٹھیک ہے۔ فرمایا تیسری بات یہ تھی کہ' اللہ کی رحمت سے دور بھاگتا ہے۔ تو دیکھو' بارش اللہ کی رحمت ہے اور بارش سے تو ہر بندہ بھاگتا ہے کہ کہیں کپڑے نہ بھیگ جائیں۔ وہ کہنے لگا' یہ بھی ٹھیک ہے۔ چوتھی بات یہ تھی کہ مردار کھاتا ہے' تو مچھلی مردہ ہوتی ہے' اس کو تو ہر بندہ مزے لے لے کر کھاتا ہے۔ اس نے کہا ٹھیک ہے۔ پانچویں بات یہ کہ جس کی طرف اللہ نے بلایا ہے اس کی طرف رغبت نہیں کرتا۔ پس وہ جنت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف بلایا ہے وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلَامِ مگر اس کو مشاہدہ حق اتنا مطلوب ہے' اللہ کی رضا اتنی مطلوب ہے کہ محبوب حقیقی کی طرف سے نظر ہٹا کر وہ جنت کی طرف نظر ڈالنا کبھی پسند ہی نہیں کرتا۔ چھٹی بات یہ ہے کہ جس سے اللہ نے ڈرایا ہے اس سے وہ ڈرتا نہیں' تو وہ دوزخ ہے۔ اس کو اپنے محبوب کی ناراضگی کی اتنی فکر ہوتی ہے کہ اب اسے جہنم میں جلنے کی پرواہ نہیں ہوتی۔ ساتویں بات یہ کہ اسے فتنہ محبوب ہے۔ پس اولاد کو قرآن میں فرمایا گیا اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ اور اولاد سے ہر شخص کو طبعی محبت ہوتی ہے۔ پس وہ شخص مومن ہے۔ سوال پوچھنے والا شخص حیران رہ گیا۔ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ......۔

عجیب سوال کا حیران کن جواب:

اسی طرح ایک اور آدمی حضرت امام ابو حنیفہؒ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ ہر سوال کا جواب دیتے ہیں۔ فرمایا کہ تم بھی پوچھو۔ کہنے لگا' آپ یہ بتائیں کہ پاخانہ میٹھا ہوتا ہے یا نمکین۔ آپؒ نے فرمایا کہ میٹھا ہوتا ہے۔ کہنے لگا' آپ کے پاس اس کی دلیل کیا ہے؟ فرمایا کہ مکھیاں نمکین چیز پر نہیں بیٹھتیں' ہمیشہ میٹھی چیز پر بیٹھتی ہیں۔

امام مالکؒ کا عشق نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

اللہ رب العزت نے امام مالکؒ کو عشق نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کمال عطا فرمایا تھا۔ مدینہ طیبہ میں چلتے

تھے تو جوتے نہیں پہنتے تھے۔ حتی کہ گھوڑے پر سوار نہیں ہوتے تھے اور فرماتے تھے کہ مالک کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ اس جگہ کو اپنے گھوڑوں کے سموں سے پامال کرے جس جگہ پر میرے محبوب ﷺ چلتے رہے ہوں۔ جب راستہ چلتے تھے تو راستہ کے کنارے پر چلتے تھے کہ کہیں میرے محبوب ﷺ کے قدمین شریفین پر میرے قدم نہ پڑ جائیں اور مالک کہیں بے ادبی کا مرتکب نہ ہو جائے۔ پوری زندگی مدینہ طیبہ میں گذاری لیکن صرف ایک دفعہ حج کیا۔ کیوں؟ اس لئے کہ کہیں دیار محبوبؐ سے باہر موت واقع نہ ہو جائے۔

امام شافعیؒ کا مقام:

امام شافعیؒ کو اللہ تعالیٰ نے کتنا بلند مقام عطا فرمایا تھا؟ ایک مرتبہ معمولی سے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور اسی حالت میں بال کٹوانے کیلئے حجام کے پاس پہنچ گئے۔ اس نے دور سے دیکھا تو سوچا کہ اتنے معمولی کپڑے ہیں' اس کے پاس کیا ہوگا' چنانچہ اس نے دور سے ہی کہہ دیا کہ میرے پاس وقت نہیں۔ حضرتؒ سمجھ گئے۔ غلام سے پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ دینار ہیں؟ اس نے کہا' جی تھیلی بھری ہوئی ہے۔ فرمایا' یہ ساری تھیلی اس کو دے دو۔ تھیلی بھی دے دی اور اس سے کہا کہ میں تجھ سے بال بھی نہیں کٹواتا۔ باہر نکل کر تاریخی شعر ارشاد فرمایا:

علی ثیاب لو یباع جمیعها

بفلس لکان الفلس منهن اکثرا

کہ میرے اوپر ایسے کپڑے ہیں کہ اگر ان تمام کپڑوں کو پیسوں کے عوض میں بیچ دیا جائے تو ایک درہم بھی ان کپڑوں کی قیمت سے زیادہ ہو جائے مگر ان کپڑوں میں ایک ایسی جان ہے کہ اگر تم ساری دنیا میں ڈھونڈ کر دیکھو تو تمہیں اس وقت ایسی جان نظر نہیں آئے گی۔

امام احمد بن حنبلؒ کی استقامت:

امام احمد بن حنبلؒ استقامت کے پہاڑ تھے۔ مسئلہ خلق قرآن میں ان پر اتنے کوڑے لگائے گئے کہ اگر ہاتھی پر لگائے جاتے تو وہ بھی بلبلا اٹھتا۔ مگر جب امام احمد بن حنبلؒ پر لگ رہے ہیں تو زبان سے صرف اللہ کا ذکر جاری تھا۔ تکلیف کی وجہ سے کراہنے کی آواز بھی نہیں

آ رہی تھی۔

رزق حلال کے انوارات: امام احمد بن حنبلؒ ایک دفعہ امام شافعیؒ کے گھر پہنچے۔ امام شافعیؒ نے اپنی بیٹیوں کو بتایا کہ ایک بڑے عالم آ رہے ہیں' ان کے لئے اچھا کھانا تیار کرنا ہے۔ چنانچہ بیٹیوں نے اچھا کھانا بنا کر کمرے میں رکھ دیا۔ رات کو تہجد کیلئے مصلی بھی رکھ دیا اور وضو کیلئے لوٹا بھی رکھ دیا۔ امام احمد بن حنبلؒ تشریف لائے' کھانا کھایا اور لیٹ گئے۔ صبح اٹھے تو نماز فجر کیلئے مسجد تشریف لے گئے۔ بچیاں کمرے میں صفائی کرنے کیلئے آئیں تو دیکھا کہ برتن میں جو دو تین آدمیوں کا کھانا رکھا تھا وہ سارا ہی ختم ہو چکا تھا' مصلی جیسا رکھا تھا ویسے ہی پڑا ہے' پانی جیسے بھرا تھا ویسے ہی موجود ہے۔ یہ دیکھ کر بڑی حیران ہوئیں کہ ان کی تعریفیں تو بہت سنی تھیں مگر یہ تو بڑے بسیار خور نکلے' تہجد بھی نہیں پڑھی اور صبح بھی بے وضو ہی چلے گئے۔

جب امام شافعیؒ گھر آئے تو بیٹی نے ساری بات کہہ سنائی۔ سچے لوگ تھے امام شافعیؒ نے امام احمد بن حنبلؒ کو صورتحال بتائی کہ میری بیٹی تو یہ پوچھ رہی ہے۔ کہنے لگے' حضرت! جب میں نے پہلا لقمہ کھایا تو مجھے اپنے سینے میں نور نظر آیا۔ ہر لقمے پر میرے سینے کا نور بڑھ رہا تھا۔ میں نے کہا' معلوم نہیں زندگی میں اتنا حلال اور پاک رزق پھر مجھے نصیب ہو گا یا نہیں' کیوں نہ اس کھانے کو اپنے جسم کا حصہ بنا لیا جائے۔ میں نے اس لئے خوب پیٹ بھر کر کھانا کھایا۔ پھر میں بستر پر سونے کے لئے لیٹا تو میرے سینے میں نور اتنا تھا کہ میں قرآن کی آیتوں اور نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی حدیثوں میں غور و فکر اور تدبر کرتا رہا حتی کہ اسی طرح صبح کا وقت ہو گیا۔ درمیان میں خیال تو آیا کہ تہجد پڑھ لوں مگر میں نے کہا کہ علم کا ایک باب سیکھنا ہزار رکعت نفل پڑھنے سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔ لہٰذا میں اسی علمی سوچ بچار میں مشغول رہا۔ صبح جب آپ آئے تو میں فجر پڑھنے چلا گیا' نہ میرا وضو ٹوٹا اور نہ ہی مجھے وضو کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ اس لئے میں نے عشاء کے وضو سے جا کر صبح کی نماز پڑھ لی۔

فقہ حنفی کا اعزاز: امت مسلمہ کو اللہ تعالی نے چار فقہیں عطا فرمائیں۔ ان میں سے فقہ

حنفی وہ فقہ ہے جس کو مسلمان ممالک کے اندر قانون کی حیثیت سے لاگو ہونے کا شرف حاصل رہا ہے۔ جب خلافت عثمانیہ کا دور تھا تو ملک کا قانون فقہ حنفی کے مطابق اسلامی شریعت تھا اور جب برصغیر پاک و ہند میں مغل بادشاہوں کا دور تھا اس وقت اس برصغیر میں بھی حکومت کی طرف سے فقہ حنفیہ نافذ تھی۔ یہ اعزاز صرف فقہ حنفی کو حاصل ہے۔ اور الحمد للہ آج آپ دیکھئے کہ پاکستان' ہندوستان' افغانستان' بنگلہ دیش' ترکی' ازبکستان' ترکمانستان' آذربائی جان' قزاقستان' تاجکستان' تاتارستان' رشیا' یوکرائن' عراق' شام اور ترکی میں فقہ حنفیہ پر عمل کرنے والوں کی اکثریت ہے۔ غور کیجئے کہ یہ آدھی دنیا سے زیادہ علاقہ بنتا ہے۔

امت مسلمہ کی کمزوری کی بنیادی وجہ:

ان چاروں فقہوں کے ائمہ نے علم پر اتنا کام کیا کہ مخلوق خدا علم سے فیضیاب ہوتی رہی۔ ایک ایک عالم کے حلقہ درس میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ ہوتے تھے۔ مگر ہوا یہ کہ جب دنیادار لوگوں نے دیکھا کہ ان علماء کی بہت عزت کی جاتی ہے اور وقت کے خلفاء ادب سے ہاتھ باندھ کر ان کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ تو وہ دنیادار لوگ بھی کتابیں پڑھنے لگ گئے اور کتابیں پڑھنے کے بعد درباری ملا بن گئے۔ ان درباری ملاؤں نے آپس میں مناظرے کرنے شروع کر دیئے۔ دلیلیں چلتی رہیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ علمائے کرام کا بیشتر وقت آپس کے بحث مباحثے اور مناظروں کی نذر ہونے لگ گیا۔ چنانچہ ایک وقت وہ بھی آیا جب عوام الناس ان کی باتوں کو سنتے تو تھے مگر ان کے دل متوجہ نہیں ہوتے تھے۔ اس طرح امت مسلمہ کے اتحاد میں دراڑیں پڑنی شروع ہو گئیں۔

تاتاری فتنہ میں مسلمانوں کا نقصان:

اب ایسے فتنہ و انتشار کے وقت میں کفار نے مسلمانوں پر شب خون مارا۔ ساتویں صدی ہجری میں تاتاری فتنہ اٹھا اور اس نے مسلمانوں کے ہاتھ سے حکومت چھین لی۔ بغداد میں ایک دن میں اڑھائی لاکھ مسلمانوں کو ذبح کیا گیا۔ گندے پانی کی نالیوں میں مسلمانوں کا خون بہہ رہا تھا۔

امام اوزاعیؒ اپنی کتاب میں لکھتے ہیں کہ جب تاتاریوں نے بغداد پر قبضہ کیا تو انہوں نے مسلمانوں کی کتابوں سے دریائے دجلہ کے اوپر پل باندھا تھا۔ انگریزوں نے بھی جب اندلس کو فتح کیا تو انہوں نے مسلمانوں کی کتابوں کو ضائع کرنا شروع کیا۔ آپ حیران ہوں گے کہ کتابوں کے اتنے ذخیرے تھے کہ ان کو ضائع کرنے میں چالیس سال لگے۔ یہ دین اسلام کو شرف حاصل ہے کہ جتنی کتابیں اس دین پر لکھی گئیں اتنی کتابیں کسی اور دین پر نہیں لکھی گئیں۔ تصنیف و تالیف کو اللہ تعالیٰ نے اس دین کی خصوصیت بنا دیا ہے۔

- شمس الائمہ امام سرخسیؒ کنویں میں نظر بند رہے۔ شاگرد اوپر منڈیر پر بیٹھے ہوئے ہیں اور یہ امام محمدؒ کی کتاب "مبسوط" کی شرح لکھوا رہے ہیں۔ مبسوط کی شرح 30 جلدوں میں لکھی گئی۔ وہ شرح آج علمائے کرام پڑھ رہے ہیں۔
- امام حسن بن مندہؒ نے مرتے وقت حدیث کی کتابوں کے چالیس صندوق چھوڑے جو ان کے اپنے ہاتھوں سے لکھی ہوئی کتابیں تھیں۔
- حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد طبرانی صاحب معاجم ثلاثہ طلب حدیث میں 33 سال گھومتے پھرتے رہے اور ایک ہزار مشائخ سے علم حاصل کیا۔
- ابو حاتم رازیؒ نے خود بیان کیا کہ تحصیل علم حدیث کیلئے نو ہزار میل پیادہ چلے۔
- ابن مقریؒ نے ایک نسخہ "ابن فضالہ" کی خاطر 840 میل کا سفر کیا۔
- حافظ ابو عبداللہ اصفہانیؒ نے طلب حدیث کیلئے 120 مقامات کا سفر کیا۔
- شیخ ابن جوزیؒ نے بر سر منبر کہا کہ میں نے ان اپنی انگلیوں سے دو ہزار جلدیں لکھیں۔ ان کی وصیت کے مطابق ان کی قلموں کے تراشوں سے غسل کا پانی گرم کیا گیا۔
- امام ادب ثعلبؒ ناقل ہیں کہ برابر پچاس برس سے ابراھیم حربی کو ہر محفل ادب میں موجود پاتا ہوں۔
- امام رازیؒ نے فرمایا "واللہ انی اتاسف فی الفوات عن الاشتغال بالعلم فی وقت الاکل فان الوقت والزمان عزیز" (اللہ کی قسم مجھے کھانے کے وقت علمی مشاغل کے چھوٹ جانے کا افسوس ہوتا ہے کیونکہ وقت مجھے بہت عزیز ہے)

- امام غزالیؒ کی تعلیقات جو انہوں نے ابو نصر اسمٰعیل سے لکھی تھیں لٹ گئیں۔ آپ نے ڈاکوؤں کے سردار سے واپس مانگیں۔ وہ ہنسا کہ تم نے خاک سمجھا۔ ایک کاغذ نہ رہا اور تم کورے ہو گئے۔ تعلیقات تو اس نے آپ کو دے دیں مگر آپ متواتر تین برس تک مسائل یاد کرتے رہے اور حافظ بن گئے۔
- قرطبی سے منقول ہے کہ امام شاطبیؒ نے جب قصیدہ شاطبیہ لکھا تو اسے ساتھ لیکر بیت اللہ شریف کے بارہ ہزار طواف کئے۔ جب دعا کے مقامات پر پہنچتے تو کہتے '

اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ رَبَّ ھٰذَا الْبَیْتَ الْعَظِیْمِ اِنْفَعْ بِھَا کُلَّ مَنْ قَرَءَ ھَا

اے آسمان اور زمین کے بنانے والے۔ حاضر و غیب کے جاننے والے۔ اس گھر کے پروردگار جو اس کتاب کو پڑھے اسے فائدہ عطا فرما

- عورتیں بھی علمی کارناموں میں پیچھے نہیں رہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے عورتوں کی مجلس کیلئے ایک دن مقرر فرمایا تھا۔ شفاء عدویہ کو متعین فرمایا کہ ام المومنین حفصہ رضی اللہ عنہا کو لکھائی سکھائیں۔ سلف صالحین میں قاضی عیسی اپنی بیٹیوں کو روزانہ عصر کے بعد کتابیں پڑھاتے تھے۔ چنانچہ بعض عورتیں محدثہ بنیں۔ کریمہ مروزیہ اور سیدہ نفیسہ بنت محمد بہت مشہور ہیں۔ حافظ ابن عساکر نے 80 عورتوں سے لڑکپن میں حدیث پڑھی۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے علمی کمالات کسی سے مخفی نہیں۔
- مشائخ عظام نے بھی احیائے دین کیلئے خوب قربانیاں دیں۔

تاتاری فتنے کا توڑ: تاتاریوں کے اس فتنے کے دوران جب تخت و تاج مسلمانوں کے ہاتھ سے چھن گیا تو خانقاہوں میں بیٹھ کر اللہ اللہ سکھانے والے مشائخ نے دیکھا کہ اب علماء کو مدد کی ضرورت ہے۔ چنانچہ مشائخ عظام کفار کے مقابلے میں نکل آئے۔ اس وقت ائمہ میں سے امام ذیلعیؒ امام ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد ابن قیمؒ اور تقی الدین سبکیؒ زندہ تھے مگر پھر بھی اللہ رب العزت نے مشائخ سے کام لیا۔ اس نازک دور میں خواجہ فرید الدین عطارؒ نے اپنی کتاب تذکرۃ الاولیاء سے مسلمانوں کے

دلوں کو منور کیا۔ مولانا رومؒ نے مثنوی شریف لکھ کر غافل دلوں کو جگایا اور محبت الٰہی سے گرمایا۔ بعض مشائخ نے تاتاری شہزادوں کے دلوں پر محنت کرنا شروع کر دی۔ جن میں حضرت خواجہ احمد دربندیؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

جب تاتاری شہزادے دربند شریف پہنچے تو سارے مسلمان شہر کو خالی کر کے چلے گئے۔ شہزادے نے پوچھا' شہر میں کوئی مسلمان تو نہیں بچا؟ سپاہیوں نے بتایا کہ ایک مسجد میں دو آدمی بیٹھے ہوئے ہیں۔ کہنے لگا' گرفتار کر کے پیش کرو۔ چنانچہ خواجہ احمد دربندیؒ اور ان کے شاگرد کو ہتھکڑیاں لگا کر پیش کیا گیا۔ شہزادے نے کہا' کیا آپ کو پتہ نہیں چلا کہ میں یہاں داخل ہو رہا ہوں' سب چلے گئے تم کیوں نہ گئے؟ وہ کہنے لگے ہم اللہ کے گھر میں بیٹھے تھے کیوں نکلتے؟ کہنے لگا' تمہیں پتہ نہیں' تم آج میری حراست میں ہو؟ انہوں نے کہا' اللہ تعالیٰ چاہے تو ہمیں آزاد کروا سکتا ہے۔ شہزادے نے پوچھا کیسے؟ انہوں زور سے کہا اللہ۔ اللہ کا لفظ کہنا تھا کہ زنجیریں ٹوٹ کر گر پڑیں۔ تاتاری شہزادے کے دل پر خوف طاری ہو گیا۔ کہنے لگا' اچھا میں آپ کو معاف کرتا ہوں۔ حضرتؒ کو آزاد کر دیا گیا۔ بعد میں بھی وقتاً فوقتاً وہ شہزادہ حضرتؒ سے ملتا رہا' حضرتؒ اس کے دل پر توجہ ڈالتے رہے حتی کہ تیس سال کے بعد ایک وقت وہ بھی آیا کہ وہ شہزادہ وقت کا بادشاہ بنا۔ اور حضرتؒ کے فیضان صحبت سے مسلمان ہو گیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے سلطنت پھر مسلمانوں کے ہاتھوں میں دے دی۔ علامہ اقبال نے کہا:

ہے عیاں آج بھی یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے کارنامے: اکبری دور میں ابو الفضل اور فیضی جیسے درباری ملاؤں نے تعظیمی سجدے کے جواز میں فتوے دیئے۔ دین الٰہی کے نام پر بادشاہ وقت کی خواہشات کی پیروی ہونے لگی۔ سید المرسلین ﷺ کی نورانی سنتوں کی جگہ بدعات کی ظلمت عام ہونے لگ گئی تو مجدد الف ثانیؒ شرک و بدعت کے قلع قمع کیلئے میدان دعوت میں اترے۔ آپ نے دو سال گوالیار

کے قلعے میں پابند سلاسل رہ کر قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ مگر احیاء دین کیلئے آپ کی رگ فاروقی پھڑکتی رہی حتی کہ آپ کی صحبت سے فیض پانے والے سیادت پناہ شیخ فرید اور خان خاناں جیسے جرنیل دینی رنگ میں رنگے گئے۔ ان حضرات کی کوششوں سے اکبر بادشاہ کا دماغ ٹھکانے لگا۔ چنانچہ اکبر بادشاہ اس بات پر مجبور ہو گیا کہ خلاف شرع کاموں کو بند کروائے۔ الحمدللہ دین الٰہی کی تار پور بکھر گئی اور اللہ تعالی نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ذریعے شرک و بدعات کا قلع قمع کروایا اور متروکہ سنتوں کو از سر نو زندہ کروایا۔ اسی لئے جہانگیر کی زندگی میں دینی رنگ پیدا ہوا اور بالآخر اورنگ زیب عالمگیرؒ جیسا متقی اور پرہیزگار بادشاہ تخت و تاج کا وارث بنا۔

شاہ ولی اللہ محدث دھلوی کی خدمات:

برصغیر پاک و ہند میں دین کی اشاعت کیلئے بہت کام کیا گیا۔ قرآن کے ترجمے کئے گئے، تفاسیر لکھی گئیں۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اصول تفسیر کی کتاب الفوز الکبیر تصنیف فرمائی۔ ان کے بیٹے شاہ عبد القادرؒ نے قرآن پاک کا اردو زبان میں الہامی ترجمہ کیا۔ مثال کے طور پر ایک آیت ہے لِفُرُوْجِھِمْ حَافِظُوْنَ دوسرے مفسرین حضرات نے لکھا "حفاظت کرتے ہیں اپنی شرمگاہوں کی"۔ اور شاہ عبد القادرؒ نے اس کا ترجمہ لکھا "جو تھامتے ہیں اپنی شرمگاہوں کو"۔ اب دونوں میں فرق دیکھئے۔ شرمگاہ کی حفاظت کرنا اور چیز ہے اور شرمگاہ کو تھامنا اور چیز ہے۔ یعنی جب جذبات ابھرتے ہیں تو حفاظت کا لفظ صحیح مفہوم ادا نہیں کرتا، بلکہ وہاں اپنے جذبات کو تھامنے کا لفظ کام دیتا ہے۔ ایک اور آیت میں فرمایا گیا اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ۔ دوسرے مصنفین نے اس کا ترجمہ کیا ہے کہ "یا تم مس کرو عورتوں کو" مس کرنا قدرے مشکل لفظ ہے اور شاہ عبد القادرؒ نے ترجمہ کیا "یا تم لگو عورتوں کو" اتنے آسان لفظوں میں ترجمہ کیا کہ مسئلہ خود بخود سمجھ میں آگیا۔

شاہ ولی اللہ کے خاندان میں علم کا شوق:

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے فرزند ارجمند شاہ عبدالعزیزؒ نے اردو میں قرآن پاک کی تفسیر لکھی۔ ایک مرتبہ مطالعہ کرتے ہوئے شاہ عبدالعزیزؒ نے پانی مانگا۔ شاہ ولی اللہؒ

کو پتہ چلا تو فرمانے لگے کہ افسوس، آج علم ہمارے خاندان سے رخصت ہو گیا کہ میرے بیٹے نے مطالعہ کے وقت پانی مانگا۔ بیوی نے کہا، حضرت! صبر تو کریں۔ اس نے پانی بھیجنے کی بجائے سرکہ ملا کر بھیج دیا۔ شاہ عبدالعزیز مطالعہ میں اتنے مشغول تھے اور پیاس کی شدت کی وجہ سے اضطرار اتنا تھا کہ سرکہ پی لیا اور پتہ ہی نہ چلا کہ میں سرکہ پی رہا ہوں یا پانی پی رہا ہوں۔ جب بیوی نے بتایا کہ اس کا تو یہ حال ہے تو فرمایا، الحمد للہ ہمارے خاندان میں ابھی علم باقی ہے۔ اسی وجہ سے اللہ رب العزت نے ان حضرات کو باطنی نعمتیں عطا فرمادی تھیں۔ خود شاہ ولی اللہؒ کو علم و ادب کی وجہ سے اتنا رعب حاصل تھا کہ مغلیہ خاندان کے شہزادوں کو منبر پر کھڑے ہو کر کہا، "مغلیہ خاندان والو! ولی اللہ کے سینے میں اللہ نے ایک موتی رکھا ہے، اگر تمہارے خزانے میں اتنا قیمتی موتی ہے تو مجھے لا کر دکھاؤ۔ تم ساری دنیا کے خزانوں کو بھی اکٹھا کر لو تو مجھے وہ موتی لا کر نہیں دکھا سکتے"۔

شاہ عبدالعزیزؒ نے بھی باکمال شاگرد تیار کیے، جیسے شاہ اسماعیل شہیدؒ، اور سید احمد شہیدؒ۔ آج بالاکوٹ ان کی عظمت کی گواہیاں دے رہا ہے۔

برصغیر میں انگریز کا ظلم و ستم:

1857ء میں جب انگریز نے ہندوستان پر قبضہ کیا تو اس نے مسلمانوں سے تخت و تاج چھین کر اپنے پنجے مضبوط کرنے کے لئے شکنجہ کس دیا۔ امراء سے زمینیں چھین لیں، مسلمانوں کو مال و جاہ سے محروم کر دیا، مادی وسائل پر قبضہ کر لیا تاکہ انہیں کمزور کیا جا سکے، ظلم کی حدیں توڑ دیں حتی کہ پانچ پانچ منٹ میں پھانسی کے فیصلے دے دیتے تھے۔ اگر کسی مسلمان کی انگلی زخمی دیکھتے تو کہتے، لگتا ہے تم نے کسی انگریز کو مارا ہو گا۔ چنانچہ اس کی بھی پھانسی کا فیصلہ کر لیا جاتا۔

انگریز بڑا چالاک دشمن تھا۔ اس نے دیکھا کہ مال تو میں نے لے لیا مگر جب تک اس قوم کے ایمانی جذبے کو ختم نہیں کروں گا تو یہ قوم متحد رہے گی۔ لہٰذا اس کو ختم کرنے کیلئے مدارس کو ختم کرنا ضروری ہے۔ اس دور میں مدارس وقف کی املاک سے چلا کرتے تھے۔ لہٰذا انگریز نے دوسرا حربہ یہ اختیار کیا کہ اس نے مدارس کی املاک کو سرکاری تحویل میں لے لیا۔ جب اقتصادی طور پر گلا ہی گھونٹ دیا گیا تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ چار ہزار مدارس بند

ہو گئے۔ ڈراؤ دھمکاؤ کی پالیسی کامیاب رہی اور لوگ سہم گئے۔

برصغیر میں علوم و فنون کے مراکز: اس وقت انڈیا میں تین مراکز تھے۔ ایک دھلی میں قرآن و حدیث کا "ولی الہی" مرکز تھا' دوسرا لکھنؤ میں فقہ اور اصول فقہ کا مرکز تھا اور تیسرا خیر آباد میں فنون کا مرکز تھا۔ انگریز نے ان تینوں مراکز پر اپنا تسلط جمالیا۔

دیوبند میں مدرسہ کا قیام: اللہ تعالی نے ایک بندے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ کے دل میں بات ڈالی کہ مال مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا تاہم ملنے کی امید ہے' حکومت ہاتھوں سے نکل گئی ملنے کی امید باقی ہے' اگر دین ہاتھوں سے چلا گیا تو نہیں ملے گا للذا انگریز کے اس ظلم و ستم کا توڑ دینی مدارس کا قیام ہے۔ کیوں نہ کسی ایسی جگہ پر مدرسہ بنایا جائے کہ جہاں انگریز کی نظر ہی نہ پڑے اور خاموشی سے کام ہوتا رہے۔ حضرت قاسم نانوتویؒ کے سسرال دیوبند کے رہنے والے تھے۔ چنانچہ حضرتؒ دیوبند پہنچے اور وہاں جاکر چھتہ کی مسجد میں انار کے درخت کے نیچے خاموشی سے کام کرنا شروع کر دیا۔ ایک استاد اور ایک شاگرد۔ استاد کا نام ملاں محمود اور شاگرد کا نام محمود الحسن۔ دونوں محمود تھے۔ حضرت شاہ عبدالغنی مجددیؒ کے شاگرد مولانا مملوک علیؒ کو استاد کامل کا خطاب ملا کیونکہ انہوں نے سب کو پڑھایا۔ مولانا شاہ رفیع الدین نقشبندیؒ پہلے مہتمم بنے۔

دارالعلوم دیوبند کا سنگ بنیاد: حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کو خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی اور نبی ﷺ نے خواب میں دارالعلوم کی عمارت کی پوری حدود کا تعین فرما دیا۔ اسی لیے ترانہ دارالعلوم کے الفاظ کچھ یوں ہیں۔

یہ علم و ہنر کا گہوارا تاریخ کا وہ شہ پارہ ہے
ہر پھول یہاں اک شعلہ ہے ہر سرو یہاں مینارہ ہے
خود ساقی کوثر ؐ نے رکھی میخانہ کی بنیاد یہاں
تاریخ مرتب کرتی ہے دیوانوں کی روداد یہاں

کہسار یہاں دب جاتے ہیں طوفان یہاں رک جاتے ہیں
اس کاخ فقیری کے آگے شاہوں کے محل جھک جاتے ہیں
یہ علم و ہنر کا گہوارا تاریخ کا وہ فن پارہ ہے
ہر پھول یہاں اک شعلہ ہے ہر سرو یہاں مینارہ ہے

چنانچہ بنیادیں رکھنے کا وقت آیا تو حضرت قاسم نانوتویؒ نے اعلان فرمایا کہ آج دارالعلوم کا سنگ بنیاد میں ایسی شخصیت سے رکھواؤں گا کہ جس نے پوری زندگی کبیرہ گناہ تو کیا کرنا، کبھی گناہ کرنے کا ارادہ بھی نہیں کیا۔ چنانچہ حضرت شاہ حسین احمدؒ جو میاں اصغر حسینؒ کے ماموں تھے ان کو بلایا اور کہا کہ حضرت! آیئے اور دارالعلوم کا سنگ بنیاد رکھئے۔

حضرت شاہ حسین احمدؒ کی فنائیت قلبی:

شاہ حسین احمدؒ پر اللہ تعالیٰ نے فنائیت کا ایسا پرتو ڈال دیا تھا کہ ہر وقت اللہ کے ذکر میں مشغول رہتے تھے۔ ان کے ایک داماد کا نام اللہ بندہ تھا۔ دو سال تک وہ ان کے پاس رہا۔ جب سامنے سے گذرتا تو حضرت شاہ حسین احمدؒ پوچھتے، ارے میاں! تم کون ہو؟ کہتا، حضرت! میں آپ کا داماد اللہ بندہ ہوں۔ فرماتے، ارے میاں! سبھی تو اللہ کے بندے ہیں۔ دو سال تک داماد کا نام یاد نہ ہوا۔ ذکر کی فنائیت ایسی تھی کہ دل میں ایک اللہ تعالیٰ کا نام بس چکا تھا۔ ایسی نابغہ روزگار شخصیت نے دارالعلوم کی بنیاد رکھی۔

ایک حسین خواب:

حضرت مولانا شاہ رفیع الدینؒ دارالعلوم کے دوسرے مہتمم بنے۔ ایک دفعہ دارالعلوم میں تشریف لائے تو ایک طالب علم نے آکر کہا، حضرت! آپ کے مطبخ میں یہ سالن پکتا ہے، ذرا دیکھیں تو سہی، اس سے تو وضو بھی جائز ہو جاتا ہے۔ اگر مہتمم صاحب کے سامنے ایک طالب علم ایسی بات کرے تو یہ معمولی بات تو نہیں تھی۔ حضرت مولانا شاہ رفیع الدینؒ نے اس لڑکے کو سر سے پاؤں تک غور سے دیکھا اور فرمایا لگتا ہے یہ ہمارے مدرسے کا طالبعلم نہیں ہے۔ یہ بیرونی لڑکا ہے جو یہاں آیا ہوا ہے۔ استاد کہنے لگے، حضرت! دیکھ لیتے ہیں۔ اس کا نام رجسٹر میں دیکھا، لکھا ہوا ہے۔ جب باورچی سے پوچھا تو اس نے کہا، روزانہ کھانے کے وقت آکر کھانا بھی کھاتا ہے۔

لیکن جب مزید تحقیق کی گئی تو پتہ چلا کہ وہ بازار میں کام کرتا تھا اور کھانے کے وقت مدرسہ میں آکر کھانا کھالیتا تھا۔

استاد بڑے حیران ہوئے۔ کہنے لگے، مہتمم صاحب! ہم لوگ بچوں کو پڑھاتے ہیں، اس لڑکے کو نہ پہچان سکے، آپ تو بچوں کو دیکھتے ہی نہیں، آپ نے کیسے پہچان لیا؟ مولانا رفیع الدین ؒ نے فرمایا، جب میں اس مدرسہ کا مہتمم بنا تو میں نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ یہاں ایک کنواں ہے اور نبی اکرم ﷺ کنویں میں سے پانی کے ڈول نکال رہے ہیں۔ دارالعلوم کے طلباء آتے ہیں اور آپ ؐ ان کو پانی ڈال کردے رہے ہیں۔ میں نے خواب میں اس لڑکے کو نہیں دیکھا تھا اس لئے میں سمجھ گیا کہ یہ ہمارے مدرسے کا طالب علم نہیں ہے۔

دارالعلوم دیوبند کی جامعیت:

انگریز نے برصغیر میں نو سال تک خوب قدم جمائے رکھے۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ اب میرے قدم اچھی طرح جم چکے ہیں تو اس نے مذہبی آزادی کا اعلان کردیا۔ چنانچہ دارالعلوم دیوبند ان تینوں مراکز کے علوم کا جامع بن کر ابھرا۔

حضرت شیخ الہند ؒ پر علوم و معارف کی بارش:

شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن ؒ حضرت مولانا تھانوی ؒ کے استاد تھے۔ حضرت تھانوی ؒ فرماتے ہیں کہ جن دنوں میں حضرت ؒ سے دورہ حدیث کیا کرتا تھا، طلباء رات کو تکرار کیا کرتے تھے تو میں ان کو تکرار کروایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایسا مقام آیا کہ ہم سب اٹک گئے۔ طلباء نے مجھے کہا کہ حضرت سے آپ ہی پوچھنا۔ سردیوں کا موسم تھا، میں صبح سویرے اٹھا، جلالین شریف اپنے سینے سے لگائی اور مسجد میں جاکر نماز پڑھی۔ حضرت ؒ کی عادت شریفہ تھی کہ فجر پڑھتے ہی صومعہ (عبادت کا ایک کمرہ) میں چلے جاتے تھے اور اشراق تک ذکر کرتے تھے۔

نماز پڑھتے ہی حضرت ؒ اندر تشریف لے گئے اور کنڈی لگالی۔ میں نے جلالین شریف کو سینے سے لگائے رکھا اور سردی میں کھڑا ٹھٹھرتا رہا۔ حضرت ذکر تو اندر کر رہے تھے اور

مزہ مجھے آرہا تھا۔ جب اشراق کے بعد حضرتؒ نے کنڈی کھولی اور باہر تشریف لائے تو میں نے دیکھا کہ پسینے کے قطرے آپ کی پیشانی اور گردن پر تھے۔ آپ کی صدری پر بھی پسینے کے نشانات تھے۔ گویا "لا الہ الا اللہ" کی ایسی ضربیں لگائی تھیں کہ پسینے میں شرابور ہو رہے تھے۔ مجھے راستے میں کھڑا دیکھ کر حضرتؒ نے پوچھا' اشرف علی! کیوں کھڑے ہو؟ میں نے کہا حضرت! کتاب کی ایک بات سمجھ نہیں آئی۔ وہیں حضرت نے کھڑے کھڑے اس کے متعلق تقریر کرنی شروع کر دی۔ عجیب صورتحال تھی کہ نہ تو مجھے الفاظ کی سمجھ آئی اور نہ ہی معانی کی۔ یعنی الفاظ بھی غیرمانوس اور معانی بھی۔ تقریر فرما کر حضرتؒ نے کہا کہ سمجھ آگئی؟ میں نے عرض کیا کہ حضرت! مجھے تو سمجھ نہیں آئی' حضرت کچھ نزول فرمائیں تاکہ مجھے سمجھ آسکے۔ حضرتؒ نے پھر دوبارہ تقریر شروع کر دی۔ اس مرتبہ الفاظ تو مانوس تھے مگر معانی کا پھر بھی پتہ نہ چلا۔ حضرتؒ نے پوچھا کہ اشرف علی! سمجھ گئے؟ میں نے کہا' حضرت! سمجھ تو نہیں آئی فرمایا تمہیں اس وقت سمجھ نہیں آئے گی' جاؤ پھر کسی وقت پوچھنا۔ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ذکر اللہ کی وجہ سے علوم و معارف کی ان پر اتنی بارشیں ہوتی تھیں کہ اس وقت ان کی تقاریر کو نہیں سمجھ سکتا تھا۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ سے محبت:

مجھے حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ سے اتنی زیادہ محبت و عقیدت ہے کہ بہت زیادہ۔ حالانکہ دارالعلوم دیوبند کے دوسرے اکابرین سے بھی عقیدت ہے مگر حضرت نانوتویؒ کی طرف دل زیادہ کھنچتا ہے' ان کے ساتھ قدرتی محبت قلبی ہے جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ائمہ اربعہ میں امام اعظمؒ کے ساتھ اور مشائخ عظام میں سے حضرت نقشبند بخاریؒ کے ساتھ محبت بہت زیادہ ہے۔ اسی طرح حضرت نانوتویؒ کے ساتھ بھی محبت بہت زیادہ ہے۔ حتی کہ ان کا نام آجائے تو پتہ نہیں مجھے کیا ہو جاتا ہے۔ میں اس وقت مسجد میں بیٹھا ہوں' باوضو بیٹھا ہوں' منبر پر بیٹھا ہوں' اگر قسم کھا کر کہوں کہ مجھے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے ساتھ اپنے باپ سے بھی زیادہ محبت ہے تو میں حانث نہیں بنوں گا۔

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کا عشقِ رسولﷺ:

حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ تو علم کے آفتاب و ماہتاب تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بے پناہ عشق رسول عطا فرمایا تھا۔ حیران ہوتے ہیں۔ ایک دفعہ انگریز نے وارنٹ گرفتاری جاری کر دیئے۔ حضرتؒ تین دن گھر میں رہے اور تین دن بعد باہر نکل آئے کہ حضور ﷺ غار میں تین دن تک چھپے رہے تھے۔ لہٰذا تین دن سے زیادہ میں اندر رہنا پسند نہیں کرتا کہ ایسا نہ ہو کہ قاسم نانوتوی سے خلاف سنت کام ہو جائے۔

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کو خلافت ملنے کا واقعہ:

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ 'حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ کی خدمت میں پہنچے۔ اور کہنے لگے 'حضرت! اوراد و اشغال والا کام تو ہم سے ہوتا نہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ اچھا نہ کرنا' مگر ہم یہ کہتے ہیں تین دن اور تین راتیں یہاں ٹھہر جاؤ۔ کہنے لگے 'حضرت! ٹھیک ہے' تین راتیں ٹھہروں گا مگر تہجد میں مجھ سے نہیں اٹھا جائے گا' جی کرے گا تو اٹھوں گا ورنہ نہیں۔ حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا' یہ بھی ٹھیک ہے۔ شاگرد کو بلا کر کہا کہ رشید احمد کی چارپائی میری چارپائی کے قریب ڈال دینا۔

رات کو حاجی صاحبؒ اٹھے۔ لا الہ الا اللہ کا ورد کرنا شروع کیا۔ حضرت گنگوہیؒ فرماتے ہیں کہ میری آنکھ کھلی۔ مجھے اتنا مزہ آیا کہ میں نے بھی اٹھ کر تہجد پڑھی اور پاس بیٹھ کر لا الہ الا اللہ کی ضرب لگانا شروع کر دی۔ تین دن کیلئے رکے تھے مگر تیس دن تک وہاں ٹھہرے رہے۔ جب وہاں سے رخصت ہونے لگے تو حضرت حاجی صاحبؒ نے ان کو اجازت و خلافت عطا فرما دی۔

نواب صاحب کی اصلاح:

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے پاس ایک نواب صاحب آئے۔ اس وقت آپؒ کی خدمت میں حضرت شیخ الحدیثؒ کے والد حضرت مولانا یحییٰؒ بیٹھے تھے۔ کیونکہ وہ آپ کے خلیفہ خاص تھے' خدمت میں لگے رہتے تھے۔ انہوں نے نواب صاحب کیلئے خانقاہ کا فالتو قالین بچھوا دیا۔

حضرتؒ کو پتہ چلا تو فرمایا' مولانا یحیٰ صاحب! وہ قالین کہاں ہے۔ نواب صاحب سامنے بیٹھے ہوئے ہیں۔ مولانا یحیٰؒ نے کہا' حضرت! میں نے نواب صاحب کیلئے بچھوا دیا ہے۔ فرمایا' اچھا نواب صاحب کو قالینوں کی کمی ہو گئی ہو گی۔ نواب صاحب کی آدھی طبیعت تو وہیں صاف ہو گئی۔ پھر تھوڑی دیر گزری تو دسترخواں بچھایا گیا۔ نواب صاحب بھی آئے۔ حضرتؒ بھی بیٹھے اور محمود الحسن بھی آ گئے جو بعد میں شیخ الہند بنے۔ نواب صاحب نے ایک طالب علم کو دسترخواں پر بیٹھے دیکھا تو حیران ہوئے' حضرتؒ نے فورا فرمایا' نواب صاحب اگر طالب علم کا ساتھ بیٹھنا اچھا نہیں لگتا تو آپ کہیں علیحدہ بیٹھ کر کھالیں' محمود الحسن اور میرا تو جینے مرنے کا ساتھ ہے۔

مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کی تواضع:

ایک مرتبہ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ حدیث پڑھا رہے تھے کہ یک دم بارش شروع ہو گئی۔ طلباء نے اپنی کتابیں سمیٹیں اور کمرے میں بھاگ گئے۔ حضرتؒ نے رومال بچھایا' طلبا کی جوتیاں اس میں ڈالیں اور اس کی گٹھڑی باندھ کر سر پر رکھی اور کمرے میں لے آئے۔ طلباء نے دیکھا تو ان کی چیخیں نکل گئیں۔ کہنے لگے' حضرت! ہم خود جوتے اٹھا لیتے۔ حضرتؒ نے جواب دیا' بچو! تم سارا دن قال اللہ اور قال الرسول پڑھتے ہو' رشید احمد تمہارے جوتے نہ اٹھائے گا تو اور کیا کرے گا۔

حضرت انور شاہ کشمیریؒ کا بے مثال حافظہ:

حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ مصر تشریف لے گئے۔ وہاں کتب خانے میں ایک کتاب "نور الایضاح" دیکھی۔ پوچھا' کیا لے سکتا ہوں کیونکہ ہمارے پاس نہیں ہے؟ انہوں نے کہا ہم نہیں دے سکتے۔ حضرتؒ نے اس کو اچھی طرح دیکھ لیا واپس آکر اس کو زبانی لکھوا دیا۔ جب نقل اصل کے ساتھ ملائی گئی تو کوئی فرق نہ نکلا۔ ان کی لکھی ہوئی وہ کتاب آج مدارس کے طلباء پڑھ رہے ہیں۔

کچھ ہندو نوجوان حضرتؒ کو دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔ کسی نے ان سے کہا' تم اس شخص کے کہنے پر مسلمان ہو گئے ہو۔ تو وہ کہنے لگے' ہاں یہ چہرہ کسی جھوٹے شخص کا چہرہ نہیں

ہو سکتا۔ اللہ اکبر

حضرت شیخ الہندؒ کا غیر معمولی حافظہ:

حضرت شیخ الہندؒ کا حافظہ اتنا تیز تھا کہ ایک مرتبہ کتابیں باہر دھوپ میں رکھوانے کیلئے نکلوائیں۔ ایک کتاب کو دیمک لگ چکی تھی۔ شاگرد نے کہا' حضرت! اس کو تو دیمک لگ چکی ہے۔ فرمایا' اس کے جو ورق دیمک نے کھا لیے ہیں وہ تم زبانی لکھ کر ساتھ لگا دو۔ اس نے کہا' حضرت! میں نے تو یہ کتاب پچھلے سال پڑھی تھی' مجھے تو یاد نہیں ہے۔ فرمایا' تم نے پچھلے سال پڑھی اور بھول گئے۔ اس کے بعد حضرتؒ نے اپنی یادداشت سے ان صفحات کی عبارت کو زبانی لکھوا کر ساتھ چسپاں کر دیا۔

حضرت مولانا یحییٰ کی یادداشت کا کمال:

حضرت مولانا یحییٰ کو متنبی یاد تھی' حماسہ یاد تھی اور مسلم دو سو مرتبہ تسبیح پر پڑھی تھی۔ ایک آدمی آیا اور کہنے لگا' حضرت! میرے پاس قصیدہ بردہ ہے مگر اس کے تین چار صفحے نکلے ہوئے ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا' اچھا لکھ لو۔ چنانچہ حضرتؒ نے تین چار صفحات ان کو زبانی لکھوا دیئے۔ سبحان اللہ۔ ہمارے اکابرین کو اللہ تعالیٰ نے شرح صدر عطا کیا ہوا تھا۔ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ان کے سینے ایسے کھلے ہوئے گویا کتابیں ان کے سامنے کھلی ہوئی ہوں۔ جبکہ ہماری یہ حالت ہے کہ ہم صبح کو پڑھتے ہیں تو شام کو بھول جاتے ہیں اور شام کو پڑھتے ہیں تو صبح کو یاد نہیں ہوتا۔

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی حاضر جوابی:

خطابت کے میدان میں سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے تہلکہ مچا دیا۔ ان کی تقریر سن کر ہندو بھی مسلمان ہو جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ذہانت ایسی دی تھی کہ حاضر جواب بہت تھے۔ ایک دفعہ ایک صاحب کہنے لگے' حضرت! آپ تو انگریز کو Show (تماشہ) دکھاتے ہیں۔ فرمایا بھئی! میں انگریز کو Show نہیں دکھاتا' میں تو انگریز کو Shoe (جوتا) دکھاتا ہوں۔

ایک دفعہ ایک صاحب حضرت بخاریؒ سے ملے اور کہنے لگے' حضرت! زندگی کیسی

گذری؟ فرمایا، بھئی! اپنی آدھی ریل میں گذری اور آدھی جیل میں گذری۔

ایک دفعہ سید ابوالاعلی مودودی کے ساتھ شاہ جیؒ کی ملاقات ہوئی تو ابوالاعلی مودودی فرمانے لگے، شاہ صاحب! آپ کی جماعت کو تقریر کا بڑا ہیضہ ہے۔ شاہ جیؒ نے جواب دیا، جیسے آپ کی جماعت کو تحریر کا ہیضہ ہے۔

ایک جلسہ گاہ میں ہندوؤں اور مسلمانوں کا مجمع ہے۔ شاہ جیؒ نے چاہا کہ میں مسلمانوں اور ہندوؤں سے کچھ پوچھوں۔ چنانچہ حساب کا چھوٹا سا سوال پوچھا۔ ہندوؤں نے تو جواب دے دیا مگر مسلمان نہ دے سکے۔ اب مسلمانوں کی ہونی تو ہکی تھی مگر شاہ جی فرمانے لگے، واہ مسلمانو! تم یہاں بھی بے حساب ہو جبکہ اللہ تعالی تمہارے ساتھ آگے بھی بے حساب والا معاملہ فرامائے گا۔ ماشاءاللہ۔

ایک شخص کہنے لگا، شاہ جی! کیا مردے سنتے ہیں یا نہیں؟ شاہ جیؒ نے فرمایا بھئی! ہماری تو زندہ بھی نہیں سنتے ہم مردوں کی کیا بات کریں۔

ایک دفعہ علیگڑھ پہنچے۔ بعض طلباء نے پروگرام بنایا ہوا تھا کہ تقریر نہیں کرنے دینی۔ شاہ جیؒ سٹیج پر آئے تو طلباء تو اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور شور مچانا شروع کر دیا کہ بیان نہیں کرنے دینا۔ شاہ جیؒ نے کہا، بھئی! ایک بات سنو، میں اتنا سفر کر کے آیا ہوں، اگر اجازت ہو تو میں ایک رکوع پڑھ لوں۔ اب طلباء میں اختلاف ہو گیا۔ کچھ کہنے لگے، جی تلاوت میں کیا حرج ہے اور کچھ کہنے لگے یہ بھی نہیں سنی۔ حتی کہ تلاوت کی تائید کرنے والے غالب آگئے۔ انہوں نے کہا، جی آپ رکوع سنا دیں۔ شاہ جیؒ نے رکوع پڑھا۔ پھر فرمایا عزیز طالبعلمو! اگر اجازت ہو تو اس کا ترجمہ بھی پیش کر دوں۔ طلباء پر تلاوت کا ایسا اثر تھا کہ سب خاموش رہے چنانچہ شاہ جیؒ نے تقریباً دو گھنٹے تقریر فرمائی۔

دارالعلوم دیوبند کی جامعیت کی وجہ: ہمارے اکابرین نے خطابت کے میدان میں، قلم کے میدان میں، شجاعت کے میدان میں، تدریس کے میدان میں ایسے ایسے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے کہ انسان حیران ہوتا ہے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس دارالعلوم کی بنیاد توکل پر رکھی گئی تھی۔ اصول

ہشت گانہ آج بھی آپ پڑھ سکتے ہیں۔ اس میں لکھا ہے کہ دارالعلوم کیلئے مستقل آمدنی کا کوئی ذریعہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ جبکہ ہماری یہ حالت ہے کہ ہم کوشش کرتے پھرتے ہیں اور دعائیں مانگتے پھرتے ہیں کہ اللہ کرے ہمارے مدرسہ کا کوئی مستقل ذریعہ آمدنی ہو جائے۔

حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کا اللہ پر توکل:

بہاولپور میں ایک نواب صاحب نے مدرسہ بنوایا۔ اس نے مقامی علماء سے کہا کہ عمارت تو میں بنوا دیتا ہوں مگر آباد کیسے ہو گا؟ علماء نے کہا کہ ہم آپ کو ایک ایسی شخصیت کے بارے میں بتائیں گے' اپ انہیں لے آنا مدرسہ چل جائے گا۔ اس نے کہا' ہیرا تم ڈھونڈنا اور قیمت ہم لگا دیں گے۔ نواب صاحب کو بڑا ناز تھا پیسے کا۔ چنانچہ جب عمارت بن گئی تو اس نے علماء سے پوچھا' بتاؤ کونسا ہیرا ڈھونڈا ہے؟ کہنے لگے' قاسم نانوتوی رحمہ اللہ ۔ اس نے علماء سے پوچھا کہ حضرت کی تنخواہ کتنی ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ حضرت کی تنخواہ چار پانچ روپے ہوگی۔ اس دور میں اتنی ہی تنخواہ ہوتی تھی۔ کہنے لگا' جاؤ اور میری طرف سے حضرت کو سو روپیہ ماہانہ کا پیغام دے دو۔ اب جس آدمی کو پانچ روپے کی بجائے سو روپے ملنا شروع ہو جائیں تو کتنا فرق ہے۔ چنانچہ علماء بڑے خوش ہوئے کہ جی ہاں' اب تو حضرت ضرور آجائیں گے۔ دیوبند جاکر حضرت رحمہ اللہ سے ملے۔ حضرت رحمہ اللہ نے ان کی خوب خاطر تواضع فرمائی۔ پوچھا' کیسے آنا ہوا؟ کہنے لگے' حضرت! نیا مدرسہ بنایا ہے' آپ وہاں تشریف لائیں۔ نواب صاحب نے آپ کیلئے سو روپے ماہانہ مشاہرہ مقرر کیا ہے۔ حضرت رحمہ اللہ نے فرمایا' بات یہ ہے کہ میرا مشاہرہ تو پانچ روپے ہے۔ اس میں سے تین روپے میرے ذاتی خرچہ کے ہیں اور دو روپے میں غریبوں' مسکینوں' یتیموں میں خرچ کرتا ہوں' اگر میں وہاں چلا گیا اور سو روپیہ تنخواہ ہو گئی تو میرا خرچ تو تین روپے رہے گا اور باقی ستانوے روپے غریبوں میں تقسیم کرنے کیلئے مجھے سارا دن ان کو ہی ڈھونڈنا پڑے گا اور میں پڑھا تو نہیں سکوں گا۔ لہٰذا میں وہاں نہیں جاسکتا۔ ایسی دلیل دی کہ ان علماء کی زبانیں گنگ ہو گئیں۔ اسے زہد فی الدنیا کہتے ہیں۔ اللہ اکبر کبیرا

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی عجیب معذرت:

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے جب زمانہ طالب علمی میں دورہ حدیث مکمل کیا تو مہتمم صاحب نے جلسہ کیلئے انتظامات کیے کہ ہم دستار بندی کرواتے ہیں۔ حضرت تھانویؒ اپنے ساتھ پانچ سات شاگردوں کو لے کر حضرت شیخ الہندؒ کی خدمت میں گئے اور وہاں جاکر کہنے لگے کہ حضرت! ہم نے سنا ہے کہ مدرسہ والے طلباء کی دستار بندی کی لیئے انتظام کر رہے ہیں۔ حضرتؒ نے فرمایا' ہاں۔ کہنے لگے حضرت ہماری گذارش یہ ہے کہ ہماری دستار بندی نہ کروائی جائے' ایسا نہ ہو کہ لوگ ہمیں دیکھ کر یہ اعتراض کریں کہ ایسے نالائق طلباء کی دستار بندی کروادی گئی' کہیں مدرسے کی بدنامی نہ ہو۔ حضرت شیخ الہندؒ جلال میں آکر فرمانے لگے' عزیزم! آپ اپنے اساتذہ کے درمیان رہتے ہیں اس لیے اپنے آپ کو کچھ نہیں پاتے۔ جب ہم نہیں ہوں گے تو پھر تم ہی تم ہو گے۔

شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کا علمی ذوق:

شاہ عبدالقادرؒ رائے پور کے رہنے والے تھے۔ دارالعلوم حاضر ہوئے اور مہتمم صاحب سے ملے کہ حضرت! میں علم حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا' رہائش کا تو انتظام ہو جائے گا مگر آپ کو طعام دارالعلوم کی طرف سے نہیں مل سکے گا۔ عرض کی' حضرت! منظور ہے۔ چنانچہ حضرتؒ نے داخلہ دے دیا۔ شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ جب مجھے داخلہ ملا تو میں رات کے وقت گلیوں میں چکر لگاتا تھا' گلیوں سے پھلوں کے چھلکے وغیرہ اٹھالاتا اور پانی سے دھو کر ان چھلکوں کو کھالیتا تھا۔ عبدالقادرؒ نے پورا سال ان چھلکوں کو کھا کر گذارہ کیا مگر علم حاصل کرتے رہے۔

حضرتؒ فرماتے تھے کہ میں نے مٹکے بنائے ہوئے تھے۔ اعزہ و اقارب کے جو خطوط آتے تھے انہیں اس مٹکے میں ڈالتا رہتا تھا۔ جب امتحان دے کر فارغ ہوتا تب مٹکے والے خطوط نکال کر پڑھتا۔ اور واپس وطن جاکر دوستوں اور رشتہ داروں سے ملتا اور ان کے خطوط کا شکریہ ادا کرتا یا ان کے بارے میں اچھے الفاظ کہتا تو وہ بہت خوش ہوتے اور سمجھتے

کہ ہمارا خط اب تک یاد ہے حالانکہ میں سال کے دوران میں عزیز و اقارب کے خطوط پڑھتا ہی نہیں تھا تاکہ میری تعلیم میں رکاوٹ نہ پڑے۔

شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کا شرم و حیا: حضرت رائے پوریؒ میں شرم و حیا ایسی تھی کہ اپنی بہن کو کبھی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ فرماتے ہیں کہ ایک وہ وقت بھی آیا کہ میں اپنی بہن کو شکل سے نہیں پہچانتا تھا۔ جب وہ بولتی تھی تو آواز سے پہچان لیتا تھا۔ اگر کسی اجنبی عورت کے درمیان بیٹھی ہوتی تو مجھے پتہ نہیں چلتا تھا کہ ان میں سے میری بہن کون ہے۔ اس لئے کہ میں اپنی بہن کے چہرے پر نظر اٹھانا حیا کے خلاف سمجھا کرتا تھا۔ ایسے باحیا لوگ تھے۔

پرانے کمبل میں پندرہ سال: حضرت شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ جا رہا تھا' ایک آدمی کو دیکھا کہ وہ ایک کمبل باہر پھینک رہا ہے۔ میں نے پوچھا' جی آپ یہ کمبل کیوں پھینک رہے ہیں؟ کہنے لگا' پرانا ہو گیا ہے اس لئے پھینک رہا ہوں۔ میں نے کہا' کیا یہ میں لے سکتا ہوں؟ کہنے لگا' ہاں تم لے لو۔ میں نے وہ کمبل لے کر دھو لیا۔ جب سردیاں آتیں تو میں اوپر بچھا لیتا' گرمیاں ہوتیں تو نیچے بچھا لیتا اور جب نماز کا وقت ہوتا تو مصلیٰ بنا لیتا تھا۔ میں نے اس کمبل میں زندگی کے پندرہ سال گذار دیئے۔ اللہ اکبر

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور ادب: ہمارے اکابرین علم کے ساتھ ساتھ ادب کا بھی خوب اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ حضرت تھانویؒ فرماتے تھے کہ میں نے ہمیشہ چار باتوں کی پابندی کی۔ ایک تو یہ کہ میری لاٹھی کا جو سرا زمین پر لگتا تھا اس کو کبھی کعبے کی طرف کر کے نہیں رکھا۔ میں نے بیت اللہ شریف کا اتنا احترام کیا۔ دوسری بات یہ کہ میں اپنے رزق کا اتنا احترام کرتا تھا کہ چارپائی پر بیٹھتا تو خود ہمیشہ پائنتی کی طرف بیٹھتا اور کھانے کو سرہانے کی طرف رکھتا' اسطرح بیٹھ کر کھانا کھاتا تھا۔ تیسری بات یہ جس ہاتھ سے طہارت کرتا تھا میں اس ہاتھ میں پیسے نہیں پکڑتا تھا کیونکہ یہ اللہ کا دیا ہوا رزق ہے۔ چوتھی بات یہ کہ جہاں میری کتابیں پڑی

ہوتی ہیں میں اپنے استعمال شدہ کپڑوں کو ان دینی کتابوں کے اوپر کبھی نہیں لٹکایا کرتا تھا۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کو عروج کیسے ملا؟

ایک دفعہ مفتی کفایت اللہؒ نے طلباء سے پوچھا کہ بتاؤ انور شاہ کشمیریؒ اتنے زیادہ مشہور کیوں ہو گئے؟ کسی نے کہا، مفسر اچھے تھے، کسی نے کہا، محدث اچھے تھے، شاعر اچھے تھے، وہ منطق اچھی جانتے تھے۔ فرمایا نہیں۔ کسی نے یہی سوال ایک مرتبہ حضرت کشمیریؒ سے پوچھ لیا تو فرمایا، دو باتیں میرے اندر تھیں، جب مطالعہ کرتا تھا تو باوضو کرتا تھا اور جب مجھے کتاب کو حاشیہ پڑھنے کی ضرورت پڑتی تھی اور حاشیہ دوسری طرف ہوتا تو میں اپنی جگہ چھوڑ کر دوسری طرف آکر حاشیہ پڑھ لیتا تھا۔ حدیث کی کتاب کو میں نے کبھی اپنے تابع نہیں کیا تھا۔

استاد کا احترام علمائے دیوبند کا خاصہ:

حضرت شیخ الہندؒ جب عرب جانے لگے اور حضرت انور شاہ کشمیریؒ کو پتہ چلا تو حضرتؒ کے پاس آگئے۔ طلباء کو یہ کہہ آئے کہ میں اپنے استاد سے معافی مانگنے جا رہا ہوں، ہو سکتا ہے کہ زندگی میں کبھی ان کی بے ادبی ہو گئی ہو۔ حضرتؒ چارپائی پر بیٹھے تھے اور پاؤں نیچے لٹکائے ہوئے تھے۔ حضرت کشمیریؒ آکر پاؤں کے پاس بیٹھ گئے اور حضرتؒ کے پاؤں مبارک پکڑ کر رونا شروع کر دیا۔ حضرت شیخ الہندؒ نے رونے دیا۔ کافی دیر رونے کے بعد جب ذرا طبیعت بحال ہوئی تو پھر ان کو فرمایا، کوئی بات نہیں ہم تمہارے سامنے ہیں اس لئے تمہیں اپنا آپ نظر نہیں آرہا، اب میں جا رہا ہوں مگر میں محسوس کر رہا ہوں کہ تمہارے اندر اللہ نے کئی کمالات رکھ دیئے ہیں، تمہیں ہمارے جانے کی کمی محسوس نہیں ہوگی۔ چنانچہ تسلی دے کر ان کو واپس لوٹا دیا۔

پھر حضرتؒ کو خود بات یاد آئی کہ اوہو! میرے شاگرد تو مجھ سے معافی مانگ رہے ہیں، اب میں سفر پر جا رہا ہوں اور میں نے تو اپنے استادوں سے معافی نہیں مانگی۔ سوچنے لگے کہ میں کہاں جاؤں؟ حضرت قاسم نانوتویؒ کا خیال آیا۔ چنانچہ ان کے گھر گئے۔ حضرتؒ تو وفات پا چکے تھے مگر دروازے پر دستک دی۔ اماں جی نے پردے سے پوچھا، کون ہے؟ کہا، آپ کا

روحانی بیٹا محمود حسن آیا ہوں۔ پھر پوچھا' اماں! میرے حضرتؒ کے کوئی جوتے پڑے ہوں تو مجھے بھجوا دینا۔ اماں جی نے جوتے بھجوا دیئے۔ حضرت شیخ الہندؒ استاد کے جوتے سر پر رکھ کر کافی دیر روتے رہے اور کہا کہ آج میرے استاد زندہ ہوتے تو میں ان کے قدموں کو اپنے سر کا تاج بنا لیتا۔ سبحان اللہ

سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کا ایک گرانقدر ملفوظ: سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی بات یاد آتی ہے' اکابرین علمائے دیوبند کے متعلق فرماتے تھے کہ متقدمین کا قافلہ جا رہا تھا' اس میں سے چند قدسی روحیں پیچھے رہ گئیں' اللہ نے اس دور میں ان کو پیدا فرما دیا تاکہ متاخرین کو متقدمین کے نمونے کا پتہ چل سکے۔

لمحہ ء فکریہ: محترم علمائے کرام! ہمارے اکابرین نے جو کتابیں پڑھیں' آج کا طالب علم بھی وہی کتابیں پڑھتا ہے۔ وہی بخاری شریف' وہی مسلم شریف' وہی ترمذی شریف' وہی ابو داؤد شریف' وہی تفسیر کی جلالین شریف مگر آج کا ہر طالب علم قاسم نانوتوی کیوں نہیں بنتا؟ رشید احمد گنگوہی کیوں نہیں بنتا؟ اشرف علی تھانوی کیوں نہیں بنتا؟ علامہ کشمیری کیوں نہیں بنتا؟ کتابیں وہی ہیں' پڑھنے والوں کے اندر فرق ہے' طلب میں فرق ہے' ادب میں فرق ہے جس کی وجہ سے وہ کمالات حاصل نہیں ہو پاتے۔ حالانکہ وہی الفاظ پڑھتے ہیں مگر ان کے معارف حاصل نہیں ہو پاتے۔ آج اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم وہ تقوی' وہ علم اور اپنے اسلاف کے اخلاق اپنے اندر پیدا کریں تاکہ وہی کمالات اللہ تعالی ہمارے اندر بھی پیدا کر دے۔

آج ہم بڑے مزے سے ان حضرات کی باتیں سنتے ہیں اور کہتے ہیں کہ

اولئك ابائي فجعني بمثلهم
اذا جمعتنا يا جرير المجامع

یعنی سو فیصد ٹھیک بات ہے لیکن سننے والا یہ بھی تو کہہ سکتا ہے کہ جناب

لئن فخرت بآباء ذونسب
لقد صدقت ولکن بئس ما ولدوا

اگر ہمارے اسلاف وہ تھے تو آج ان کے روحانی بیٹے ہم ہیں۔ آج ہمارے علم اور عمل میں فرق ہے' قال اور حال میں فرق ہے' جلوت اور خلوت میں فرق ہے' اتباع سنت ہم میں پوری نہیں بس کچھ ظاہرداری کرلیتے ہیں' تنہائی میں ہماری شخصیت اور ہوتی ہے باہر اور ہوتی ہے۔ دل سے پوچھیں دل کہتا ہے' دو چہرے ہیں۔ ایک وہ چہرہ جو لوگوں کو دکھانے کیلئے ہے اور ایک وہ چہرہ جو تیرا پروردگار جانتا ہے۔

یہ دورنگی کب ختم ہوگی؟ ہم کب اس سے دور ہونگے؟ اور اپنے اندر وہ کمالات پیدا کرنے کی کوشش کب کریں گے؟۔ آج تو وہ وقت آچکا ہے کہ جو حضرات حلال مال کے ذریعے اپنے پیٹوں کو نہیں بھرتے تھے آج ان کی اولادیں حرام مال سے اپنے پیٹوں کو بھر رہی ہیں۔ وہ حضرات جو چٹائی پر بیٹھ کر ساری رات گزار دیا کرتے تھے۔ آج ان کی اولادیں نرم گدوں پر شب باشی کی عادی بن چکی ہیں۔ وہ حضرات جن کے تیل کا خرچہ ان کے ماہانہ کھانے کے خرچے سے زیادہ ہوتا تھا' اتنا پڑھتے تھے۔ آج ان کی اولادیں کتابیں پڑھنے کی بجائے اخبار بین بن چکی ہیں۔ روزانہ اخبار تو پڑھتے ہیں مگر پورے دن میں حدیث کی کتاب پڑھنے کی توفیق نہیں ہوتی۔ اگر یہ صورت حال ہے تو بتائیں کہ ہم ان حضرات کے مشن کو لے کر آگے کیسے بڑھ سکتے ہیں۔ یہ تو اللہ کا کرم ہے کہ اس طائفہ میں کچھ ایسے حضرات موجود ہیں' علم والے اور ذکر والے' جن کو اللہ نے جگایا ہوا ہے' وہ چند حضرات علم اور ذکر میں کام کر رہے ہیں۔ ورنہ عمومی طور پر ہماری حالت پست سے پست ہوتی چلی جارہی ہے۔ لہذا آج ہمیں اٹھنے کی ضرورت ہے اور دین کے قلعے بنانے کی ضرورت ہے۔ جیسے دارالعلوم دیوبند علم کا ایک قلعہ بنا تھا

یہ علم و ہنر کا گہوارہ تاریخ کا وہ شہ پارہ ہے
ہر پھول یہاں اک شعلہ ہے ہر سرو یہاں مینارہ ہے

کہسار یہاں دب جاتے ہیں طوفان یہاں رک جاتے ہیں
اس کاخ فقیری کے آگے شاہوں کے محل جھک جاتے ہیں

کیا دارالعلوم تھا؟ فقراء کا بنایا ہوا تھا۔ شاہوں کے محل بھی کانپتے تھے۔ آج ہم ان کے روحانی بیٹے' ان کا فیض پانے والے' اسی چشمے سے سیراب ہونے والے ہیں۔ ہماری مسجدیں اور مدارس اس کی بیٹیاں اور بیٹے ہیں۔ یہ چیزیں ایسے ہی نہیں پیدا ہو جائیں گی بلکہ اس کیلئے محنت کرنی پڑے گی۔ جب کتابیں پڑھنے کا وقت ہو تو ہم اپنے آپ کو علم میں منہمک کر دیں اور جب ذرا تنہائی کا وقت ہو تو فَاِذَا فَرَغْتَ فَانْصَبْ وَاِلٰی رَبِّكَ فَارْغَبْ کے مصداق اپنے مصلے پر بیٹھے ہوں' پھر جلوت بھی وہی ہو' اشراق تک بیٹھ کر لا الہ الا اللہ کی ضربیں لگانا بھی وہی ہو' رات کی آہیں بھی وہی ہوں' رات کو دامن بھی اسی طرح پھیلائیں' رات کو آنسو بھی اسی طرح گریں۔ تو اللہ تعالی رحمت فرمائیں گے' ہمیں ظاہری اور باطنی علوم کا حامل کامل اور عالم باعمل بنا دیں گے۔

محترم علمائے کرام! اپنے ظاہر کو سنت نبوی ؐ سے اور اپنے باطن کو معرفت الٰہی سے سجا لیجئے۔ اگر کفر ہمارا دماغ ٹٹولے تو اسے علم نبوی ؐ نظر آئے' ہمارا دل ٹٹولے تو اسے عشق نبوی ؐ نظر آئے اور ہمارے سراپا کو دیکھے تو سنت نبوی ؐ سے آراستہ نظر آئے۔ جب ان کو ہر طرف سنت نبوی ؐ کا نور نظر آئے گا تو ظلمتیں چھٹ جائیں گی' پھر قدم اٹھائیں گے تو اللہ تعالی قدموں میں برکتیں ڈال دیں گے' فتوحات کے دروازے کھلیں گے' اللہ تعالی پوری دنیا میں ایسا وقار قائم کر دیں گے کہ کفر اپنے محلات میں بیٹھے بیٹھے کانپ رہا ہو گا۔ اللہ رب العزت ہمیں اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی اور علم و ذکر کے دونوں پلڑوں میں توازن رکھنے کی توفیق نصیب فرمادے۔ آمین ثم آمین

وَ آخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○

الدنيا كلها متاع و خير متاع
الدنيا المراة الصالحة

☆☆☆

دنیا ساری کی ساری نفع کی چیز ہے اور دنیا میں
بہترین نفع کی چیز صالح عورت ہے (حدیث نبوی ؐ)

اسلام میں عورت کا مقام

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِهِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ!
فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ○
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○
مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّهٗ حَیٰوةً طَیِّبَةً وَلَنَجْزِیَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی فِیْ مَقَامٍ آخَرَ وَ مِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْٓا اِلَیْهَا وَ جَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ـ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ ○ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی فِیْ مَقَامٍ آخَرَ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ ○ سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا یَصِفُوْنَ وَ سَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ○

تاریخ عالم کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بات طشت از بام ہوتی ہے کہ صنف نازک کے حقوق کیلئے ہر دور اور ہر زمانے میں افراط و تفریط کا معاملہ برتا گیا۔ تاہم اسلام نے جس توازن اور اعتدال کے ساتھ عورت کے حقوق کو واضح کیا اس کو جان کر ہر انسان عش عش کر اٹھتا ہے۔ آج کا عنوان اسی اجمال کی تفصیل ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں عورت کے حقوق کی پامالی:

بلاد عرب میں اسلام سے پہلے عورت کے حقوق کو اس قدر پامال کیا جا چکا تھا کہ لوگ اپنے گھر میں بیٹی کا پیدا ہونا برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ معصوم بچیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔ عورت کے حقوق اس حد تک چھین لیے گئے تھے کہ اگر کوئی آدمی فوت ہو جاتا تو جس طرح اس کی جائیداد اس کے بڑے بیٹے کی وراثت میں آتی تھی اس کی بیویاں بھی اس کے بڑے بیٹے کی بیویوں کے طور پر منتقل ہو جاتی تھیں۔ بیوی کو پاؤں کی جوتی سمجھا جاتا تھا بلکہ عورت کی جائز باتوں کو ماننا بھی مردانگی کے خلاف سمجھا جاتا تھا۔

آمد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور نوید مسرت: اللہ کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا میں تشریف لا کر واضح کیا کہ اے لوگو! عورت اگر بیٹی ہے تو یہ تمہاری عزت ہے' اگر بہن ہے تو تمہاری ناموس ہے' اگر یہ بیوی ہے تو تمہاری زندگی کی ساتھی ہے اور اگر یہ ماں ہے تو تمہارے لیے اس کے قدموں میں جنت ہے۔ اور یہ بھی فرمایا کہ جس آدمی کی دو بیٹیاں ہوں' وہ ان کی اچھی تربیت کرے' ان کو تعلیم دلوائے حتی کہ ان کا فرض ادا کردے تو یہ جنت میں یوں میرے ساتھ ہوگا جیسے ہاتھ کی دو انگلیاں ایک دوسرے کے ساتھ ہوتی ہیں۔ گویا بیٹی کے پیدا ہونے پر جنت کا دروازہ کھلنے کی بشارت دی گئی۔

ساتھ یہ بھی خوشخبری دے دی گئی کہ مَنْ عَمِلَ صَالِحاً جو کوئی بھی نیک عمل کرے' مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی مرد ہو یا عورت ہو وَهُوَ مُؤْمِنٌ اور وہ ایمان والا ہو' فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ہم اس کو ضرور بالضرور پاکیزہ زندگی عطا کریں گے۔ یعنی جس طرح مرد نیکی اور عبادت کر کے اللہ رب العزت کے ولی بن سکتے ہیں' عورتیں بھی اسی طرح نیکی اور عبادت کے ذریعے ولایت کے انوارات حاصل کر سکتی ہیں۔ اللہ تعالی نے ان کیلئے بھی ولایت کے دروازے کو کھلا رکھا ہے۔ چنانچہ دین اسلام نے عورت کو ایسا وقار عطا کیا کہ باقی دنیا آج تک عورت کو نہیں دے سکی۔

اسلام دشمن قوتوں کا پروپیگنڈہ: آج کل اسلام دشمن قوتوں نے عجیب پروپیگنڈہ شروع کر دیا ہے جس سے وہ مسلمان عورتوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتے ہیں کہ اسلام نے عورتوں پر بہت زیادہ پابندیاں لگادی ہیں۔ ہمارے معاشرے کی کئی پڑھی لکھی مستورات' خواتین اور بچیاں غلط فہمی کا شکار ہو جاتی ہیں اور وہ یہ سمجھتی ہیں کہ شاید ہمیں ہمارے جائز حقوق نہیں دیئے گئے۔ حالانکہ بات ہرگز ایسی نہیں ہے۔

اسلام میں پردے کا حکم: دیکھئے' سب سے پہلی بات تو یہ کی جاتی ہے کہ اسلام نے عورت کو پردے میں رہنے کا حکم دیا ہے جبکہ غیر مسلم

معاشرہ میں عورت بے پردہ پھرتی ہے۔ تو یہ بات سمجھنی بہت آسان ہے کہ عورت پردے میں رہے تو اسکا فائدہ عورت کو بھی ہے مرد کو بھی۔ آئیے یورپ کی بے پردگی کے نقصانات پر غور کیجئے۔

سویڈن میں بے پردگی کے دو مضر اثرات:

سویڈن برطانیہ کے بالکل قریب یورپی دنیا کا ایک امیر ملک ہے۔ ہمارے ملکوں میں خسارے کا بجٹ ہوتا ہے تو اس ملک میں نفع کا بجٹ ہوتا ہے۔ ہم سوچتے ہیں کہ پیسہ آئے گا کہاں سے اور وہ سوچتے ہیں کہ پیسہ لگائیں گے کہاں پہ۔ اتنے امیر ہیں کہ اگر اس پورے ملک کے مرد، عورت، بچے اور بوڑھے کام کرنا چھوڑ دیں، فقط کھائیں، پیئں اور عیاشی کرتے رہیں تو وہ قوم چھ سال تک اپنے پڑے ہوئے خزانے کو کھا سکتی ہے۔ اگر کوئی آدمی نوکری نہیں ڈھونڈ پاتا تو وہ صرف حکومت کو اطلاع دے تو اس کو گھر بیٹھے ہوئے 20 ہزار روپیہ ماہانہ مل جایا کرے گا۔ اگر اسکا مکان نہیں تو حکومت اس کو مکان لے کر دیتی ہے۔ بیمار ہوا تو پیدا ہونے سے لیکر اس کے مرنے تک اس کی بیماری پر لاکھ روپیہ لگے یا کروڑ روپیہ لگے، حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس کا علاج کروائے۔

ان کے روٹی کپڑے اور مکان کا مسئلہ تو حل ہوگیا۔ باقی رہ گئیں انسان کی خواہشات. وہ اس ملک میں اس حد تک پوری ہوتی ہیں کہ اس کو Sex Free Country (جنسی خواہشات کے اعتبار سے آزاد ملک) کہا جاتا ہے۔ جانوروں کی طرح مرد عورت ایک دوسرے کے ساتھ جہاں چاہیں جب چاہیں ملیں ان پر کوئی پابندی نہیں۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ جن کو روٹی، کپڑے، مکان کی فکر نہیں، جن کی خواہشات مرضی کے مطابق پوری ہوتی ہوں ان کو تو اور کوئی غم ہی نہیں ہونا چاہیئے۔ مگر دو باتیں بہت عجیب ہیں۔ سب سے پہلی بات یہ کہ اس معاشرہ میں طلاق کی شرح 70 فیصد سے زیادہ ہے۔ گویا 100 میں سے 70 سے زیادہ گھروں میں طلاق ہو جاتی ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اس معاشرہ میں خودکشی کرنے والوں کا تناسب پوری دنیا میں سب سے زیادہ ہے۔ جتنے لوگ وہاں خودکشی کرتے ہیں پوری دنیا میں کسی ملک میں نہیں کرتے۔ اس بے حیائی اور بے پردگی کی وجہ سے دلوں کو سکون نہیں ملتا۔ مرد بھی بہتر سے

بہترین کی تلاش میں اور عورت بھی خوب سے خوب تر کی تلاش میں۔ چنانچہ سکون کی زندگی کسی کو بھی نصیب نہیں ہوتی۔ جس ماحول میں 70 فیصد سے زیادہ عورتوں کو طلاق ہو جائے وہاں کس کو خوشی ہوگی؟ چنانچہ آج وہ Depression (ذہنی پریشانی) کی زندگی گذارتے ہیں۔

پردہ کی پابندی کے خوشگوار اثرات: اسلام نے ہمیں پردے کی پابندی کا حکم دیا ہے تو اس کا فائدہ بھی ہمیں ہی ہے۔ گو ہمارے معاشرے میں کھانے کی چیزوں کی کمی' لباس اور مکان کی کمی ہے مگر اس کے باوجود ہمارے معاشرہ میں سے 0.7 فیصد بھی طلاق کی شرح نہیں ہے۔ ہم یہ سکھی زندگی کیوں گذار رہے ہیں؟ یہ خوشیوں بھری زندگی کیوں گذار رہے ہیں؟ اس لئے کہ اس گئے گذرے ماحول میں کچھ نہ کچھ اسلامی احکام کی پابندی باقی ہے۔ جس کا فائدہ خود ہمیں مل رہا ہے۔

یورپ میں بے پردہ عورت کی زبوں حالی: ہماری مسلمان عورتیں یہ نہ سمجھیں کہ غیر مسلم معاشرے میں پردہ نہیں جس کی وجہ سے ان کو آزادی مل گئی۔ نہیں ہرگز ایسی بات نہیں ہے۔ میں نے یورپ میں ایک فیکٹری میں دیکھا کہ سامان اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کیلئے چار لڑکے تھے وہ بھی بوریوں کو کمر پر رکھ کر لے جا رہے تھے اور دو لڑکیاں تھیں انہوں نے بھی کمر پر اپنی اپنی بوری اٹھائی ہوئی تھی اور وہ بھی چل رہی تھیں۔ تو میں نے اس فیکٹری کے منیجر سے کہا کہ یہ کیا Non Sence ہے کہ آپ نے لڑکیوں کو یہ کام دے دیا۔ وہ کہنے لگا' جی اگر یہ کام نہیں کریں گی تو پھر کھائیں گی کہاں سے؟ عورت کو آزادی ملی! کہ اب وہ بوریاں کمر پر اٹھا کر قلیوں کی طرح فیکٹری میں کام کر رہی ہے کیا اس کا نام آزادی ہے؟

دیکھئے پاکستان میں NLC کے بڑے بڑے ٹریلر کراچی سے پشاور تک چلتے ہیں۔ اس سائز کے بڑے بڑے ٹریلر یورپ میں لڑکیاں بھی چلاتی ہیں۔ جس طرح ڈرائیور راستے میں کسی جگہ رات ہونے پر چائے پانی پی لیتے ہیں اور چارپائی بستر کرائے پر لے کر سو جاتے ہیں' بالکل اسی طرح چارپائی بستر کرائے پر لیکر ڈرائیور لڑکیاں سو جاتی ہیں۔ یہ عورت کو عزت ملی یا ذلت ملی؟ فیصلہ آپ خود کر لیجئے۔

عورت گھر کی ملکہ: اسلام نے عورت پر روزی کمانا زندگی میں کبھی فرض نہیں کیا۔ بیٹی ہے تو باپ کا فرض ہے کہ وہ بیٹی کو روٹی کما کر کھلائے۔ اگر بہن ہے تو بھائی کا فرض ہے کہ کما کر لائے۔ اگر بیوی ہے تو خاوند کا فرض ہے کہ کما کر لائے۔ اگر ماں ہے تو اولاد کی ذمہ داری ہے کہ وہ کمائے اور اپنی ماں کو لا کر کھانا کھلائے۔ گویا عورت پر پوری زندگی میں اسلام نے روزی کمانے کا بوجھ نہیں ڈالا۔ بلکہ اس کے قریبی محرم مردوں کی ذمہ داری لگائی کہ تم نے کمانا ہے اور اس عورت کو گھر میں لا کر دینا ہے۔ یہ گھر کی ملکہ بن کر رہے گی، بچوں کی تربیت کرے گی اور گھر کی اندرونی زندگی کے تمام معاملات کو سنبھالے گی۔ اب بتائیے کہ کس معاشرہ نے عورت کو زیادہ آسانی کی زندگی دی، اسلام نے یا یورپ نے؟

اسلام میں عورت کے ساتھ اتنی نرمی کیوں؟ اگر آپ غور کریں تو یہ بات بہت واضح نظر آئے گی کہ اسلام نے صنف نازک کے ساتھ نرمی کا معاملہ برتا ہے۔ اس لیے کہ مرد کو اللہ نے طاقت دی، عورت کو اس کے مقابلہ میں جسمانی اعتبار سے کمزوری دی ہے، نزاکت دی ہے۔ لہٰذا عورت کی ذمہ داریاں بھی اسی طرح کی ہیں جس طرح اللہ نے اس کا جسم بنایا اور مرد کی ذمہ داریاں بھی اسی طرح کی ہیں جس طرح اللہ نے اس کا جسم سخت جان بنایا۔

پاکستان میں ایک عجیب پروپیگنڈہ: پچھلے دنوں ایک پروپیگنڈہ ہمارے ملک میں بھی ہوتا رہا کہ اسلام میں عورت کو آدھا شہری تصور کیا جاتا ہے یعنی عورت کی دیت آدھی ہوتی ہے اور عورت کی گواہی آدھی ہوتی ہے۔ یہ ایسا سوال ہے کہ کالجوں، یونیورسٹیوں اور سکولوں میں لڑکیاں ایک دوسرے سے پوچھتی ہیں۔ اگر آپ غور کریں تو یہ معاملہ بہت آسانی سے سمجھ آنے والا ہے۔ میں ان پر تھوڑی سی روشنی ڈال دیتا ہوں۔

اگر کوئی قاتل مقتول کو ارادے سے قتل کرے تو اسے "قتل عمد" کہتے ہیں اور اگر بغیر ارادے کے قتل ہوجائے تو اسے "قتل خطا" کہتے ہیں۔ قتل عمد ہو تو اس کا قصاص ادا کرنا پڑتا

ہے اور اگر قتل خطا ہو تو پھر اس کی دیت دینی پڑتی ہے۔ مطلب یہ کہ اگر خاوند مارا گیا تو اس کی بیوی کو اس کی دیت ملے گی اور اگر بیوی ماری گئی تو خاوند کو اس کی دیت ملے گی۔

دیت کے بارے میں شریعت کا حکم:

شریعت کا حکم یہ ہے کہ اگر خاوند مرے گا تو بیوی کو پوری دیت ادا کی جائے گی اور اگر بیوی مرے گی تو خاوند کو اس کا آدھا ادا کیا جائے گا۔ اس صورت میں رونا تو مردوں کو چاہیئے تھا کہ دیکھو جی ہمارے ساتھ ناانصافی ہے۔ ہم مریں گے تو عورت کو پورا حصہ ملے گا' عورت مری تو ہمیں آدھا حصہ ملے گا۔ مردوں نے تو کیا رونا تھا الٹا غلط فہمی عورتوں میں ڈال دی گئی کہ جی عورت کی دیت آدھی ہوتی ہے۔ او اللہ کی بندی! عورت کی دیت آدھی ہوتی ہے تو پیسہ مل کس کو رہا ہے۔ وہ تو خاوند کو مل رہا ہے۔ جہاں مرد کے لینے کا معاملہ تھا اللہ تعالیٰ نے اس کو نصف دلوایا اور جہاں عورت کے لینے کا معاملہ تھا اسے مرد سے دوگنا دلوایا۔ گویا عورت کے ساتھ Favour (ہمدردی) کی گئی۔

عورت کی گواہی آدھی ہونے میں حکمت:

اسی طرح گواہی کے معاملہ میں کہتے ہیں کہ عورت کی گواہی آدھی ہے۔

آپ نے دیکھا ہو گا کہ لوگ اپنی آنکھوں کے سامنے قتل ہوتے دیکھتے ہیں لیکن گواہ نہیں بنتے کس لئے؟ کہ جی کون مصیبت میں پڑے؟ کون گواہیاں بھگتے؟ کون چکر لگائے عدالتوں کے؟ اور پھر قاتلوں کے ساتھ دشمنی کون لے؟ دیکھنے میں بھی آیا ہے کہ لوگ تو عدالت کے اندر گواہوں کو قتل کردیا کرتے ہیں۔ ان کی جان' مال' عزت' آبرو ہر چیز خطرہ میں ہوتی ہے۔ گویا گواہی دینا ایک بوجھ ہے' اسی لئے کئی لوگ اس بوجھ کو ادا کرنے سے کتراتے ہیں اور دیکھنے کے باوجود خاموش ہو جاتے ہیں کسی کو کچھ نہیں کہتے۔ جہاں مرد نے گواہی دینی تھی تو حکم دیا کہ تمہاری گواہی پوری گواہی ہو گی' تمہارے سر پر پورا بوجھ رکھا جائے گا۔ عورت نے گواہی دینی تھی تو فرمایا ہم پورا بوجھ تمہارے اوپر نہیں رکھتے تم دو عورتیں آدھا آدھا بوجھ ملکر اٹھالو تاکہ اگر کوئی تمہارے ساتھ دشمنی کرے گا تو وہ ایک خاندان کے ساتھ نہیں بلکہ دو خاندانوں کے ساتھ دشمنی لے رہا ہو گا۔ تمہارے اوپر جو بوجھ آئے گا وہ آدھا

بوجھ ہو گا۔ گویا عورت کے ساتھ نرمی کر دی گئی۔ ورنہ اگر عورت کو کہہ دیا جاتا کہ آپ نے پوری گواہی دینی ہے تو یہ پھر روتی پھرتی کہ جی اتنی بڑی ذمہ داری میرے سر پہ ڈال دی۔ اللہ تعالی نے عورت کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیا کہ گواہی دینے کا وقت آیا' بوجھ اٹھانے کا وقت آیا تو کہا کہ اب دو خاندان ملکر یہ بوجھ اٹھالیں تاکہ عورت کو تحفظ زیادہ مل سکے' اس کی جان' مال' عزت' آبرو کی زیادہ حفاظت ہو سکے۔ اگر ان دو مسائل پر غور کریں تو صاف طور پر واضح ہو گا کہ اللہ تعالی نے عورت کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیا ہے۔

بہت اچھا سوال: ایک دفعہ نبی ﷺ کی خدمت میں ایک خاتون آکر عرض کرنے لگی' اے اللہ کے نبی ﷺ! مرد لوگ تو نیکیوں میں ہم سے بہت آگے بڑھ گئے۔ پوچھا' وہ کیسے؟ کہنے لگی کہ جی' یہ آپ کے ساتھ جہاد میں شریک رہتے ہیں. ساری ساری رات جاگ کر دشمن کی سرحد پر پہرہ دیتے ہیں اور ہم گھروں کے اندر ان کے بچوں کی پرورش کرتی رہتی ہیں. ان کو پکا کر کھلاتی رہتی ہیں. ان کی تربیت کا خیال کرتی ہیں. ان کے جان مال' عزت و آبرو کی حفاظت کرتی ہیں۔ ہم جہاد میں دشمن کے سامنے اس طرح راتوں کو پہرہ نہیں دیتیں۔ اسی طرح ہم قتال نہیں کرتیں جس طرح مرد کرتے ہیں۔ یہ تو نیکیوں میں ہم سے آگے بڑھ گئے یہ تو مسجدوں میں جا کر جماعت کے ساتھ نمازیں پڑھتے ہیں. جب کہ ہم گھروں ہی میں نماز پڑھ لیتی ہیں۔ ہم تو جماعت کے ثواب سے بھی محروم ہو گئیں.... جب انہوں نے یہ سوال پوچھا تو اللہ کے پیارے نبی ﷺ نے فرمایا کہ سوال پوچھنے والی نے بہت اچھا سوال پوچھا۔

بہت اچھا جواب: اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ جو عورت اپنے گھر میں اپنے بچے کی وجہ سے رات کو جاگتی ہے تو اللہ تعالی اسے اس مجاہد کے برابر اجر عطا فرما دیتے ہیں جو ساری رات جاگ کر دشمن کی سرحد پر پہرہ دیا کرتا ہے۔ گھر کے نرم بستر پر عورت کو بیٹھے ہوئے اللہ تعالی نے جہاد کا ثواب عطا فرما دیا۔ اور فرمایا کہ جو عورت اپنے گھر میں نماز پڑھ لیتی ہے اللہ تعالی اس مرد کے برابر اجر عطا فرماتے ہیں جو مسجد میں جا کر جماعت کے ساتھ تکبیر اولی کے ساتھ نماز پڑھتا ہے۔

عورت کی زندگی کے مختلف مدارج

آیئے آپ کو عورت کی زندگی کے مختلف مدارج کے اجر و ثواب کے بارے میں بتا دیتا ہوں تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ اسلام نے عورت کے ساتھ کس قدر نرمی کا معاملہ کیا ہے۔

لڑکی کی پیدائش: شریعت کا حکم ہے کہ اگر بیٹی گھر میں پیدا ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے رحمت کا دروازہ کھول دیا۔ اگر دو بیٹیاں ہو گئیں تو باپ کیلئے رحمت بن گئیں کہ ان کا باپ جنت میں اللہ کے پیارے نبی ﷺ کے اتنا قریب ہو گا جیسے ہاتھ کی دو انگلیاں ایک دوسرے کے قریب ہوتی ہیں۔

کنواری لڑکی کی وفات: حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ جب کوئی کنواری لڑکی مر جاتی ہے' ماں باپ کے گھر رہتی تھی' فوت ہو گئی تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو شہداء کی قطار میں کھڑا کریں گے۔ اس لیے کہ یہ کنواری تھی' یہ ماں باپ کے گھر رہی تھی' اس نے اپنی عزت و عفت کی حفاظت کی' ابھی اس نے خاوند کا گھر نہیں دیکھا تھا وہ عیش و آرام نہیں دیکھے جو خاوند کے ساتھ مل کر انسان کو نصیب ہوتے ہیں۔ چونکہ یہ محروم رہی اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس پر مہربانی کر دی کہ اس کو "شہید آخرت" کا درجہ دے دیا۔ دنیا میں تو شہید نہیں کہیں گے مگر قیامت کے دن اللہ تعالیٰ شہیدوں کی قطار میں اس کو کھڑا کر دیں گے۔

شادی شدہ عورت کے اجر میں اضافہ: اس سے آگے قدم بڑھایئے کہ اگر اس بچی کی شادی ہو گئی اور یہ اپنے خاوند کی فرمانبرداری کرتی ہے اور ساتھ ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کرتی ہے تو فقہاء نے مسئلہ لکھا ہے کہ کنواری عورت ایک نماز پڑھے گی تو ایک نماز کا ثواب ملے گا اور شادی شدہ ہونے کے بعد نماز پڑھے گی تو 21 نمازوں کا ثواب عطا کیا جائے گا۔ اس لئے کہ اب اس پر دو خدمتیں ضروری ہو گئیں ہیں۔ ایک خاوند کی خدمت اور ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت۔ جس کی وجہ سے دو بوجھ پڑ گئے۔ جب یہ خاوند کی خدمت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گی تو اللہ تعالیٰ اس کی عبادت کے اجر و ثواب کو بڑھا دیں گے۔ دیکھا' ایک نماز پڑھے گی مگر 21

نمازوں کا ثواب پائے گی۔

اللہ تعالیٰ کی سفارش: اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں مردوں کو سفارش کی ہے عورتوں کے بارے میں۔ فرمایا وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ تم نے ان عورتوں کے ساتھ اچھے طریقے سے زندگی گزارنی ہے۔ دیکھئے' آج کسی کی سفارش اس کی بہن کرتی ہے کسی کی سفارش اس کی ماں کرتی ہے. کسی کی سفارش اس کی خالہ کرتی ہے. کسی کی سفارش اس کی پھوپھی کرتی ہے. عزیز و اقارب کرتے ہیں لیکن عورتوں کی سفارش اللہ رب العزت اپنے قرآن میں خود فرما رہے ہیں۔ فرمایا وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ اے مردو! تم نے عورتوں کے ساتھ اچھے اخلاق اور اچھے انداز کے ساتھ زندگی بسر کرنی ہے۔

حمل ٹھہرنے پر گناہوں کی بخشش: اگر یہ عورت اپنے خاوند کے ساتھ اچھے انداز میں زندگی بسر کر رہی ہے حتی کہ اس عورت کو امید لگ گئی۔ تو حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ جس لمحے اس کو حمل ہوا اسی لمحے اللہ تعالیٰ اس عورت کے پچھلے تمام گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔ اس لیے کہ اب کچھ عرصہ یہ بیماری کی حالت میں گزارے گی۔ چونکہ حمل کا زمانہ عورت کیلئے بیماری کا زمانہ ہوا کرتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مہربانی فرمادی کہ جیسے ہی حاملہ ہوئی اسی لمحے اللہ نے اس کی زندگی کے پچھلے گناہوں کو معاف کر دیا۔

دوران حمل کراہنے پر اجر: اگر یہ اپنے بچے کو پیٹ میں لیے ہوئے پھر رہی ہے اور گھر کے کام کاج بھی کر رہی ہے اور تھکن کی وجہ سے اس کی زبان سے کراہنے کی آواز نکلتی ہے مثلاً "ہوں ہوں" کی آواز نکلتی ہے تو حدیث پاک میں آتا ہے کہ اس کی زبان سے تو "ہوں ہوں" کی آواز نکلے گی لیکن اللہ تعالیٰ فرشتوں کو فرماتے ہیں میری یہ بندی ایک بڑے بوجھ سے عہدہ برآ ہو رہی ہے اور تکلیف کی بنا پر اس کی زبان سے "ہوں ہوں" کی آواز نکل رہی ہے تم اس کی بجائے سبحان اللہ' الحمدللہ' اللہ اکبر کہنے کا ثواب اس کے نامہ اعمال میں لکھ دو۔

دردِ زہ پر اجر و ثواب: اگر بچے کی پیدائش کا وقت قریب ہو تو یہ عورت درد میں محسوس کر رہی ہے حدیث پاک میں آیا ہے کہ ہر دفعہ عورت کو جو درد محسوس ہوتی ہے اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ اس کو ایک عربی النسل غلام آزاد کرنے کا ثواب عطا فرماتے ہیں۔ جبکہ دوسری حدیثوں کا مفہوم ہے کہ جس نے کسی ایک غلام کو آزاد کیا اللہ تعالیٰ اس کو جہنم سے بری فرما دیتے ہیں۔ اب دیکھئے کہ عورت کے ساتھ کتنی نرمی کا معاملہ کیا گیا کہ ہر ہر درد کے اٹھنے پر ایک عربی نسل کا غلام آزاد کرنے کا ثواب لکھا گیا۔

دورانِ زچگی مرنے والی عورت شہید ہے: اگر بچہ کی پیدائش کے دوران یہ عورت فوت ہو گئی تو حدیث پاک میں آتا ہے کہ یہ عورت شہید مری۔ قیامت کے دن اس کو شہیدوں کی قطار میں کھڑا کیا جائے گا۔

بچہ کی پیدائش پر گناہوں کی بخشش: اگر بچہ صحیح پیدا ہو گیا' زچہ بچہ خیریت سے ہیں تو حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ کو حکم دیتے ہیں جو اس عورت سے آکر کہتا ہے کہ اے ماں! اللہ تعالیٰ نے تجھے گناہوں سے ایسے پاک کر دیا جیسے تو اس دن پاک تھی جب تو اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئی تھی۔ دیکھا' اس نے اگر اپنے بچے کی خاطر یہ تکلیف اٹھائی تو اللہ تعالیٰ نے اس کا کتنا بڑا اجر دیا کہ اس کے پچھلے گناہوں کو اس طرح دھو دیا گیا کہ جس طرح وہ اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئی تھی تو اس دن معصوم تھی۔

بچے کو پہلا لفظ "اللہ" سکھانے پر اجر: اچھا اب اگر یہ عورت اپنے بچے کی اچھی تربیت کرتی ہے. اس کو اللہ اللہ کا لفظ سکھاتی ہے تو حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ جو بچہ اپنی زندگی میں سب سے پہلے اپنی زبان سے "اللہ" کا لفظ نکالتا ہے تو اللہ تعالیٰ ماں باپ کے پچھلے تمام گناہوں کو معاف فرما دیتے ہیں۔ یہ کتنا آسان کام ہے کہ جب بچے کو اٹھایا تو اللہ اللہ کا لفظ کہا۔ آج ہماری بہو بیٹیاں بچے کے

سامنے ممی کا لفظ کہیں گی' پاپا کا لفظ کہیں گی اور کوئی زیادہ ماڈرن ہو گی تو وہ کہے گی...... Twinkle twinkle little star. اس مسئلہ کا پتہ نہیں اگر ہم اس بچے کے سامنے اللہ اللہ کا لفظ پڑھا کریں گے اور اس بچے نے سب سے پہلے اپنی زبان سے اللہ کا لفظ بولا تو اللہ تعالی ہمارے پچھلے تمام گناہوں کو معاف فرمادیں گے۔

بچے کو ناظرہ قرآن پاک پڑھانے کی فضیلت:

اگر اس عورت نے بچے کو قرآن پاک پڑھانے کیلئے بھیجا حتی کہ وہ بچہ قرآن پاک ناظرہ پڑھ گیا تو جس لمحے وہ ناظرہ قرآن پاک مکمل کرے گا اللہ تعالی اسی وقت اس کے ماں باپ کے گناہوں کو معاف فرمادیں گے۔

بچے کو قرآن پاک حفظ کرانے کی فضیلت:

اگر بیٹے یا بیٹی کو قرآن پاک حفظ کرنے کیلئے ڈالا اور وہ حافظ بن گیا یا بیٹی حافظہ بن گئی تو حدیث پاک کا مفہوم ہے کہ اللہ تعالی قیامت کے دن اس کے ماں باپ کو نور کا ایسا تاج پہنائیں گے کہ جس کی روشنی سورج کی روشنی سے بھی زیادہ ہو گی۔ بلکہ سورج کسی گھر میں آجائے تو اتنی روشنی نہیں ہو گی جتنا کہ اس نور کے بنے ہوئے تاج کی روشنی ہو گی۔ لوگ حیران ہونگے' وہ پوچھیں گے کہ یہ کون ہیں؟ ان کو کہا جائے گا کہ یہ تو انبیاء بھی نہیں شہداء بھی نہیں بلکہ یہ وہ خوش نصیب والدین ہیں جنہوں نے اپنے بیٹے یا بیٹی کو قرآن پاک حفظ کرایا تھا۔ آج اللہ تعالی نے نور کے بنے ہوئے تاج ان کے سروں پر رکھ دیئے۔ تو دیکھا' عورت کو قدم قدم پر اجر و ثواب مل رہے ہیں۔

گھریلو کام کاج پر اجر:

عورت اپنے گھر کے کام کاج کرتی ہے تو کام کاج کرنے پر بھی اجر و ثواب عطا کیا جاتا ہے۔ مثلا کونسی عورت ہے جو گھر کے اندر Dusting (صفائی) کا کام نہیں کرتی' گھر کے اندر اپنے کپڑے نہیں دھوتی یا گھر کے اندر کھانا وغیرہ نہیں پکاتی۔ یہ کام تو سب عورتیں ہی گھر میں کرتی ہیں اس پر بھی عورت کو اجر و ثواب عطا کیا جاتا ہے۔ ایک حدیث پاک عرض کر رہا ہوں۔ فرمایا گیا کہ جو عورت اپنے خاوند کے گھر میں کوئی بے ترتیب پڑی ہوئی چیز کو اٹھا کر ترتیب کے ساتھ رکھ دیتی ہے تو اللہ

تعالیٰ ایک نیکی عطا فرماتے ہیں' ایک گناہ معاف فرماتے ہیں اور جنت میں ایک درجہ بلند فرمادیتے ہیں۔ دیکھا' اب عورتیں روزانہ کتنی چیزوں کو ترتیب سے گھر میں رکھتی ہیں۔ کچن کی چیزوں کو لے لیں تو میرا خیال ہے کہ پچاس چیزوں کو تو ترتیب سے رکھتی ہی ہونگی۔

گھریلو کام کاج پر اجر نہ ملنے کی اصل وجہ: عورتوں کو نیت کرنے کا پتہ نہیں ہوتا کہ ہم نے کس نیت سے کام کرنا ہے۔ آج عورتیں کس نیت سے گھروں کو صاف رکھتی ہیں؟ او جی لوگ کیا کہیں گے' لوگ کہیں گے یہ تو گندی ہی بنی رہتی ہے' جب عورت اس نیت کے ساتھ گھر کو صاف ستھرا رکھے گی تو اسے ذرہ برابر بھی ثواب نہیں ملے گا۔ اس لئے کہ اس نے تو لوگوں کو دکھانے کیلئے کام کیا۔

تصحیح نیت.....ایک اہم مسئلہ: نیت ٹھیک کرنا' ایک مستقل مسئلہ ہے۔ آج عورتوں کو تصحیح نیت کا سبق نہیں سکھایا جاتا کہ کس نیت کے ساتھ انہوں نے صفائی کرنی ہے۔ یاد رکھیں کہ نیت ٹھیک ہوگی تو ثواب مل جائے گا نیت ٹھیک نہیں ہوگی تو ثواب نہیں ملیگا۔

مثال:

نیت کا ٹھیک کرنا چونکہ ایک اہم مسئلہ ہے اس لیے اس کو ایک مثال سے واضح کردیا جاتا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی گھر بنائے اور کمرے کے اندر کھڑکی لگوائے' روشن دان بنوائے مگر نیت یہ ہو کہ مجھے اس میں سے ہوا آئے گی اور روشنی آئے گی۔ اس آدمی کو ہوا اور روشنی تو ملے گی مگر ثواب بالکل نہیں ملے گا۔ اس لیے کہ جب اس نے نیت ہی ہوا اور روشنی کی کی تو وہ چیز اس کو مل گئی۔ مگر ایک دوسرا آدمی اپنا کمرہ بنواتا ہے اس میں کھڑکی یا روشن دان لگواتا ہے اور نیت یہ کرتا ہے کہ مجھے اس میں سے اذان کی آواز کمرے میں سنائی دیا کرے گی تو علماء نے لکھا ہے کہ اس کو اس پر اجر و ثواب بھی ملے گا' ہوا اور روشنی تو اس کو مفت میں مل جائے گی۔

مثال:

ایک اور مثال سمجھیں کہ ایک عورت گھر میں کھانا پکا رہی ہے۔ اگر کھانا بناتے ہوئے اس نے سالن میں ایک گھونٹ زیادہ پانی ڈال دیا تو علماء نے مسئلہ لکھا ہے کہ جتنا پانی مناسب تھا گھر کے سب لوگوں کیلئے اتنا پانی ڈالنے کے بعد اگر وہ ایک گھونٹ پانی اور ڈال دیتی ہے' اس نیت کے ساتھ کہ شاید کوئی مہمان آجائے' شاید ہمیں کسی پڑوسی کو کھانا دینا پڑ جائے۔ اس نیت کے ساتھ اگر ایک گھونٹ پانی اس نے سالن میں ڈال دیا۔ تو اس عورت کو مہمان کا کھانا پکانے کا ثواب عطا کر دیا جائے گا۔ اب بتاؤ' کونسی عورت ہے جو یہ ثواب نہیں لے سکتی؟ سب لے سکتی ہیں مگر دین کا علم نہ ہونے کی وجہ سے ان ثوابوں سے محروم رہ جاتی ہیں۔ اسی لیے تو اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا طَلَبُ العِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَ مُسْلِمَةٍ علم کا طلب کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے۔ تو گویا عورتوں پر بھی فرض ہے کہ وہ دین کا علم حاصل کریں اور یہ بیچاریاں دین سے اس قدر بے بہرہ رہ جاتی ہیں کہ ان کو غسل کے فرائض کا پتہ نہیں ہوتا' مسائل کا صحیح پتہ نہیں ہوتا۔

گھر کی صفائی کس نیت سے کی جائے؟:

عموماً گھر کی صفائی عورت اس لیے کرتی ہے کہ جی لوگ کیا کہیں گے کہ بیوقوف سی ہے' لوگ کہیں گے اس کو ذرا عقل نہیں ہے۔ نہیں اللہ کی بندی! اس لیے صفائی نہ کر بلکہ نیت یہ کرلے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ○۔ بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں سے بھی محبت کرتا ہے اور صاف ستھرا رہنے والوں سے بھی محبت کرتا ہے۔ کیا مطلب؟ توبہ کرنے سے دل کی صفائی ہوتی ہے اور ویسے صاف رہنے سے باہر کی صفائی ہوتی ہے۔ گویا جو آدمی باہر کی صفائی کرے گا اس سے بھی اللہ راضی' جو دل کی صفائی کرے گا اس سے بھی اللہ راضی۔ تو عورتوں کو چاہیے کہ اگر گھر میں جھاڑو دے رہی ہیں تو نیت یہ کرلیں کہ اللہ تعالیٰ پاکیزگی اور صفائی کو پسند فرماتے ہیں۔ شریعت کا حکم ہے کہ اَلطَّهُوْرُ نِصْفُ الْاِيْمَان صفائی آدھا ایمان ہے تو آپ دل میں نیت یہ کرلیا کریں کہ اس لیے گھر کی صفائی کر رہی ہوں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ پاکیزگی آدھا ایمان ہے اور پاکیزہ اور صاف رہنے والوں سے اللہ تعالیٰ محبت کرتے

ہیں۔ آپ اس نیت سے گھر کو صاف رکھیں، نگینہ بنا کر رکھیں، گھر کے فرنیچر کو چمکائیں، کپڑوں کو دھو دھو کے رکھیں۔ آپ کو ہر کام پر اجرو ثواب ملتا چلا جائے گا کیونکہ آپ کی نیت ٹھیک ہو گئی کہ آپ نے اللہ کی رضا کیلئے سب کچھ کیا ہے۔

شادی کے بعد ماں باپ کو ملنے کی فضیلت:

وہ کونسی بیٹی ہوگی جس کی شادی ہو اور وہ اپنے ماں باپ کو ملنے کیلئے نہ آئے؟ سبھی بیٹیاں آتی ہی، مگر نیت کیا ہوتی ہے؟ جی بس میں امی سے ملنے جا رہی ہوں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس بچی کی شادی ہو جائے اور وہ اپنے ماں باپ کی زیارت کی نیت کرلے کہ میں اپنے ماں باپ سے ملنے جا رہی ہوں اور خاوند سے اجازت لیکر جائے اور دل میں یہ ہو کہ اس عمل سے اللہ راضی ہونگے تو اللہ تعالی ہر قدم پر اس کو سو نیکیاں عطا فرمادیتے ہیں . سو گناہ معاف کردیتے ہیں اور جنت میں سو درجے بلند کردیتے ہیں۔

اب بتایئے کہ بیٹی اپنے ماں باپ کی زیارت کیلئے اس نیت سے آرہی ہے کہ اس عمل سے اللہ راضی ہونگے تو حدیث کا مفہوم ہے ہر قدم اٹھانے پر اسے سو نیکیاں ملیں گی، سو گناہ معاف ہوں گے اور جنت میں سو درجے بلند کردیئے جائیں گے۔

حدیث پاک میں آیا ہے کہ اگر یہ ماں باپ کے پاس آئی اور ان کے چہرے پر اس نے عقیدت کی نظر ڈالی تو اللہ تعالی ہر نظر ڈالنے پر اس کو ایک حج یا عمرہ کا ثواب عطا فرمائیں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ اے اللہ کے نبی ﷺ! جو آدمی اپنے ماں باپ کو بار بار محبت اور عقیدت کی نظر سے دیکھے۔ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا، جتنی بار دیکھیں گے اتنی بار حج یا عمرہ کا ثواب عطا کیا جائے گا۔

بچوں کی صحیح تربیت نہ ہونے کی بنیادی وجہ:

آج عورتیں مائیں تو بن جاتی ہیں مگر ان کو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ بچے کو تربیت کیسے دینی ہے۔ اس بیچاری نے خود ہی تربیت نہیں پائی ہوتی اپنے بچے کو کیا تربیت دے گی۔ آج یہی بنیادی وجہ ہے کہ ہمارے ماحول معاشرہ میں بچوں کی صحیح تربیت نہیں ہوتی۔ ایک وقت تھا جب کہ مائیں بچوں کی اچھی تربیت کیلئے خوب کوشش کرتی تھیں۔ آج

میں آپکو ایک واقعہ سنا دیتا ہوں جس سے آپ کو بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ نیک عورتیں بچوں کی کیسے تربیت کرتی تھیں؟

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے بچپن کا واقعہ:

دہلی میں ایک بزرگ گزرے ہیں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ۔ یہ مغل بادشاہوں کے پیر سمجھے جاتے ہیں۔ میں نے ان کا مزار دیکھا' قطب مینار کے بالکل قریب ہے۔ انہی کے نام پر قطب مینار بنایا گیا۔ نام تو تھا قطب الدین لیکن کاکی کا لفظ ساتھ کہا جاتا ہے۔ کاکی ہندی زبان کا لفظ ہے اور اس کا مطلب روٹی ہوتا ہے۔ تو ان کا پورا نام قطب الدین بختیار کاکیؒ تھا۔

ان کے بچپن کا مشہور واقعہ ہے کے جب انہوں نے مدرسہ جانا شروع کیا تو ماں باپ نے سوچا کہ کیوں نہ ہم اپنے بچے کی اچھی تربیت کریں۔ سب سے پہلے اس بچے کے دل میں یہ بات بٹھائی جائے کہ اپنے ہر معاملے میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرے۔ یعنی اس کو توحید سکھائیں۔ یہ ہر چیز اللہ سے مانگے' ہر وقت اللہ سے مانگے تاکہ اس کے دل میں اللہ کے ساتھ توکل پیدا ہو جائے۔ اس کی نگاہیں مخلوق کی بجائے خالق کے ساتھ جڑی رہیں۔ چنانچہ ماں نے کہا' اچھا' میں ایک حیلہ کرتی ہوں تاکہ اس بچے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجحان پیدا ہو جائے۔ اگلے دن جب بچہ مدرسہ گیا اور واپس آیا تو ماں نے کھانا پکا کر پہلے کسی بستر میں چھپا دیا۔ بچے نے کہا' امی مجھے بھوک لگی ہے' مجھے کھانا دے۔ اس نے کہا بیٹا! کھانا تو اللہ سے مانگو' وہی دے گا۔ بچے نے کہا' امی! اللہ تعالیٰ سے کیسے مانگتے ہیں؟ کہا بیٹا! یہ مصلی بچھاؤ اور یہاں بیٹھ کر اللہ سے دعا مانگو تو اللہ تعالیٰ بھیج دیں گے۔ وہ چھوٹا معصوم سا بچہ مصلی بچھاتا ہے اور اس کے اوپر بیٹھ کر اپنے معصوم ہاتھ پھیلا کر بڑی لجاجت سے دعا مانگتا ہے "اے اللہ! میں بھوکا ہوں' میں ابھی سکول سے آیا ہوں' اے اللہ! مجھے بھوک لگی ہے تو مجھے کھانا دے دے۔ اے اللہ! تو مجھے کھانا دے دے مجھے بھوک لگی ہے" بچہ اپنی پیاری معصوم زبان سے یہ دعا مانگ رہا ہے اور ماں سکھا رہی ہے۔ جب بچہ دعا مانگ چکا تو ماں نے کہا بیٹا! دیکھو' تمہاری روٹی کہیں نہ کہیں اللہ نے رکھوا دی ہو گی۔ چنانچہ بچے نے ڈھونڈا تو بستر میں اسے روٹی مل گئی۔ بچے نے خوش ہو کر

کھالی۔ یہ روزانہ کا معمول بن گیا۔ ماں خود روٹی پکا کر کبھی الماری میں چھپا دیتی' کبھی کسی بستر میں چھپادیتی' بچہ آتا' مصلی بچھاتا' بیٹھ کر اپنے معصوم ہاتھ پھیلا کر دعا مانگتا کہ اے اللہ! مجھے بھوک لگی ہے مجھے روٹی دے دے۔ جب بچہ دعا مانگتا تو پھر اسے ڈھونڈنے سے روٹی مل جاتی۔ ماں کا دل خوش ہوتا کہ میرے بچے کی توجہ اللہ کی طرف ہو رہی ہے۔

ایک دفعہ وہ ماں اپنے رشتہ داروں کے گھر کسی کام کی غرض سے چلی گئی۔ وہاں گئی تو ایسی مصروف ہوئی کہ اس کو بات ہی بھول گئی۔ جب خیال آیا تو کہا' اوہو! بچہ تو مدرسہ سے واپس آ چکا ہو گا۔ میرے بیٹے کو تو بھوک لگی ہو گی۔ اور میں تو آج کھانا پکا کر نہیں رکھ آئی۔ پتہ نہیں آج کیا معاملہ بنے گا۔ اب آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے ہیں اور دل پریشان ہے۔ تیزی سے قدم اٹھاتی ہوئی اور دعائیں مانگتی ہوئی جا رہی ہے۔ اے اللہ! میں نے تو اپنے بچے کا یقین اور ایمان تیرے ساتھ مضبوط بنانا تھا' مجھ سے خطا ہوئی' میں بھول گئی' میں اس کیلئے کھانا پکا کر نہیں رکھ سکی' میرا بیٹا آیا ہو گا اس نے دعا مانگی ہو گی اے اللہ! تو میرے راز کو فاش نہ کرنا۔ چنانچہ ماں رو بھی رہی تھی اور گھر کی طرف بھی چل رہی تھی۔ جب گھر پہنچی تو دیکھتی ہے کہ اس کا بیٹا تو بڑے مزے کی نیند سو رہا ہے۔ وہ سوچنے لگی کہ بھوکا تھا شاید اسی لیے سو گیا۔ اس نے جلدی سے روٹی بنائی اور ایک جگہ چھپادی۔ اتنے میں بچہ اٹھا' ماں نے کہا بیٹا تجھے تو بہت بھوک لگی ہو گی۔ اس نے کہا امی! میں مدرسہ سے آیا تھا اور میں نے مصلی بچھا کر اللہ تعالی سے دعا مانگی اے اللہ! مجھے بھوک لگی ہے تو مجھے روٹی دے دے۔ آج امی بھی نہیں ہے تو مجھے اچھی سی روٹی دے دے اور جب میں نے ادھر ادھر دیکھا تو مجھے بستر میں پڑا ہوا ایسا کھانا ملا کہ امی! جو مزہ مجھے آج آیا ہے پہلے کبھی نہیں آیا تھا۔

دیکھا' یوں ایک وقت تھا جب مائیں اپنے بچے کا یقین بنایا کرتی تھیں۔

لمحہ فکریہ: آج ہے کوئی ماں جو کہے کہ میں بچے کا یقین اللہ کے ساتھ بناتی ہوں؟ ہے کوئی ماں جو کہے کہ میں تو صبح شام کھانا کھلاتے ہوئے اپنے بچے کو ترغیب دیتی ہوں کہ ہر حال میں سچ بولنا ہے؟ ان چیزوں کی طرف توجہ ہی نہیں ہوتی۔ باپ ذرا سی نصیحت کر دے تو ماں فوراً کہتی ہے' بڑا ہو گا تو ٹھیک ہو جائے گا۔ حالانکہ بچپن کی بری عادتیں

بچپن میں بھی نہیں چھوٹتیں۔ آج تربیت نہ ہونے کی وجہ سے اولاد جب بڑی ہوتی ہے تو وہ اپنے باپ سے یوں نفرت کرتی ہے جیسے کہ پاپ سے نفرت کی جاتی ہے۔

ایک وقت تھا کہ عورت صبح کی نماز پڑھا کرتی تھی اور بچوں کو اپنی گود میں لیکر کبھی سورۃ یٰسین پڑھ رہی ہوتی تھی، کبھی سورۃ واقعہ پڑھ رہی ہوتی تھی اس وقت بچے کے دل میں انوارات اتر رہے ہوتے تھے۔ آج وہ مائیں کہاں گئیں جو صبح کے وقت بچے کو گود میں لے کر قرآن پڑھا کرتی تھیں؟ آج تو سورج نکل جاتا ہے مگر بچہ بھی سویا ہوا ہوتا ہے ماں بھی سوئی ہوئی ہوتی ہے۔ شام کا وقت ہوتا ہے، بچے کو ماں نے گود میں ڈال۔ ادھر سینے سے لگا کر دودھ پلا رہی ہے ساتھ ہی بیٹھی ٹی وی پر ڈرامہ دیکھ رہی ہے۔ اے ماں! جب تو ڈرامے میں غیر محرم مردوں کو دیکھے گی، موسیقی سنے گی اور غلط کام کرے گی اور ایسی حالت میں بیٹے کو دودھ پلائے گی تو بتا تیرا بیٹا جنید بغدادیؒ کیسے بنے گا! بتا کہ تیرا بیٹا عبدالقادر جیلانیؒ کیسے بنے گا؟

ایک صحابیہؓ کا قرآن پاک سے لگاؤ:

سنئے اور دل کے کانوں سے سنئے کہ جس طرح مرد عبادت کرکے اللہ رب العزت کا تعلق حاصل کر سکتا ہے اسی طرح عورت بھی عبادت کرکے اللہ رب العزت کا تعلق اور اس کی معرفت حاصل کر سکتی ہے۔ ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا نے تنور پر روٹیاں پکوائیں اور ان کو اپنے سر پر رکھا اور چلتے ہوئے کہنے لگی، لے بہن! میرے تو تین پارے بھی مکمل ہو گئے اور میری روٹیاں بھی پک گئیں۔ تب پتہ چلا کہ یہ عورتیں جتنی دیر روٹی پکنے کے انتظار میں بیٹھتی تھیں ان کی زبان پر قرآن جاری رہتا تھا۔ حتیٰ کہ اس دوران میں تین تین پارے قرآن کی تلاوت کر لیا کرتی تھیں۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ذوق عبادت:

ایک وقت تھا کہ عورتیں سارا دن گھر کے کام کاج میں مصروف رہتی تھیں اور جب رات آتی تھی تو مصلے کے اوپر رات گزار دیا کرتی تھیں۔ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے بارے میں آتا ہے کہ سردیوں کی لمبی رات تھی، عشاء کی نماز پڑھ کر دو رکعت نفل کی نیت باندھ لی۔ طبیعت میں ایسا سرور تھا، ایسا مزہ تھا، تلاوت قرآن میں ایسی

حلاوت نصیب ہوئی کہ پڑھتی رہیں ' پڑھتی رہیں حتی کہ جب سلام پھیرا تو دیکھا کہ صبح کا وقت ہونے کو ہے تو رونے بیٹھ گئیں اور یہ دعا کرنے لگیں کہ اے اللہ! تیری راتیں بھی کتنی چھوٹی ہوگئیں کہ میں نے دو رکعت کی نیت باندھی اور تیری رات ختم ہوگئی۔

ایک وہ عورتیں تھیں جن کو راتوں کے چھوٹا ہونے کا شکوہ ہوا کرتا تھا' ایک آج ہماری مائیں بہنیں ہیں جن میں سے قسمت والیوں کو پانچ وقت کی نماز پڑھنے کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔

چاشت کی نماز اور رزق میں برکت: ایک وقت تھا جب کہ خاوند حضرات تجارت کیلئے گھر سے نکلا کرتے تھے تو ان کی بیویاں مصلے پر بیٹھ کر چاشت کی نمازیں پڑھا کرتی تھیں۔ ان کی بیویاں اپنے دامن پھیلا کر اللہ سے دعائیں مانگتی تھیں۔ اے اللہ! میرا خاوند اس وقت رزق حلال کیلئے گھر سے نکل پڑا ہے۔ اس کے رزق میں برکت عطا فرما' اس کے کام میں برکت عطا فرما۔ عورت رو رو کر دعا مانگ رہی ہوتی تھی اللہ تعالی مرد کے کام میں برکت دے دیتے تھے۔

خلاصہ کلام: مسلمان معاشرے میں عورت گھر کی ملکہ کا درجہ رکھتی ہے۔ لہٰذا گھر کے ماحول کا دار و مدار عورت کی دین داری پر موقوف ہوتا ہے۔ عورتیں اگر نیک طبع ہوں گی تو بچوں کو بھی دینی رنگ سے رنگ دیں گیں۔ پس مسلمان لڑکیوں اور عورتوں کی دینی تعلیم اور اخلاقی تربیت پر بالخصوص محنت کی ضرورت ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے " مرد پڑھا فرد پڑھا۔ عورت پڑھی خاندان پڑھا "۔ دانایان فرنگ میں سے کسی کا قول ہے کہ "تم مجھے اچھی مائیں دو میں تمہیں اچھی قوم دوں گا"۔ امت مسلمہ کو آج کل مسلمان لڑکیوں کی دینی تعلیم و تربیت پر محنت کرنے کی نسبتا زیادہ ضرورت ہے تاکہ ہماری آنے والی نسلیں ماں کی گود سے ہی دین کی محبت اور عمدہ اخلاق کی دولت پائیں اور افق عالم پر آفتاب و ماہتاب کی طرح نور برسائیں۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ○

حضرت مولانا پیر

ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

کی

تصوف و سلوک کے موضوع پر لاجواب مدلل تصنیف

تصوف و سلوک

زیرِ سرپرستی

جانشین مرشدِ عالم صاحبزادہ پیر **عبدالرحیم نقشبندی مجددی** مدظلہ

سجادہ نشین خانقاہ حبیبیہ نقشبندیہ چکوال

مؤلف:

فقیر ذوالفقار احمد نقشبندی مجددی

مہتمم دارالعلوم جھنگ۔ پاکستان

©

تصوف و سلوک کا مطالعہ کر کے شکوک و شبہات دور کیجیے۔

مکتبۃ الفقیر کی کتب ملنے کے مراکز

- دار العلوم جھنگ، پاکستان 0471-622832,625707
- مدرسہ تعلیم الاسلام، سنت پورہ فیصل آباد 041-618003
- معھد الفقیر، گلشن بلاک، اقبال ٹاؤن لاہور 042-5426246
- جامعہ دار الھدیٰ، جدید آبادی، بنوں 0928-621966
- دار المطالعہ، نزد پرانی ٹینکی، حاصل پور 0696-42059
- ادارہ اسلامیات، 190 انارکلی لاہور 7353255
- مکتبہ مجددیہ، اردو بازار لاہور
- مکتبہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی
- اسلامی کتب خانہ، بنوری ٹاؤن کراچی
- مکتبہ قاسمیہ، بنوری ٹاؤن، کراچی
- دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی
- عبد الوہاب، پنجاب کالونی، نزد رضوان مسجد کراچی 021-5877306
- مکتبہ حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد مدظلہ العالی مین بازار، سرائے نورنگ PP 09261-350364
- حضرت مولانا قاسم منصور صاحب ٹیپو مارکیٹ، مسجد اسامہ بن زید، اسلام آباد 051-2262956
- جامعۃ الصالحات، محبوب سٹریٹ، ڈھوک مستقیم روڈ، پیرودھائی موڑ پشاور روڈ راولپنڈی

مکتبۃ الفقیر 223 سنت پورہ فیصل آباد